فقل للعیون الرمد ایاک ان تری   سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا
گرد آلود آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر اوڑھ لیں

مقامِ حیات

المسمّٰی بہٖ

مدارکُ الاذکیاء فی حیاۃِ الانبیاء علیہم السلام

مکینِ گنبدِ خضرا کی حیاتِ برزخی کا بیان

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

حقوق التالیف کلہا محفوظة للمؤلف

نام کتاب —— مقام حیات

مصنف —— ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر

کتابت —— محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال

صفحات —— ۷۵۲

ایڈیشن ہذا —— ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء

ناشر —— جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور

دار المعارف اردو بازار لاہور

تعداد —— گیارہ سو

قیمت اعلیٰ مجلّد —— ۱۷۰ روپے

ممالک یورپ —— ۱۲ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف ۱/۲ دیو سماج روڈ سنت نگر

جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور

پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

19 - Charlton Terrace Off Upperbook Street, Manchester 13

فہرست مضامین

تعارف و اعتذار	۳۳	مخالفین کا علمائے دیوبند کو حیات فی الدنیا کا ملتزم قرار دینا	۴۰
لادینیت کا محاذ	۳۳		
اندرونی اتحاد کی ضرورت	۳۴	وفات کا موضوع حیات ہے ممات نہیں	۴۱
دین محمدی کا اہم ترین موضوع	۳۵	حیات الانبیاء پر فریقین کا اتفاق	۴۱
اسلام کا عقیدۂ معاد	۳۵	مخالفین کا اپنا اقرار	۴۲
ارکان ایمان کا رکن خاص	۳۵	حیات جسدی کے انکار کے خطرناک نتائج	۴۳
ایمان بالآخرت	۳۵	معتزلہ و روافض اور اہل سنت کا نظریہ آخرت میں اختلاف	۴۴
منکرین معاد کے استبعادات	۳۶		
قرآن کریم کے جوابات	۳۶	اہل سنت حیات جسدی کے قائل ہیں	۴۴
جو بدن گناہ کرے وہی سزا پائے	۳۷	وفات کے بعد روح و بدن میں علاقہ نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے	۴۵
سوادِ اعظم اہل سنت کا عقیدہ	۳۷		
عالم برزخ میں حیات نبویہ	۳۸	حضورؐ روح و بدن کے مجموعہ سے رسول ہیں	۴۵
نفوذ روح ہو یا اشراف روح	۳۸	حیات جسمانی کے انکار کا دوسرا نتیجہ	۴۶
روح پاک کا مقر اصلی	۳۸	حضورؐ عبدہٗ و رسولہٗ نہ رہیں گے	۴۶
حیات دنیا والے جسد میں	۳۹	کرامیہ کا عقیدہ کہ حضورؐ اب صرف حکمی طور پر رسول ہیں	۴۷
حیات کا مدار رزق مادی پہ نہیں	۳۹		
حیات میں کبھی اختلاف نہیں رہا	۴۰	علامہ ابن حزمؒ کرامیہ کے رد میں	۴۷

حضورؐ کو حقیقی طور پر رسول ماننا چاہیے	۴۹
حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اپنا عقیدہ	۵۰
کتب عقائد میں نبوت حقیقی کی تصریح	۵۰
کرامیہ اپنے اشاعت کے محاذ پر	۵۱
امام بیہقی علامہ قشیری اور ابن عساکر سنی محاذ پر	۵۲
کرامیہ جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں	۵۳
کرامیہ کے مخصوص عقائد	۵۴
انکار حیات کا تاریخی پس منظر	۵۴
کرامیہ کے خلاف علامہ سبکیؒ کا بیان	۵۵
علامہ سبکیؒ کے ہاں صحیح سنی عقیدہ	۵۶
امام ابوالقاسم قشیریؒ کا سنی عقیدہ	۵۶
علامہ ابن عابدین الشامیؒ کا سنی عقیدہ	۵۷
انبیاء رسالت سے معزول نہیں ہوتے	۵۸
اس غلط عقیدہ سے متاثر ہونے والے دوسرے مسئلے	۵۹
مقدمہ	
استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ	۶۱
خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت	۶۱
حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت علیؓ کی حمایت میں	۶۲
مجتہد اور مناظر میں فرق	۶۲
مجتہد اور مقلد میں فرق	۶۴
کیا مسئلہ حیات النبی یا وفات النبی صراحت سے قرآن میں مذکور ہے؟	۶۵
آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال	۶۶
کیا آیت اموات غیر احیاء مماتی عقیدے پر قطعی الدلالۃ ہے؟	۶۷
آیت اموات غیر احیاء کا موضوع بیان	۶۹
آیت اموات غیر احیاء میں کیا کسی اور معنی کا بھی دخل ہے؟	۷۱
آیت اموات غیر احیاء میں عموم مجاز	۷۲
قرآن کریم اور حضورؐ کی وفات شریفہ	۷۴
بائبل میں صلیب مسیح کا ذکر کیا بائبل کے اصلی نہ ہونے کی دلیل نہیں؟	۷۵
کیا اثبات عقائد کے لیے دلائل ظنیہ سے استشہاد ہو سکتا ہے؟	۷۵
علامہ شاطبیؒ کا بیان	۷۶
ملا علی قاریؒ کا بیان	۷۶
قرآن عزیز کا موت انسانی میں ذہن جاہلیت سے اختلاف	۷۷

عربی میں موت کے مختلف نام	۷۸	**موت کی حقیقت**	۸۸
قرآن کا استعمال لفظ توفّی	۷۸	موت کے لیے سبق حیات ضروری نہیں	۸۸
ابانۃ الروح عن الجسد اور زوال قوت حیوانیہ۔	۷۸	مسبوقیت حیات موت کے لیے لازم نہیں	۸۸
قرآن کی رو سے موت کی حقیقت	۷۹	آنحضرتؐ کی موت طیبہ کی شان	۸۹
موت اور نیند میں عمل مشترک	۸۰	حضورؐ کی حیات بھی طیب موت بھی طیب	۹۰
آثارِ حیات کا کچھ دیر باقی رہنا	۸۰	موت کے باوجود بعض آثارِ حیات کا تسلسل	۹۰
آنحضرتؐ کے آثارِ حیات اب تک باقی	۸۰	آثارِ حیات جو اجماعًا قائم اور مسلم رہے	۹۰
صاحبِ ہدایہ کا موقف عدم تغیّر	۸۰	آپ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہے	۹۰
آیت اللہ یتوفی الانفس کو متشابہات میں شامل کرنا۔	۸۱	موت ایک صفت ہے جو صفت حیات کے تغیّر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔	۹۲
حدیث صحیح بخاری سے اس کا رد	۸۱	روح اور حیات میں ملازمہ نہیں	۹۳
نیند والے کے لیے ارسال روح کے علاوہ احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔	۸۲	موت کا شرعی مفہوم	۹۴
		اختلاف دارین کا تحقق ہو جاتے	۹۴
ارسال و احیاء کے ساتھ رد روح کے الفاظ بھی حدیث میں وارد ہیں۔	۸۲	موت عدم محض اور فنائے خالص نہیں	۹۴
		عالمِ آخرت کی عنصری حیات	۹۵
قرآن کی رو سے موت ایک وجودی چیز ہے	۸۳	حشرِ آخرت ذراتِ منتشرہ سے کیسے	۹۶
امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ کے بیانات	۸۴	انبیاء کے ابدان ریزہ ریزہ نہیں ہوتے	۹۷
موت کا وجود حدیث کی روشنی میں	۸۶	صورتحال سے بے خبری عدم حیات کی دلیل نہیں	۹۷
موت کے ذبح ہونے کی روایات	۸۶	عزیر علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے ابدان موت کے باوجود محفوظ رہے	۹۷
گنہگار جہنمیوں پر ایک اور موت	۸۷		

حشر کے دن پہلے آنحضرتؐ قبر سے نکلیں گے ۹۹
اوروں کے لیے لفظ بعثت اور آپ کے لیے لفظ خروج ۹۹
روایت میں اعتماد اور اسناد کے دو دور ۱۰۰
صحتِ حدیث معلوم کرنے کی دو راہیں ۱۰۱
اعتماد علی السلف کو قائم رکھنے کی ضرورت ۱۰۱

تمہید ۱۰۳

عالم برزخ کی کبھی کبھی جھلکیاں ۱۰۳
حیات انسانی کے چار دور ۱۰۴

(۱) عالمِ ارواح ۱۰۴

عالم ارواح میں ارسال رسل کی خبر ۱۰۵
عالمِ ارواح کو عالم ارواح کیوں کہتے ہیں ۱۰۵

(۲) عالمِ دنیا ۱۰۶

عالم دنیا میں بدن کے احکام روح پر غالب ۱۰۶
تغذیہ و تنمیہ اس زندگی کے لوازم ہیں ۱۰۶
یہ دنیا دارالتکلیف اور دارالعمل ہے ۱۰۶
عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں ۱۰۷
جنت اور جہنم کا اس دنیا میں مشاہدہ ۱۰۷
اجر امت اور ذنوب امت کا مشاہدہ ۱۰۸
پہلی امتوں اور پہلے انبیاء کو دیکھنا ۱۰۸
فتنوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھنا ۱۰۹
دنیا کا ممثل ہو کر آپ کے سامنے آنا ۱۱۰
آپ کا بچا دودھ حضرت عمرؓ کی قسمت میں ۱۱۰
علم کی ایک برزخی صورت — دودھ ۱۱۰
دین کی ایک برزخی صورت — قمیص ۱۱۱
کنویں سے نکلتے ڈول — خلافت ۱۱۱
وبا بکھرے بالوں والی عورت کی صورت میں ۱۱۱

(۳) عالمِ برزخ ۱۱۳

قرآن کریم میں اس جہان کی خبر ۱۱۳
برزخی زندگی میں روح و حیات میں تلازم نہیں ۱۱۳
برزخ میں روح و بدن کا تعلق بھی ہو سکتا ہے ۱۱۴
عالم برزخ ایک جہت سے مواطن دنیوی میں ہے اور اس میں ارتقاء عمل ہے ۱۱۴
مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ۱۱۴
۱۔ عام اموات کا برزخ ۱۱۴
۲۔ شہداء کا برزخ ۱۱۴
۳۔ انبیاء کا برزخ ۱۱۴
عالم برزخ کو سمجھنے کے لیے ایک دنیوی تجربہ ۱۱۵
نیند برزخ کی قریب ترین منزل ہے ۱۱۵
قبر کی واردات شرعی حقیقت ہیں مجاز نہیں ۱۱۵
توفی میں موت اور نیند دونوں جمع ۱۱۶
حدیث کی رو سے موت نیند کی بہن ۱۱۷

④ عالمِ آخرت — ۱۱۸

چار جہانوں میں کوئی دو متوازی نہیں — ۱۱۸

ہر دوسرا جہاں پہلے سے وسیع ہے — ۱۱۸

چاروں جہانوں کا آپس میں ایک لطیف ربط — ۱۱۹

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بیان

کہ عالمِ قبر اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے۔ — ۱۱۹

عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں ایک کھلا فرق — ۱۲۰

حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کا بیان — ۱۲۱

تین جہانوں میں روح و بدن کے تعلق کی نوعیت — ۱۲۱

عالمِ برزخ کا عالمِ دنیا سے قریبی تعلق — ۱۲۱

اہلِ برزخ کی اہلِ دنیا سے دلچسپی — ۱۲۳

اہلِ برزخ اور اہلِ دنیا کی باہمی واقفیت — ۱۲۴

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے — ۱۲۴

پانچ طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات — ۱۲۴

استدلال کا شخصیاتی درجہ — ۱۲۵

استدلال کا طبقاتی درجہ — ۱۲۶

استدلال کا کلیاتی درجہ — ۱۲۷

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح — ۱۲۸

ہر سہ استدلال سے برزخ کا اندازہ — ۱۲۸

انسان کا مستقل دارالقرار صرف آخرت ہے۔ — ۱۲۹

اسلام کا عقیدہ برزخ — ۱۳۱

حضرت علامہ قرطبیؒ کا بیان — ۱۳۲

حضرت علامہ سیوطیؒ کا بیان — ۱۳۲

حضرت مولانا تھانویؒ کا بیان — ۱۳۲

① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت — ۱۳۳

یہ صرف ایامِ ثلثہ ہیں یا مراحلِ ثلثہ — ۱۳۴

۱۔ علامہ نسفیؒ کی شہادت — ۱۳۴

۲۔ ابن الجوزیؒ کی شہادت — ۱۳۴

۳۔ علامہ قرطبیؒ کی شہادت — ۱۳۵

۴۔ امام رازیؒ کی شہادت — ۱۳۵

۵۔ قاضی ثناء اللہؒ کی شہادت — ۱۳۶

۶۔ تفسیر خازن کی شہادت — ۱۳۶

قبر میں سلام سے سلامِ تحیہ مراد ہو سکتا ہے — ۱۳۷

علامہ ابن عطیہ کی شہادت — ۱۳۸

صلوٰۃ و سلام اسی دنیوی بدن پہ — ۱۳۹

② قرآن کریم میں قیامت سے پہلے آلِ فرعون کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے — ۱۳۹

حافظ ابن کثیرؒ کی شہادت — ۱۳۹

③ قومِ نوح پر ڈوبنے سے متصل آگ کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے — ۱۴۰

(۴) قرآن کی رو سے انسانی زندگی کے تین دور ۱۴۱

قبر کے اندر کے چھپے معاملات ۱۴۲

روایت براء پر قرآن کی تلاوت ۱۴۲

(۵) قرآن کریم میں سوالات اُخروی پر ثابت قدمی کی شہادت ۱۴۲

برزخ کا شمار اِدھر بھی اُدھر بھی ۱۴۳

چالیس صحابہ کرامؓ سے قبر میں کئے جانے والے سوالات کا ثبوت ۱۴۴

عذاب قبر کے انکار سے انسان کفر کی سرحد پر ۱۴۴

عذاب قبر کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں ۱۴۵

عذاب قبر کی احادیث تواتر کے درجہ میں ۱۴۵

(۶) مرنے کے ساتھ عذاب الہون کا سامنا ۱۴۷

(۷) مرنے کی ضرب میں اور عذاب الحریق کا سامنا ۱۴۹

(۸) قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی ۱۵۰

حضرت تھانویؒ کا ایمان افروز بیان ۱۵۱

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

امام ابوداؤدؒ کی شہادت ۱۵۴

امام مسلمؒ کی شہادت ۱۵۴

امام بخاریؒ کی شہادت ۱۵۴

امام ترمذیؒ کی شہادت ۱۵۵

صاحب مشکوٰۃ کی شہادت ۱۵۶

عذاب قبر احادیث کی روشنی میں ۱۵۶

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ۱۵۷

حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ۱۵۸

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ۱۶۰

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ۱۶۰

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ۱۶۲

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ۱۶۲

حضرت جابرؓ کی روایت ۱۶۳

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت ۱۶۴

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ۱۶۴

حضرت ام المومنینؓ کی روایت ۱۶۵

قبر کی واردات ۱۶۷

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد ۱۶۷

نو جلیل القدر صحابہؓ کی گواہی ۱۶۷

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی گواہی ۱۶۷

ابن جریر الطبریؒ کی گواہی ۱۶۸

امام طحاویؒ کی گواہی ۱۶۹

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ ۱۶۹

امام بیہقیؒ، اسفرائنیؒ، قشیریؒ ۱۷۰
ابن عساکرؒ اور امام غزالیؒ ۱۷۰
صاحب ہدایہ کی گواہی ۱۷۲

ساتویں صدی کی شہادت

۱۔ علامہ قرطبیؒ ۱۷۲
۲۔ امام نوویؒ ۱۷۳
۳۔ علامہ نسفیؒ ۱۷۴

آٹھویں صدی کی شہادت

۱۔ علامہ صدر الدین القونویؒ ۱۷۵
۲۔ علامہ سبکی شافعیؒ ۱۷۵
۳۔ قاضی عضد الدین الایجیؒ ۱۷۶
۴۔ حافظ ابن تیمیہؒ ۱۷۶
۵۔ حافظ ابن قیمؒ ۱۷۷

نویں صدی کی شہادت

علامہ سید شریف الجرجانیؒ ۱۷۹
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۱۷۹
علامہ بدر الدین العینیؒ ۱۸۰
حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ ۱۸۱

دسویں صدی کی شہادت

علامہ سیوطیؒ کا بیان ۱۸۲
علامہ دوانیؒ ۱۸۳
علامہ شعرانیؒ ۱۸۴
علامہ قہستانیؒ ۱۸۴
ملا علی القاریؒ ۱۸۵

گیارہویں صدی کی شہادت

۱۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ۱۸۸
۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۸۹

بارہویں اور تیرہویں صدی

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۹۰
۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۱۹۵
۳۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ۲۰۱
۴۔ علامہ شامیؒ ۲۰۲
۵۔ قاضی شوکانیؒ ۲۰۳
۶۔ علامہ آلوسیؒ ۲۰۵

چودہویں صدی کی شہادت

امام العصر مولانا انور شاہؒ ۲۰۹
مفتی عزیز الرحمٰنؒ ۲۱۰
مولانا حسین علی مرحومؒ ۲۱۰
نواب صدیق حسن خانؒ ۲۱۰
مسلک محدثین اور مسلک متکلمین ۲۱۰
اعادۂ روح اور اشراق روح ۲۱۱
صحت روایت کا مدار و اعتبار ۲۱۳
علامہ ذہبیؒ کی شہادت ۲۱۴
امام عبدالرحمٰن بن المہدیؒ ۲۱۵
علامہ سیوطی کی شہادت ۲۱۵
حدیث اعادہ روح ۲۱۶
راویوں پہ کلام ۲۱۷
حدیث کی تصحیح کرنے والے ۲۱۹
پہلی پانچ صدیوں کی شہادت ۲۱۹
چھٹی صدی کی شہادت ۲۱۹
ساتویں اور آٹھویں صدی کی شہادت ۲۲۰
نویں اور دسویں صدی کی شہادت ۲۲۱
گیارہویں صدی کی شہادت ۲۲۲
بارہویں صدی کی شہادت ۲۲۲
تیرہویں صدی کی شہادت ۲۲۳
ایک سوال اور اس کا جواب ۲۲۵

دنیوی زندگی نہیں دنیا کی سی زندگی ہے

دنیوی زندگی کی تعریف ۲۲۸
وفات کے بعد اس دنیوی زندگی میں آنا شیعوں کا عقیدۂ رجعت ہے۔ ۲۲۸
حضورؐ کی برزخی زندگی کو دنیوی کہنے کی جہت ۲۲۹
نیند کے حالات اور برزخ کی واردات ۲۲۹
حضورؐ کا جسد اطہر بالکل تر و تازہ ۲۲۹
برزخ میں روح کا عود کر آنا دنیا کی طرح سے نہیں ۲۳۰
علامہ تفتازانیؒ کی شہادت ۲۳۱
علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ ۲۳۱
حافظ ابن حجرؒ کی تائید ۲۳۱
قاسم ابن قطلوبغا کی شہادت ۲۳۲
ملا علی قاری کی شہادت ۲۳۲
حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی شہادت ۲۳۳
اس دور کے معتزلہ کی اہل حق سے استہزاء ۲۳۴
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۲۳۶
مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ ۲۳۶
قبر کی زندگی کس پہلو سے دنیوی زندگی ہے؟ ۲۳۷
حافظ ابن الجوزیؒ قبر کی زندگی کو قرآن کے حوالے سے دنیوی زندگی مانتے ہیں۔ ۲۳۸

http://mujahid.xtgem.com

علاؤالدین ابوالحسن الخازنؒ کی شہادت	۲۲۹	انبیائے سابقین کے آنے کی صورت	۲۵۲
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت	۲۲۹	ملاقات انبیاء پہ قرآن کی شہادت	۲۵۳
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شہادت	۲۲۹	علامہ قرطبی کی شہادت	۲۵۴
برسر مطلب آمدیم	۲۴۰	تفسیر جلالین کا بیان	۲۵۳
حیات برزخی کا دنیوی پہلو	۲۴۱	امام فخرالدین رازیؒ کا تفسیری ضابطہ	۲۵۵
برزخ کی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد	۲۴۲	علامہ بغوی کی شہادت	۲۵۶
مجھے قیامت تک رہنے کا اختیار دیا گیا	۲۴۲	حضرت سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) کی شہادت	۲۵۶
دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق	۲۴۴	قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ	۲۵۷
برزخی زندگی کی آہٹ کہاں تک سنی جا سکتی ہے	۲۴۵	قاضی شوکانیؒ کی شہادت	۲۵۷
انبیاء کا سلسلہ عمل رکا نہیں ہے	۲۴۶	علامہ محمود آلوسیؒ کی شہادت	۲۵۷
انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا	۲۴۶	حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کی شہادت	۲۵۹
آنحضرتؐ کا حضرت موسیٰ سے ملاقات کرنا	۲۴۶	شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت	۲۶۰
یہ ملاقات ابدان سے تھی صرف ارواح سے نہ	۲۴۷	ملا علی قاریؒ کی عبارات	۲۶۱
پہلے انبیاء یہاں آکر حج بھی کر سکتے ہیں	۲۴۷	حضرت عیسیٰ کی پہلے انبیاء سے ملاقات	۲۶۲
حضرت ہود اور حضرت صالح کے گزرنے کی خبر	۲۴۸	حضرت عیسیٰ کی روضہ اطہر پہ حاضری اور سلام	۲۶۳
حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے گزرنے کی خبر	۲۴۹	حضرت عیسیٰ فج روحاء سے احرام باندھیں گے	۲۶۴
قرآن کی خبر کہ آپ موسیٰ سے ضرور ملیں گے	۲۴۹	حضرت عیسیٰ بعد نزول اللہ کے رسول ہوں گے	۲۶۵
موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا	۲۴۹	حضرت عیسیٰ پر انتظامی امور میں وحی آئے گی لیکن وحی شریعت نہیں۔	۲۶۵
قبر کے اعمال کا احادیث سے ثبوت	۲۵۰		
انبیاء کی برزخ میں حیات ارتقاء عمل سے ہے	۲۵۰	عالم برزخ سے سنی بات پر عمل ضروری نہیں	۲۶۵
حضورؐ کی پہلے انبیاء سے ملاقات	۲۵۱	اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں	۲۶۶

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

برزخ میں کیے گئے اعمال دنیوی اعمال کے حکم میں ۲۶۶
عبادت صرف موت تک کے لیے ہے ۲۶۷
عالم برزخ کی عبادت تکلیفی نہیں ۲۶۷
جنت میں یاد الٰہی مکلف کے طور پر نہ ہوگی ۲۶۷
قرآن پاک کی رو سے جنت میں یاد الٰہی ۲۶۷
حدیث کی رو سے جنت میں یاد الٰہی ۲۶۸
حضورؐ کا برزخی زندگی میں امت کے لیے استغفار ۲۶۸
حضورؐ زائرین کے سلام کا جواب دینا وجوباً نہیں ۲۶۸
انبیاء کے وفات کے باوجود ان کے اعمال باقی رہے ۲۶۹
انبیاء کے وفات کے باوجود انکی املاک باقی ہیں ۲۶۹
عدت وفات سے امہات المومنینؓ کا نکاح ختم نہیں ہوا۔ ۲۷۰
ارواح شہداء کی سیر کیا کبھی دنیا میں بھی ہو سکتی ہے ۲۷۰
اشاعرہ حیات اور اعادہ روح میں تلازم کے قائل نہیں۔ ۲۷۲

آیت اللہ یتوفی الانفس حین موتہا پر بحث

موت کے لیے دو چیزیں لازم ہیں ۲۷۲
روح کا نکلنا اور آثار حیات کا خاتمہ ۲۷۲
نیند میں روح نکلنے کے باوجود روح کا ایک خاص تعلق بدن سے قائم رہتا ہے۔ ۲۷۳
آثار حیات اگر گھنٹوں منتفی نہ ہوں تو کیا یہ ایک جدید نوع کی موت نہ ہوگی ۲۷۳
معتزلہ کا امساک کا موقف ۲۷۳
اہل السنۃ والجماعۃ کا جواب ۲۷۴
۱. علامہ آلوسیؒ کی شہادت ۲۷۴
۲. مولانا تھانویؒ کی شہادت ۲۷۵
۳. حافظ ابن قیمؒ کی شہادت ۲۷۵
روح و بدن کا ہر تعلق دنیا کا سا نہیں ۲۷۶
ریاض الجنۃ سرزمین مدینہ میں ہے ۲۷۶

قبر کی حقیقت ۲۷۹

قبر کا مفہوم اسکی دلالت لغوی کلیۃً جدا نہیں ۲۷۹
قبر کی وسعت و فسحت پردہ غیب میں ہے ۲۷۹
صلوٰۃ زکوٰۃ اور حج کے لغوی اور اصطلاحی دو معنی ہیں مگر قبر کی کوئی علیحدہ شرعی حقیقت نہیں۔ ۲۸۰
قبر ــــ قرآن کریم کی روشنی میں ۲۸۱
قرآن اس ظاہری قبر کو ہی قبر کہتا ہے ۲۸۲
قبر کا دوسرا کنارہ کسی غار کی نظر میں ۲۸۲
قبر ــــ احادیث کی روشنی میں ۲۸۳
بیس احادیث کی شہادت ۲۸۸
قبر ــــ صحابہ کرامؓ کے ہاں ۲۸۹

http://mujahid.xtgem.com

حضرت ابن عباسؓ کی شہادت ۲۸۹
حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۸۹
حضرت بریدہؓ کی شہادت ۲۹۰
حضرت عمرو بن العاصؓ کی شہادت ۲۹۰
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت ۲۹۰
حضرت جابرؓ کی شہادت ۲۹۱
اسی زمین کو حکم ہوتا ہے کہ میت پر تنگ ہو جا ۲۹۱
یعنی قبر پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شہادت ۲۹۲
مخالفین کا اپنا اقرار کہ قبر یہی ہے ۲۹۲
شہداء احد کی انہی زمینی قبروں پر حضورؐ گزرے ۲۹۳
حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پہ ۲۹۴
یعنی قبر پر فریقین کا اتفاق ۲۹۵
قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پہ دعا کیوں؟ ۲۹۵
سیدنا حضرت عثمانؓ کی روایت ۲۹۶
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شہادت ۲۹۷
حضرت عمرو بن العاصؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ۲۹۸
سوال و جواب اسی قبر میں ۲۹۸
ملا علی قاریؒ کی شہادت ۲۹۸
قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۲۹۹
مقر اموات یہی زمین ہے ۳۰۰
مرنے کے بعد ٹھکانہ اسی زمین میں ہے ۳۰۰

عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو ۳۰۲
یعنی قبر پر سعودی پیشوا کی شہادت ۳۰۴
شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے کی شہادت ۳۰۵
سرخیل علماء نجد محمد بن عبداللطیف ۳۰۵
آپ قبر مبارک پہ سلام سنتے ہیں ۳۰۵
برزخ کے حالات مشاہدہ میں نہیں آتے ۳۰۶
فرشتوں کا مرنے والوں کو کھینچنا ہم نہیں دیکھتے مگر یہ ہوتا ہے۔ ۳۰۶
بعض کاملین پہ انکشاف حق ہے ۳۰۶
کرۂ ارضی اور عالم بالا کے ارتباطات ۳۰۷
فرشتوں کا حضورؐ کے پاس آنا جانا ۳۰۷
فرشتوں کا میدان جنگ میں نزول ۳۰۸
حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ۳۰۹
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بیان ۳۰۹
فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ۳۰۹
فرشتے کے اصلی صورت میں نہ آنے کی حکمت ۳۰۹
آنحضرتؐ کا برزخ عام درجے کا نہیں ۳۱۰
آنحضرتؐ کا ظرف طبعی عام درجے کا نہیں ۳۱۰
آنحضرتؐ کا برزخ عام لوگوں کی طرح کا نہیں ۳۱۰
کیا ان چار جہانوں کے سوا کوئی اور جہان بھی ہے۔ ۳۱۱

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

عالمِ مثال

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کا بیان ۳۱۱
معانی کی تصویریں مختلف اشکال میں ۳۱۱
حقائق کی تصویریں مختلف صورتوں میں ۳۱۲
عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کے مابین کی منزل ۳۱۲
عالمِ ملکوت اور عالمِ ناسوت میں تیسری منزل ۳۱۳
برزخ دنیا اور آخرت کے مابین ۳۱۳
عالمِ غیب اور شہادت کے مابین ۳۱۳
برزخ اس دوسرے مفہوم میں مستقل وجود رکھتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ۳۱۳
معراج کی رات عالمِ برزخ کے مسافر حضورؐ کو عالمِ مثال میں دکھائے گئے۔ ۳۱۳
قاضی بیضاویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی دو راہیں ۳۱۳
رائی اس جہان کا اور مرئی اُس جہان کے ۳۱۳
اجسادِ اصلیہ اور مثالیہ کے دو احتمال ۳۱۴
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک دربارۂ معراج ۳۱۴
علماء شرع کے ہاں عالمِ ارواح عالمِ برزخ اور عالمِ اجساد ہی ہیں شاید صوفیہ نے برزخ کو مثال کہہ دیا ہو ۳۱۵
اسلام میں عالمِ مثال کا تصور ۳۱۶
مقامِ بدن کے تعین سے مقامِ روح کا تعین ۳۱۶
اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذابِ قبر کے لیے کسی اور بدن کی تلاش میں۔ ۳۱۷
عذابِ قبر کے لیے مثالی بدنوں کا کیا کوئی ثبوت ہے، ۳۱۷
پرندوں کو شہداء کے اجسادِ مثالیہ قرار دینے والوں کا ذوقِ علم۔ ۳۱۷
عقائد کی اساس صوفیہ کے مشاہدات پر نہ ہونی چاہیے ۳۱۸
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات ۳۱۸
عقائد کی بناء صوفیوں کے مشاہدات اور ابدانِ مثالیہ پر رکھنا کونسی شانِ علم ہے؟ ۳۱۸
صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو ۳۱۸
مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت ۳۱۹
انکارِ عذابِ قبر کی ضرورت کیوں پڑی؟ ۳۲۰
عذابِ قبر پر علماء حق کے بیانات ۳۲۲

تنقیح المبحث ۳۲۴

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اقرارِ وفات ۳۲۴
موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں بڑا فرق ہے ۳۲۵
حضورؐ کی حیات جسمانی بھی ہے روحانی بھی اور برزخی بھی۔ ۳۲۵
مسئلہ زیرِ نزاع میں اصل مبحث مطلق حیات نہیں حیات بعد الوفات ہے۔ ۳۲۵

http://mujahid.xtgem.com

ثبوت وفات کے دلائل ہمارے خلاف نہیں ۲۲۵
وفات کا وقوع پھر زندہ ہونے کے منافی نہیں ۲۲۵
جیسی وفات آپ کے لیے مقدر تھی وہ واقع ہوئی ۲۲۵
طریان موت اور اعادہ حیات کے احتمالات ثلثہ کے بعد پھر روح بدن میں یا بدن پر ۲۲۶
۱. ابانۃ الروح عن الجسد ۲۲۶
۲. ابانۃ الروح عن الجسد کے بعد پھر بدن سے تعلق ۲۲۷
۳. انقباض الروح فی القلب سے پورے جسد اطہر میں آثار حیات باقی ۲۲۷
حضرت مولانا نانوتویؒ کا کسی ایک پر اطراد نہیں ۲۲۸
اصل مبحث حیات النبی قائم ہونا ہے ۲۳۰

حیات جسمانی
۲۳۰

حیات کا محل جسم ہی ہے ۲۳۰
۱. شہداء کی جسمانی حیات ۲۳۰
۲. پرندوں کی جسمانی حیات ۲۳۱
۳. امتداد موت سو سال تک ۲۳۲
۴. بستیوں کی زندگی آبادیوں سے ۲۳۲

حیات برزخی

حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۲۳۳

باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے ۲۲۳
روح کی حقیقت پر امام العصر حضرت علامہ انور شاہؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا بیان ۲۲۴
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا بیان ۲۲۵
مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور ۲۲۵
حیات شہداء کا ثبوت حیات انبیاء ثابت کرنے کے لیے بمنزلہ زینہ ہے ۲۲۵

حیات شہداء
۲۲۶

عامہ اموات کی زندگی بہ ذرات منتشرہ ایک روحانی زندگی ہے ۲۲۶
شہداء کرام کی زندگی بنص قرآن ایک جسمانی زندگی ہے ۲۲۶
حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ۲۲۶
علامہ ابن الہادی کا حقیقت افروز بیان ۲۲۷
حیات اور موت دونوں کی اپنی انواع ہیں ۲۲۸
حیات انسانی کے پانچ انداز ۲۲۸
قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے ۲۲۹
علامہ تفتازانیؒ حافظ ابن قیمؒ حافظ ابن حجرؒ علامہ ابن الہادیؒ اور علامہ آلوسیؒ کی شہادتیں ۲۳۰
حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں ۲۳۲
ایک اہم سوال اور اس کا جواب ۲۳۳
یہاں زندہ کن کو کہا گیا ہے؟ ۲۳۴

http://mujahid.xtgem.com

بل رفعه الله اليه رفع جسمانی کے لیے	۲۴۵	غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی؟	۲۵۸
یُرزقون کی دلالت حیات جسمانی پر	۲۴۵	علامہ ابوعبداللہ القرطبیؒ کا بیان	۲۵۹
روح کا دائرہ سیر مرنے کے بعد بڑھ جاتا ہے	۲۴۷	شہداء کی حیات معتزلہ بھی مانتے ہیں	۲۵۹
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مدینہ کا ایک مشاہدہ	۲۴۷	یرزقون — شہداء سے خاص نہیں	۲۵۹
جسد اطہر کی شان عالم برزخ میں	۲۴۸	صاحبزادہ ابراہیم کے لیے جنت میں دودھ پلانیوالی	۲۵۹
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر معراج پر ایک بیان	۲۴۸	حضورؐ کا اگلے جہان کی غذا سے صوم وصال رکھنا	۲۶۰
ارواح شہداء میں ملکہ تجسد	۲۵۱	آیت حیاۃ شہداء کے تقاضے	۲۶۱
ارواح شہداء سفید پرندوں کی شکل میں	۲۵۱	اس میں حیات جسمانی کا بیان ہے	۲۶۱
دو بدنوں سے تعلق ہو اس میں عقلاً ونقلاً کوئی مانع شرعی نہیں۔	۲۵۲	آیت لاتستندوا ذرہ کو قبر میں لے جانا	۲۶۲
		شہداء کی حیات روح وجسد سے ہے	۲۶۲
شہداء کی تمنا دنیا میں لوٹنے کی ہوگی تاوہ پھر ایک دفعہ لطفِ شہادت پائیں۔	۲۵۳	علامہ نسفیؒ کی شہادت	۲۶۳
		علامہ سفارینیؒ کی شہادت	۲۶۴
پرندوں کی شکل میں آنا آیت کی تفسیر نہیں یہ صرف ارواح کا تجسد ہے۔	۲۵۴	قاضی شوکانیؒ کی شہادت	۲۶۴
		علامہ آلوسیؒ کی شہادت	۲۶۶
بایں ہمہ روح کا تعلق کسی اور جسد سے ہو سکتا ہے	۲۵۵	روح کسی صورت میں متجسد ہو بایں ہمہ دنیوی جسد سے تعلق رہ سکتا ہے۔	۲۶۶
ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ انکی زندگی کا بیان ہے؟	۲۵۵		
جہنمی سیاہ پرندوں کے قالب میں	۲۵۶	برزخ سے پردہ اٹھنے کی مثالیں	۲۶۷
شہداء سبز پرندوں کے روپ میں	۲۵۶	شہداء اور انبیاء کو حالاً مردہ کہنے کا انکار	۲۷۰
کفار سیاہ پرندوں کے رُوپ میں	۲۵۷	علامہ آلوسی کا ایمان افروز بیان	۲۷۱
امام اوزاعیؒ کا بیان	۲۵۸	ابدانِ برزخیہ کا اجسامِ اصلیہ سے تعلق	۲۷۲
علامہ نسفیؒ کا حوالہ بحر الکلام سے	۲۵۸	شہداء کے علاوہ رزق پانیوالے برزخی افراد	۲۷۳

http://mujahid.xtgem.com

یہ عام اموات نہیں بلکہ اصل میں مرنے والے ہیں ۲۷۳

مقتول فی سبیل اللہ بھی شہید ہیں ۲۷۳

احادیث کی رو سے طبعی موت پانے والے شہداء ۲۷۴

رزق من عند اللہ ضروری نہیں کہ روحانی ہو ۲۷۴

حیات شہداء کے شواہد ۲۷۵

حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمروؓ انصاری اور حضرت عبداللہ بن الجموحؓ دونوں سالم ۲۷۵

سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا بدن سالم ۲۷۶

حضرت عبداللہ بن تامرؓ کا جسد تازہ خون سے ۲۷۷

حضرت عمرؓ کا قدم محفوظ دیکھا گیا ۲۷۷

حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ ۱۹۳۰ء کا واقعہ صدق ۴۴ ۱۹ء سے ۲۷۷

ماہنامہ تعلیم القرآن کی خبر ناقابل انکار صداقت ۲۷۸

ایک جرمن فلم ساز کمپنی کی کارروائی ۲۸۰

یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ ۲۸۲

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے حق ہونے کا نشان ۲۸۲

طاعنین صحابہؓ کن صورتوں میں اٹھائے جائیں گے ۲۸۲

جب صور پھونکا جائے اور انبیاء اٹھائے جائیں گے ۲۸۳

جب سب مُردے قبروں سے اٹھیں گے تو انبیاء کا احیاء ہوگا یا ان کا بے ہوشی سے افاقہ ہوگا ۲۸۳

صور موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہوگا ۲۸۴

الا من شاء اللہ کا استثناء ۲۸۴

پہلا اور دوسرا صعقہ ۲۸۵

حضرت موسیٰ کا صعقہ سے پہلے ہوش میں آنا ۲۸۵

سب سے پہلے حضورؐ سر اٹھائیں گے ۲۸۵

حافظ ابن کثیرؒ کی شہادت ۲۸۷

نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ میں وقت کا فاصلہ ۲۸۷

نزول عیسیٰ بن مریم اور قتل دجال ۲۸۸

ایک مشکل ترین حدیث کا ذکر (نووی) ۲۸۹

قاضی عیاض مالکیؒ کا پیش کردہ حل ۲۹۰

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ۲۹۱

مخالفین کا اقرار کہ بعد الوفات حیات انبیاء بالاتفاق ثابت ہے ۲۹۲

عقیدہ حیات کے ساتھ پانچ اقرار ۲۹۲

آنحضرتؐ بوجہ شہادت پانے کے بھی زندہ ہیں کیونکہ قرآن شہداء کو زندہ کہتا ہے ۲۹۳

حضرت ابوبکرؓ کو بھی مرتبہ شہادت ملا ۲۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ شہادت ۲۹۴

مسئلہ حیات النبیؐ کا تعارف ۲۹۶

http://mujahid.xtgem.com

حیات بعد الوفات لسید الکائنات

الباب الاول وفیہ خمسۃ فصول ۳۹۷

الفصل الاول وفیہ حدیث اوس بن اوس فی حدیث اجساد الانبیاء ۳۹۷

قطعات روایت میں ربط مطالب ۳۹۸

صحابہؓ کا سوال اَرمت اور حضورؐ کا جواب خلا اجساد اسی جسد عنصری سے متعلق ہیں ۳۹۹

منکرین حیات کی کثافت فکر ۴۰۰

تائید مزید من روایۃ ابی الدرداءؓ ۴۰۱

روایت ابی الدرداءؓ کی تصحیح کرنے والے ۴۰۲

حدیث الفصل الاول وفیہ ستۃ من المباحث

مبحث اول در احوال رواۃ ۴۰۳

وتوثیق رجال حدیث اوس بن اوس ۴۰۶

مبحث ثانی بتیس ۳۲ محدثین نے تصحیح کی ۴۰۷

گیارہ حوالے اور عبارات ۴۰۸

مبحث ثالث حدیث کا مفہوم حیات النبی ۴۱۳

گیارہ حوالے اور عبارات ۴۱۳

مبحث رابع حدیث ابی الدرداءؓ وتوثیق رواتہ ۴۲۴

مبحث خامس تدقیق الکلام فی عرض الصلوٰۃ والسلام علی سید الانام ۴۲۸

حضورؐ پر درود برزخی کیفیت سے اُترتا تھا ۴۲۸

معراج کی رات دنیوی جسد اور برزخی نظارے ۴۲۸

عام حالات میں بھی آپ نے اعمال امت کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے ۴۲۹

حدیث عرض اعمال از روایت عبداللہ بن مسعودؓ ۴۲۹

حضورؐ پر درود پیش ہونے کے خاص اوقات ۴۳۰

عرض صلوٰۃ وسلام دنیا سے برزخ تک مسلسل ۴۳۱

رد اللہ علی روحی کا معنی رد اللہ علی نطقی ۴۳۱

طبرانی کی روایت الا بلغنی صلاتہ ۴۳۲

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی شرح حدیث ۴۳۲

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۴۳۳

آٹھویں صدی کے محدث ابن الملقن کی شہادت ۴۳۳

نویں صدی کے محدث حافظ ابن حجرؒ کی شہادت ۴۳۳

نویں صدی کے محدث حافظ سخاویؒ کی شہادت ۴۳۴

دسویں صدی کے محدث حافظ سیوطیؒ کی شہادت ۴۳۵

گیارہویں صدی کے محدث علامہ خفاجیؒ کی شہادت ۴۳۵

بارہویں صدی کے محدث شاہ ولی اللہؒ کی شہادت ۴۳۶

تیرہویں صدی کے محدث مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شرح ۴۳۶

چودہویں صدی کے محدث سہارنپوریؒ ۴۳۷

http://mujahid.xtgem.com

علامہ عثمانیؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی تصدیقات ۴۲۷

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ کا بیان کہ آپؐ کا جسدِ اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔ ۴۲۸

درود و سلام حضورؐ پر پیش ہونا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شہادت ۴۲۸

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعلیم درود ۴۲۸

درود پہنچانے والے کارکنانِ الٰہی ۴۲۹

حضرت ابوالدرداءؓ کی تصدیق ۴۴۰

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار ۴۴۱

محدث کبیر ملا علی قاریؒ کی شہادت ۴۴۱

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۴۴۱

قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۴۴۱

اس شبہے کا جواب کہ حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کا درود آپ پر کیسے نہ آیا۔ ۴۴۲

مبحث سادس ۴۴۳

التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہید ۴۴۴

ملنے کے متعدد معنی ۴۴۴

۱. ملحق ہونا۔ ۲. ایک ذات ہونا۔ ۳. دفن ہونا۔ ۴۴۴

میں کبھی سے کے معنی میں (نور اللغات) ۴۴۴

حضرت گنگوہیؒ کی طرف سے وضاحت ۴۴۵

فاذا اصرت رھین رمس (مرقات) ۴۴۵

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ حفظ جسد پاک ۴۴۶

الفصل الثانی وفیہ ستۃ من المباحث

حدیث ابی ہریرۃؓ مامن احد یسلم علیّ ۴۴۷

مبحث اول چار بنیادی سوالات ۴۴۷

جہاں بدن اطہر ہے وہیں عرض سلام ہے ۴۴۸

ایک روایت میں یسلم علیّ عند قبری کے الفاظ ۴۴۸

علامہ زین الدین ابوبکر المراغیؒ کی شہادت ۴۴۹

علامہ عزیزیؒ شارح جامع صغیر کی شہادت ۴۴۹

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۴۴۹

مبحث ثانی در تحقیق رواۃ حدیث ۴۵۰

تصحیح محدثین دس حوالے ۴۵۱

کیا یزید بن عبداللہؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کا زمانہ پایا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ کا جواب۔ ۴۵۲

مبحث ثالث کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب ۴۵۲

درود روز پیش ہوتا ہے یا صرف جمعہ کے دن ۴۵۲

جلاء الافہام کی ایک حدیث میں تصحیف ۴۵۸

بلغنی صوتہ یا بلغنی صلوٰتہ ۴۵۸

مبحث رابع فی تصحیح المتقدمین ۴۵۹

امام احمدؒ کی تصحیح امام ابوداؤدؒ کی تصحیح ۴۶۰

http://mujahid.xtgem.com

فی تصحیح المتاخرین ۴۶۰

مولانا عبدالجبار غزنوی. مولانا ظفر احمد عثمانی ۴۶۰

شیخ عبدالعزیز بن باز ۴۶۰

مبحث خامس فی معنی رد الروح ۴۶۱

رئیس المحدثین مولانا انور شاہؒ کی شرح حدیث ۴۶۱

محدث سہارنپوری مولانا خلیل احمدؒ کی شرح حدیث ۴۶۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی شرح حدیث ۴۶۲

حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ کی شرح حدیث ۴۶۲

شرح حدیث ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض ۴۶۴

آنحضرتؐ کا سماع عند القبر ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے ۴۶۵

علمائے نجد کی دو علمی شہادتیں ۴۶۵

الفصل الثالث وفیہ ستۃ من المباحث

حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر ۴۶۶

حضرت موسیٰ سے ملاقات کی قرآنی خبر ۴۶۶

مبحث اول ۴۶۷

معراج کی رات آپ حضرت موسیٰ سے مختلف مقامات میں مختلف اوقات میں ملے تھے ۴۶۷

حافظ ابن حجرؒ کی شہادت ۴۶۷

امام بیہقیؒ کی شہادت ۴۶۸

مبحث ثانی ۴۶۹

حضرت موسیٰ سے ملاقات کوئی ایک واقعہ حال نہیں ۴۶۹

آپ نے معراج کی رات اپنے کو پوری جماعت انبیاء میں دیکھا ۴۶۹

معراج کے علاوہ بھی بعض دوسرے انبیاء کو دیکھا ۴۶۹

مبحث ثالث ۴۷۰

انبیاء کا اجساد عنصریہ سے آسمانوں پہ جانا کیا قبروں کے کھلنے سے ہوا ۴۷۱

قبروں کے کھلنے کا وقت تو صرف قیامت ہے ۴۷۱

قبروں سے کچھ وقت علیحدہ رہنے کا استبعاد ۴۷۱

انبیاء کی بیت المقدس حاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے ۴۷۲

بیت المقدس کی ملاقات اگر ابدان مثالیہ سے ہو تو لازم نہیں کہ موسیٰ کو قبر میں بدن مثالی سے دیکھا ہو ۴۷۲

ارواح قدسیہ متمثل ہوں تو بھی حیات فی القبر کی نفی نہیں ۴۷۲

مبحث رابع

حدیث صلوٰۃ موسیٰ کے خلاف قرآن ہونے کا دعویٰ ۴۷۳

دار العمل کے بعد وجوب عمل کی نفی ہے نفس عمل کی نہیں ۴۷۳

حضرت علامہ قرطبیؒ کی شہادت ۴۷۴

مولانا انور شاہؒ کی شہادت ۴۷۵

http://mujahid.xtgem.com

قرآن کریم سے آنحضرتؐ کے اعمال کا ثبوت ۴۷۴
احادیث سے آنحضرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۵
حضورؐ کا آخرت میں امت کے لیے استغفار ۴۷۶
حضرت تھانویؒ کا ایک نہایت جامع تبصرہ ۴۷۶
مبحث خامس ۴۷۷
حدیث کی سند پر اعتراضات ۴۷۷
مراسیل صحابہؓ خود حجت ہیں ۴۷۸
مبحث سادس ۴۷۸
وادیٔ ازرق یا لیلۃ الاسراء کے مشاہدات حقیقی تھے یا مثالی؟ ۴۷۸
اصل سے مراد اصل ہی ہے جب تک قرینہ صارفہ نہ ہو۔ ۴۷۹
ابدان مثالی کے قائلین پر ایک الزام ۴۸۰
حافظ ابن حجرؒ نے دو احتمالات کو جگہ دی ہے ۴۸۰
حافظ نے خود اصل تشریف آوری کو ترجیح دی ہے ۴۸۰
اللہ کی قدرت کا اقرار کرنے سے کوئی مشکل نہیں رہتی۔ ۴۸۱
حدیث صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ پر زہر الربیٰ کا حاشیہ ۴۸۳
عالم برزخ کے حقائق اور کیفیات ۴۸۴

الفصل الرابع وفیہ ستۃ من المباحث

حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون ۴۸۶
سب راویوں کا مشترک سلسلہ روایت ۴۸۶
حافظ ابو یعلی الموصلی کا سلسلہ اسناد ۴۸۷
مبحث اول فی معنی الحدیث ۴۸۸
انبیاء کے لیے وہی پیرایہ حیات ہے جو ۴۸۸
قرآن کریم میں شہداء کا پیرایۂ حیات ہے ۴۸۸
الانبیاء سے اجساد و ارواح دونوں مراد ہیں ۴۸۹
حضرت مولانا انور شاہ کی شہادت ۴۸۹
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت ۴۹۰
حضرت علامہ سمہودیؒ کی شہادت ۴۹۰
ایک اور جہت سے معنی پر غور ۴۹۱
جو حیات مقصد حیات سے خالی ہو وہ موت ہے ۴۹۱
اس معنی و مفہوم پر قرآن پاک کی شہادت ۴۹۱
روح اور جسد کی نسبت سے تین کیفیتیں ۴۹۲
روضہ منورہ کی حیات تیسری قسم کی ہے ۴۹۳
حضورؐ کی حیات قبریہ کے دو جزو ہیں ۴۹۴
۱۔ صرف روح کی زندگی نہیں ۴۹۴
۲۔ اشتغال بالاعمال ۴۹۴
حضرت مولانا انور شاہؒ کی شہادت ۴۹۴
قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۴۹۵
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۴۹۶

http://mujahid.xtgem.com

علامہ سندھیؒ کی شہادت ۴۹۷
علامہ شعرانیؒ کی شہادت ۴۹۸
حافظ ابن حجرؒ کی شہادت ۴۹۸
علامہ بدرالدینؒ کی شہادت ۴۹۸
مبحث ثانی فی احوال الرواۃ ۴۹۹
حجاج بن الاسودؒ ۵۰۰
کشف استارہ من وجہ النکارہ ۵۰۱
اس حدیث کا شاہد موجود ہے ۵۰۲
مبحث ثالث ۵۰۳
راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی اپنی دعا ۵۰۴
راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی قبر میں زندگی ۵۰۵
مبحث رابع ۵۰۶
جن اکابر علماء نے اس حدیث کو قبول کیا ۵۰۶
حدیث پر تواتر کا دعوے ۵۰۷
حوالجات ۴۳ حوالے ۵۰۷
مبحث خامس الکلام علی عالم المثال ۵۱۳
چار جہاں بالترتیب عالم مثال متوازی ۵۱۴
حضورؐ نے جنت اور جہنم کو متوازی صورت میں دیکھا ۵۱۴
عالم مثال کے مختلف ادوام (آدم) ۵۱۵
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہاں عالم مثال کی حقیقت ۵۱۷

مبحث سادس فی معنی القبر ۵۲۷
ایک غلطی کا ازالہ ۵۲۸
آنحضرتؐ کے عہد میں قبر کے عام اطلاقات ۵۲۸
صحابہؓ اور تابعینؒ کے ہاں لفظ قبر ۵۲۸
حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر پہ نور کے شعلے ۵۳۱

الفصل الخامس وفیہ ستۃ من المباحث ۵۳۲

حدیث ابی ہریرۃؓ من صلی علی عند قبری ۵۳۲
مبحث اول فی معنی الحدیث ۵۳۲
منزلوں مٹی کے فاصلے سے سننا آپ کو دنیا میں بھی حاصل تھا ۵۳۳
قبر میں قریب سے سننے کی ایک اور روایت ۵۳۳
آپ کا حضرت عیسیٰ کو قبر مبارک سے جواب دینا ۵۳۳
طبرانیؒ کی روایت کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے ۵۳۳
حدیث۔ زمین پر سیاحت کرنے والے ملائکہ مجھے درود و سلام پہنچاتے ہیں ۵۳۴
انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ۵۳۵
اس سے مراد سماع حقیقی بلاواسطہ ہے ۵۳۵
حضرت ابن عمرؓ کی روایت بحوالہ شیخ عبدالحق ۵۳۶
حضرت مولانا تھانویؒ کی شہادت ۵۳۶

http://mujahid.xtgem.com

البحث الثانی ۵۳۸
فی بیان الشاہد من الحدیث ۵۳۸
روایت عبداللہ بن مسعودؓ ان للہ ملائکۃ سیاحین ۵۳۸
دونوں سندیں سفیان ثوریؒ تک ۵۳۸
فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں؟ ۵۳۸
قبر مبارک پہ۔ کیونکہ وہ سیاحین فی الارض ہیں ۵۳۸
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال ۵۳۹
دوسری سند کے راوی محمود بن وکیع بن الجراحؒ ۵۳۹
یہ حدیث کن کن کتابوں میں پائی جاتی ہے؟ ۵۴۰
کن کن محدثین نے اسے معتمد کہا ہے؟ ۵۴۰
حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تواتر کا دعویٰ ۵۴۱
مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۵۴۱
مبحث ثالث ۵۴۱
تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی ۵۴۱
ابوالشیخ اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں ۵۴۱
ابوالشیخ کی سند جید ہے ۵۴۱
بیہقی کا راوی ابوعبدالرحمٰن محمد بن مروان ۵۴۲
منکرین کا رد حدیث کے لیے دوسرا پینترہ ۵۴۲
یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے ۵۴۲
کیا کسی امام نے اسے قرآن کے خلاف کہا ہے؟ ۵۴۲
مغالطے کا ایک اور انداز ۵۴۲
تحقیق رواۃ سند ابی الشیخ ۵۴۳
مبحث رابع ۵۴۳
جن علمائے اعلام نے اسے تسلیم کیا ہے ۵۴۵
بارہ علمائے کبار ۵۴۶
حوالجات از بعض عبارات ۵۴۶
ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ سخاویؒ ۵۴۶
ابن حجر مکیؒ، ابن کثیرؒ، علامہ خفاجیؒ، المناویؒ ۵۵۰
ملا علی قاریؒ، علامہ طحطاویؒ، قاضی ثناء اللہؒ ۵۵۳
شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ ۵۵۴
مولانا عبدالحی لکھنویؒ، نواب صدیق حسن خانؒ ۵۵۴
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ۵۵۵
حضرت مولانا تھانویؒ، مولانا عبدالغفور امرتسریؒ ۵۵۶
مبحث خامس ۵۵۷
علامہ ابن عبدالہادیؒ کا اسے معنیً قبول کرنا ۵۵۷
امام بیہقیؒ اس روایت کو دوسرے شواہد سے مؤکد کرتے ہیں رد نہیں کرتے۔ ۵۵۹
فروع کے اختلاف اور اصول کے اختلاف ۵۵۹
کی دو حیثیتیں۔ ۵۶۰
جید اور صحیح میں فرق ۵۶۰
دعوئے غرابت اور اس کی وضاحت ۵۶۱
صحیح بخاری میں غریب کے الفاظ ۵۶۲

http://mujahid.xtgem.com

مبحث سادس

ارشاد العوام لعرض الصلوٰۃ والسلام ۵۶۴

امام مالکؒ کے نزدیک آپ کی حیات تامہ ۵۶۴

مشہور درسی کتاب نورالایضاح کا حوالہ ۵۶۵

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک ۵۶۵

حضورؐ کی ہمسائیگی بھی ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں ۵۶۵

شفاعت کے لیے عرض کرنا ۵۶۷

علامہ ابن الہمامؒ کی تعلیم طریق زیارت ۵۶۷

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ۵۶۷

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کا فتویٰ ۵۶۸

حضورؐ کے حضور صلوٰۃ وسلام کے کلمات ۵۶۸

گنبد خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام ۵۶۹

شیخینؓ کو نبی کریمؐ کے حضور واسطہ بنانا ۵۷۰

اوروں کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے ۵۷۰

فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ ۵۷۰

سماع موتیٰ میں سلف کا اختلاف بتلاتا ہے کہ دونوں میں کوئی بات قطعی نہیں۔ ۵۷۰

پکار دور سے بلانے کو کہتے ہیں قریب سے بات کہنا پکارنا نہیں ہوتا۔ ۵۷۱

قرآن کریم میں اموات کے پکار سننے کی نفی ہے۔ ۵۷۱

ان آیات کا موضوع کیا صرف انبیاء ہیں یا مفسرین نے ان میں جمادات بھی ذکر کیے۔ ۵۷۲

غفلت کا معنی علم کی نفی یا دھیان کی نفی ۵۷۳

درود وسلام کے سوا کیا کچھ اور بھی سنتا ہے ۵۷۴

واقعہ حضرت بلال بن الحارثؓ ۵۷۵

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ ۵۷۵

روضۂ انور پر سلام پیرایۂ خطاب میں ۵۷۶

الفصل الاول مسلک خلفاء راشدینؓ

نزول وحی کے وقت آنحضرتؐ کی حالت ۵۷۷

اس حالت کے پیش نظر وقوع موت میں اختلاف ۵۷۷

حضرت عمرؓ کے انکار وفات کے مختلف احتمالات ۵۷۸

حضرت عمرؓ انک میت کے وعدے سے بے خبر نہ تھے ۵۷۸

تعطیل حواس ظاہر اور موت میں اشتباہ ۵۷۸

حقیقت الامر اور حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ ۵۸۰

جسد اطہر سے عام قرائن موت ظاہر نہ تھے ۵۸۲

قرائن موت کا تدریجی تتبع ۵۸۲

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حضرت عمرؓ کے انکار وفات میں ایک گہرائی محسوس کی۔ ۵۸۲

صحابہؓ نے آپ سے دوسری اموات کا سا معاملہ نہ کیا۔ ۵۸۳

http://mujahid.xtgem.com

اختصاصات الوفات لسید الکائنات ۵۸۳
تنوع موت پر پہلی شہادت ۵۸۳
تنوع موت پر دوسری شہادت ۵۸۴
نبی کی نیند اور دوسروں کی نیند میں فرق ۵۸۵
محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ کی شہادت ۵۸۶
اعتقاد الصدیقؓ لحیات الرفیقؐ ۵۸۷
جو موت موعود تھی وہ واقع ہو چکی ۵۸۷
آپ پر دوسری موت آئندہ نہ آئے گی ۵۸۷
مفہوم موتتین کی تعیین ۵۸۷
علامہ عینیؒ کا ایمان افروز بیان ۵۹۰
قبر میں حیات اور پھر موت دونوں ہیں ۵۹۰
حافظ ابن حجرؒ کا تائیدی بیان ۵۹۰
شارح بخاری علامہ نور الحق دہلویؒ کی شہادت ۵۹۱
حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۵۹۲
حضرت ابو بکر صدیقؓ کا عقیدہ حیات النبیؐ ۵۹۲
مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا عقیدہ ۵۹۳
ان شارحین حدیث نے جو کچھ بیان کیا ہے ۵۹۳
اسے اہلسنت کا مذہب کہہ کر بیان کیا ہے ۵۹۴
اعتقاد الفاروق الاعظمؓ لحیاۃ النبی الخاتمؐ ۵۹۵
حضورؐ کی آواز سے اونچی آواز کرنے کا حکم ۵۹۵
کیا وفات کے بعد بھی اس آیت پر عمل لازم ہے؟ ۵۹۶

حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد ۵۹۶
حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مسئلے کی تائید ۵۹۸
حضرت عثمان ذو النورینؓ کا اعتقاد ۵۹۹
مجاورتِ قبر سے مجاورتِ رسول کا دعویٰ ۵۹۹
لا افتات بجوار رسول اللہ ﷺ سواہ ۶۰۰
حضرت علی المرتضیٰؓ کا اعتقاد ۶۰۱
جوار قبر رسول سے جوار رسالت کا دعویٰ ۶۰۲
حضورؐ کے روضہ کے پاس بھی شور نہ ہو ۶۰۲
ایک اعرابی کی حضورؐ کے روضہ پر حاضری اور روضہ سے آواز۔ روایۃ حضرت علیؓ ۶۰۲
آیت جاءوک قبر پر حاضری کو بھی شامل ہے ۶۰۲
اس حکم کے باقی ہونے پر علماء دیوبند کی شہادتیں ۶۰۴
شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۶۰۵
(تتمۃ الفصل)
بیان عقیدہ از ام المومنین عائشہ صدیقہؓ ۶۰۶
سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا تعامل ۶۱۱
حضرت مولانا گنگوہیؒ کے صیغہ ہائے سلام ۶۱۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حاضری ۶۱۲
درود و سلام کی ادا میں احناف کا موقف ۶۱۴
حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روضۂ اطہر پر حاضری ۶۱۴

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

درود وسلام کی ادا میں احناف کا موقف ۶۱۴

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روضہ اطہر پر حاضری ۶۱۴

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اپنی قبر کی کرامت ۶۱۴

الفصل الثانی فی بیان المذاہب الاربعہ

مالکی مذہب کا بیان ۶۱۷

امام مالکؒ اور خلیفہ ابو جعفر منصور کی گفتگو ۶۱۷

امام مالکؒ کا فتویٰ کہ زیارت قبر نہ کہے ۶۱۷

شافعیؒ مذہب کا بیان ۶۱۸

طبقات شافعیہ کی عبارت ۶۱۸

علامہ یوسف اردبیلی کی عبارت ۶۱۹

حنبلی مذہب کا بیان ۶۱۹

علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت ۶۱۹

علمائے نجد کی تصریحات ۶۱۹

حنفی مذہب کا بیان ۶۱۹

درسی کتاب نور الایضاح کی عبارت ۶۱۹

مراقی الفلاح کا بیان سماع عند القبر ۶۲۰

علامہ طحطاویؒ کا بیان سماع عند القبر ۶۲۰

علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت ۶۲۱

علامہ ابن عابدینؒ کی عبارات ۶۲۱

حضرت علامہ عینیؒ کی عبارت ۶۲۲

ملا علی قاریؒ کی عبارت ۶۲۳

الفصل الثالث

اکابر فرقہ اہل حدیث ۶۲۳

قاضی شوکانی یمنیؒ کی عبارات ۶۲۴

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ ۶۲۴

نواب صدیق حسن خانؒ کی شہادت ۶۲۴

حضرت مولانا نذیر حسین دہلویؒ ۶۲۵

مولانا وحید الزمان حیدر آبادیؒ ۶۲۵

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ۶۲۵

مولانا عطاء اللہ حنیف ۶۲۶

مولانا فضل الرحمٰن سہری پوری ۶۲۶

مولانا شمس الحق ملتانی ۶۲۶

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ۶۲۶

تتمۃ الفصل

علمائے آل شیخ کا متفقہ عقیدہ ۶۲۷

سعودی سفیر عبدالحمید الخطیب کا قصیدہ ۶۲۷

الفصل الرابع فی موقف المتکلمین

عقیدہ علامہ تورپشتیؒ ۶۲۸

عقیدہ الاستاذ ابو منصور البغدادیؒ ۶۲۹

http://mujahid.xtgem.com

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا متفقہ فیصلہ ۶۲۸
عقائد علمائے دیوبند اور المہند ۶۲۹

الفصل الخامس

شواہد الحیات من بیان الواقعات ۶۳۰
(۱) واقعہ حرہ ۶۳۰
مسجد نبوی میں حضرت سعید بن مسیبؓ ۶۳۰
روضۂ اطہر سے اذان و تکبیر کی آواز ۶۳۱
قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال ۶۳۲
مولانا انور شاہ صاحبؒ کا بیان ۶۳۲
(۲) واقعہ سلطان نور الدین زنگیؒ ۶۳۲
تتمۃ الفصل
شیخینؓ کو گنبدِ خضریٰ سے نکالنے کی سازش ۶۳۳

الفصل السادس

شہاداتِ اجماع ۶۳۴
(۱) محدث سخاویؒ کی شہادت ۶۳۵
(۲) علامہ عینیؒ کی شہادت ۶۳۶
(۳) علامہ محمد عابد سندھیؒ کی شہادت ۶۳۶
(۴) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ۶۳۶
(۵) نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ ۶۳۶
(۶) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شہادت ۶۳۷
تتمۃ الفصل
حیات جب مجمع علیہ عقیدہ ہے تو انکار حیات فی القبر کن کا عقیدہ ہے؟ ۶۳۷
علامہ عینیؒ کی شہادت ۶۳۷
حافظ ابن حجرؒ کی شہادت ۶۳۷

الفصل السابع

مبحث اوّل ۶۳۸
حیات فی القبر کا تحقق ۶۳۸
طریقِ حیات فی القبر خواہ اعادہ روح سے ہو یا اشراف روح بر بدن سے ۶۳۹
اعادۂ روح کی روایت اور اس کی تصحیح کرنے والے ائمہ ۶۴۰
مبحث ثانی
ردّ الاشتباہات فی تحقیق الرواۃ ۶۴۱
زاذان کا سماع حضرت براءؓ سے ۶۴۲
مبحث ثالث ۶۴۵
اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف ۶۴۵
تحقیق المقام — تین مسلک ۶۴۶
مبحث رابع ۶۵۰

http://mujahid.xtgem.com

اعادۂ روح اور اتصال روح میں موازنہ ۶۵۰

الفصل الثامن

بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا محفوظ رہنا ۶۵۳

سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی حیات جسدی ۶۵۳

عمرو بن الجموحؓ کی حیات جسدی ۶۵۳

حضرت حذیفہ بن یمانؓ ۶۵۴

حضرت جابر بن عبد اللہؓ ۶۵۴

قاضی شوکانیؒ کی شہادت کہ حیات شہداء روح اور جسد دونوں سے متعلق ہے۔ ۶۵۴

الباب الرابع وفیہ فصلان

الفصل الاول

علمائے دیوبند میں المہند کی مرکزی حیثیت ۶۵۵

المہند لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ۶۵۶

مسلک دیوبند ایک واضح اور شخصی صورت میں۔ ۶۵۶

مسئلہ حیات النبیؐ کا مدار صرف آب حیات نہیں ۶۵۸

دس مرحوم اکابر دیوبند کے عقائد ۶۵۹

۱۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم الصدیقی نانوتویؒ ۶۵۹

حضرت کا انک میت وانہم میتون پر ایمان ۶۶۱

حضرت کے ہاں ورود موت کا عقیدہ ضروریات میں سے۔ ۶۶۱

حضرت سے آیت اللہ یتوفی الانفس مخفی نہ تھی ۶۶۲

۲۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶۶۴

حیات النبیؐ کے باعث منع وراثت ۶۶۴

حدیث نبی اللہ حی یرزق کی تصدیق ۶۶۴

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کے سوال کے جواب میں حضرت گنگوہیؒ کا پرانوار جواب۔ ۶۶۵

۳۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ۶۶۶

۴۔ محدث العصر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ۶۶۶

۵۔ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد الرحیم رائپوریؒ ۶۶۷

۶۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۶۶۷

۷۔ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۶۷۱

۸۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۶۷۶

۹۔ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۶۷۷

۱۰۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۶۷۸

الفصل الثانی

دس موجود اکابر دیوبند کا عقیدہ حیاۃ النبیؐ

۱۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ۶۸۱

۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ۶۸۴

http://mujahid.xtgem.com

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قاصد کے ذریعے سلام بھیجنا ۶۸۵
قریب سے سنتے نہیں تو ایسا کیوں تھا؟ ۶۸۹
حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مسلک میں کوئی فرق نہ تھا۔ ۶۸۹
المہند میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے ۶۸۹
اردو اشتہارات میں یہ بحثیں لانا درست نہیں ۶۹۰
۳۔ محدث العصر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۶۹۱
۴۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ۶۹۱
۵۔ مفتی اعظم دیوبند مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ ۶۹۲
۶۔ خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی نصیر الدین غورغشتویؒ ۶۹۶
۷۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ۶۹۷
۸۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ ۶۹۸
۹۔ جانشین حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۶۹۸
مولانا عبدالغنی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی ۶۹۸
۱۰۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنوی ۶۹۹

پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان

۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوریؒ کراچی ۷۰۷
۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک ۷۰۷
۳۔ استاذ الاساتذہ مولانا محمد رسول خاں لاہور ۷۰۷
۴۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق افغانی صدر وفاق المدارس ۷۰۷
۵۔ مخدوم العلماء مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور ۷۰۷
۶۔ مولانا مفتی محمد صادق جامعہ عباسیہ بہاولپور ۷۰۷
۷۔ استاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتان ۷۰۷
۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لاہور ۷۰۷
۹۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر راولپنڈی ۷۰۷
۱۰۔ حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی خانپور ۷۰۷

رُبع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ ۱۴۰۵ھ

کیا روضہ میں دُنیا کی سی زندگی ہے؟ ۷۱۰
حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں کا تصفیہ ۷۱۱
عقیدہ حیات الانبیاء۔ قرآن کریم میں ۷۱۲
پانچ آیتوں سے مسئلے کا ثبوت ۷۱۲
حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں ۷۱۳
۱۔ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ۷۱۳
حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۴
۲۔ ردّ اللہ علیّ روحی فارد علیہ ۷۱۶
حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۶
۳۔ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ۷۱۷
حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۸

http://mujahid.xtgem.com

۵. إن لله ملٰئكة سياحين في الأرض	۲۰،
حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات	۲۰،
۵. من صلى علي عند قبري سمعته	۲۱،
حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات	۲۱،
۱. مسئلہ حیاۃ النبی اور محدثین عظام	۲۲،
۲. مسئلہ حیاۃ النبی اور متکلمین کرام	۲۸،
۳. مسئلہ حیاۃ النبی اور فقہاء اسلام	۲۹،
۱. محدثین دیوبند اور عقیدہ حیاۃ الانبیاء	۳۰،
۲. متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیاۃ الانبیاء	۳۳،
انبیاء کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے — حضرت مولانا محمد قاسم	۳۵،
۳. فقہاء دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء	۳۵،
حیات انبیاء کرام اور اصحاب ظواہر	۳۷،
شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی	۳۹،
اجماع امت اور مسئلہ حیاۃ الانبیاء	۴۱،
علامہ سخاوی کی شہادت	۴۱،
علامہ سندھی کی شہادت	۴۱،
شیخ عبدالحق کی شہادت	۴۲،
نواب قطب الدین کی شہادت	۴۲،
علامہ داؤد بغدادی کی شہادت	۴۲،
بزرگان دیوبند اور اقرار اجماع	۴۲،
اصحاب ظواہر کا اقرار اجماع	۴۳،
قیاس صحیح اور حیات الانبیاء	۴۴،
منکرین حیات کس فرقے کے لوگ ہیں؟	۴۴،
منکرین حیات کے پیچھے نماز پڑھنا	۴۵،
حضورؐ کے روضہ پر حاضری کی تاکید	۴۵،
زیارۃ روضہ اطہر احادیث کی روشنی میں	۴۶،
زیارۃ روضہ اطہر پہ فقہاء کی تصریحات	۴۶،
منکرین عذاب قبر کا شرعی حکم	۵۰،
شفاعت، رویت باری، کرام کاتبین اور عذاب قبر کے منکرین کا ایک حکم	۵۰،
زیارۃ روضہ اقدس پر اجماع امت	۴۹،
منکرین حیات اہل سنت سے خارج	۴۷،
صاحب خلاصۃ الفتاوی کی تصریح	۵۰،
حافظ ابن ہمام کی شہادت	۵۱،
فتاوی عالمگیری کا فیصلہ	۵۱،
علامہ قرطبی کی شہادت	۵۱،
علامہ سالمی کی شہادت	۵۲،
بحر العلوم عبد العلی کی شہادت	۵۲،
مہر دار العلوم دیوبند	۴۲،

http://mujahid.xtgem.com

مخدوم العلماء جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا

قاری محمد طیّب صاحبؒ

کا مؤلف مقامِ حیات کے نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ باعثِ شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر ہی میں ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا انشاء اللہ۔ "مقامِ حیات" جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے طرزِ بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سربلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دعا گو ہوں۔

والسلام

محمد طیب مدیر دار العلوم دیوبند

۱۳۸۱ھ

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

http://mujahid.xtgem.com

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا فتویٰ

"نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبروں کی زیارت کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کرے"۔

السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت کا مطلب یہ ہے کہ موت والے کی روح اس دنیا میں اُس کے بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے لوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالمِ برزخ میں بھی بدن میں لوٹنے سے رکی ہوئی ہے ــــ شیخ عبداللہ بن باز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپکی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیاتِ برزخی کے لیے مانع نہیں۔[2]

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضورؐ پر وفات آئی اور انک میت وانھم میتون کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اس آیت کو آپ کی عالمِ برزخ کی حیات کے لیے مانع سمجھنا اور اس سے عقیدہ حیات النبی کو رد کرنا کسی صاحبِ علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیاتِ شہداء پر نص وارد نہ ہوتی۔

---

[1] الحج والعمرہ والزیارۃ ص۱۵۱ [2] الضاً ص ۱۶۱

http://mujahid.xtgem.com

تعارف و اعتذار

اس نازک دور میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے. تن آسانیاں اور لذت ساما نیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروف عمل ہیں ——— ضرورت تھی کہ احترامِ دین اور فکرِ آخرت رکھنے والا طبقہ ——— جسے کہ عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے، ——— اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جد و جہد ——— دین و ملت کے اصولی مسائل کے تحفظ پر لگا دے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترامِ دین کے احساس میں مشترک تھے، تفاصیلِ فکر وعمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور ؎

جن پر تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

لادینیّت کا محاذ

مالی قدروں اور جنسی لذتوں کا آمیزہ ——— اسلام کو اپنے رستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لیے ایک متحدہ محاذ بنا رہا ہے ——— زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں ——— مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا ——— تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے ؎

ہنوز دہلی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسالک بعمل بے شک ایک ہی جادۂ شریعت کے نظامِ وسعت اور ایک ہی چشمۂ عمل کے مختلف کنارے تھے. عقائد کی مختلف تعبیرات بھی بلاریب نزاعِ لفظی کی حدود سے متجاوز نہ تھیں لیکن افسوس کہ محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ

http://mujahid.xtgem.com

کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آ گھسے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحزب کی تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر دردمند اور حساس مسلمان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہیئے ؎

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریقِ عمل پیش کر کے اسلام کے نظامِ وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائل متفقہ میں بھی کیڑے نکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو، اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدِ باب کے لیے جملہ عوامل بروئے کار لائے جائیں ——— فطرت کا نظامِ انقلاب اور قومی زندگی کا مد و جزر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں، بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدتِ ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیش رو نہیں، بلکہ علم و معرفت کے وہ ستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علمِ نبوت ——— پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائقِ تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساسِ ملی کا یہ چشمۂ حیات گدلا نہ ہونے پائے ؎

http://mujahid.xtgem.com

راہ آباد رو کہ ایں جمعیت است   معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است

(اقبال)

اسلام کا عقیدۂ معاد ——— دینِ محمدی کا اہم ترین موضوع

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع اللہ رب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سنتا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرہ میں ہیں۔ ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ واجب الوجود کی کوئی صفت کبھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ انس کے لوحِ قلب پر ملاء اعلیٰ کی کوئی جھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدۂ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدۂ معاد ہے، اسے Resurrection (حشر اجساد) بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس طرح توحید باری کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے۔ مسئلۂ الٰہ اور یقین آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام کے یہی تین اصول ہیں۔ توحید، آخرت، اور رسالت۔ اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔ التوحید والرسالۃ والآخرۃ۔ ایمان مجمل میں اللہ تعالیٰ فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضۃ الندیہ میں ہے:۔

هذا هو الركن الخامس من اركان الايمان وهو الايمان باليوم الآخر وجمهور بني آدم يؤمنون بالبعث بعد الموت وقد دل منه على ذلك العقل والفطرة كما صرحت به جميع الكتب السماوية ونادى به الانبياء والمرسلون والناس في البرزخ يفتنون وينعمون او يعذبون على ذلك[1]

---

[1] الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ ص ۳۱۱ طبع ۱۳۸۸ھ

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ ارکان ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں میں اسکی صراحت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اس دن کی آواز دیتے آئے ہیں اور لوگ برزخ میں (اس درمیانی زندگی میں) آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعیم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

جو لوگ منکرین مذہب atheist تھے۔ انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی ـــــ وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے۔

اس کا ایک جواب بہت آسان تھا۔ وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہاں spiritual world ہے۔ مرنے پر بدن کی ریزہ کاری اس جہان سے متعلق ہے۔ روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جا رہے ہیں اس کی بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا۔ اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوگا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا۔ قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے ـــــ سوال یہ تھا:۔

قال من یحی العظام وھی رمیم۔ (پ ۲۳ یٰسین آیت ۷۸)

ترجمہ۔ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں۔

جواب میں فرمایا:۔

قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم۔ (پ ۲۳ یٰسین آیت ۷۹)

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے بنایا اُن کو پہلی بار۔ اور وہ سب طرح بنانا جانتا ہے۔

قرآن پاک میں یہ مضمون متعدد مقامات پر پھیلا ہوا ہے یہاں انسانی سوچ حیرت میں گھر جاتی ہے —— کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہی مُردہ ابدان کو پھر سے اُٹھایا جائے اور ان کے ایک ایک ذرے میں زندگی لائی جائے، کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آخرت کے سارے معاملات صرف رُوح سے متعلق رکھے جاتے اور آخرت کے اَلم و نعیم کا مورد یہی انسانی روح ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہیں کیا، اُس نے یہی چاہا کہ جن بدنوں سے انسان نے گناہ کیے ہیں یا مشقتیں اٹھائی ہیں وہی ابدان آخرت میں نعیم و اَلم کی جزا یا سزا پائیں۔ یہ نہیں کہ آخرت کی جزا و سزا صرف رُوح پہ اُترے انسان اپنے دُنیا کے بُرے عملوں کی ایک گونہ سزا پاتا ہے آخرت کے بڑے حساب سے پہلے اُسے قبر میں سوال و جواب کے ایک مرحلے سے گزرنا ہے پھر تا حشر وہ اپنے انجام کو دیکھتا رہے گا۔ یہ درمیانہ جہاں چونکہ عام نظروں سے مخفی ہے اس لیے اُسے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ ایسی زندگی ہے جس کے بارے میں عقل و نقل کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ و کرامیہ کا زیادہ محاذ اسی زندگی کے گرد بنا ہوا ہے۔

یہی اختلاف بڑھتے بڑھتے معتزلہ کو اس مقام پہ لے آیا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو بھی لا تشعرون کے تحت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اُسے شعور میں لانے کے لیے وہ ظاہر قرآن سے ٹکرا گئے اور پھر آگے چل کر انبیاء کی حیات برزخی بھی اُن کے لیے ایک معمہ بن گئی۔ اہل السنۃ والجماعۃ ظاہر حدیث کے ساتھ رہے اور جو بات عام سمجھ میں نہ آتی تھی اُسے وہ لا تشعرون کے ٹھنڈے سائے میں آرام سے قبول کرتے گئے۔

جاننا چاہیے کہ اہل السنت والجماعت سوادِ اعظم کا سلف و خلف سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اُسی جسد اطہر کے ساتھ ہے، جو دُنیا میں آپ کا تھا اور جسے روضۂ مطہرہ میں دفن کیا گیا۔

http://mujahid.xtgem.com

قبرِ منور کی اس حیاتِ جسمانی کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ رُوحانی پر ہے حضور کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبارِ تعلق بالبدن حیاتِ جُسمانی اور باعتبارِ تعلق بالرزق حیاتِ رُوحانی ہو۔ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف اَدوار میں، جس نے بھی اس مسئلہ خامہ پر فرسائی کی، اُسے اس متوارث نظریئے کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا ـــــ اَحناف و شوافع، موالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہاء و ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی ـــــ باوُجود تلاش و تجسس کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعُور پڑا ہے اور رُوحِ مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں ـــــ من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روحِ اقدس اعلیٰ علیین سے لاکر پھر آپ کے جسدِ اطہر میں لَوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفاتِ شریفہ کے وقت رُوحِ مبارک قبض ہو کر آپ کے قلبِ منور ہی میں ٹھہر گئی تھی، جو بعد دفن پھر سارے جسدِ اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی رُوح لَوٹانے سے قائم ہوئی، یا رُوح پھیلانے سے اس کا استقرار ہُوا ـــــ ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرُورت نہیں کہ کیفیت وصُولِ حیات کیا تھی۔ امرِ واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدرِ مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے فائزِ حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی رُوحِ اقدس نے اعلیٰ علیین، رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اُس نے روضۂ منورہ میں پڑے ہوئے جسدِ اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات لَوٹ آئی، یا امرِ واقع یہ تھا کہ روحِ اقدس اس حظیرۂ قدسیہ یا اعلیٰ علیین سے تعلق قائم کر کے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر میں لَوٹا دی گئی۔ یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی رُوحِ مبارک لَوٹانے سے قائم ہوئی، یا تاثیرِ رُوح سے اس کا تقدم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی

http://mujahid.xtgem.com

ضرورت نہیں کہ اس وصولِ حیات کی کیفیت کیا تھی. صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدرِ مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ جسدِ اطہر وہی ہے جو اس دُنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ قبرِ مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حدود یہی رہتیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روضۂ شریفہ کی حیات ـــــ کا تقوّم جسدِ اطہر میں روحِ مبارک دوبارہ لوٹانے سے ہوا یا روحِ مبارک پھیلانے سے ـــــ آپ کی یہ حیاتِ جسمانی دُخُولِ رُوح سے قائم ہوئی یا یہ حیات تاثیرِ رُوح سے عمل میں آئی ـــــ تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی. اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز جو اختلافاتِ عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں، اُن پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں. ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہلِ سنّت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دُنیا والے جسدِ اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات ہے اور اُس کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ عالمِ برزخ کے رزقِ رُوحانی پر ہے. دُنیوی حیات کے صرف اُنہی لوازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے مستقل دلیل شریعتِ طاہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ انتقال دارین متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دنیا میں نہیں عالمِ برزخ میں ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریقِ عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تحمیص کی آماجگاہ بنا لیا جائے، خصوصاً اس دورِ الحاد میں ـــــ جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہدِ رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں ـــــ وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر تردد و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

حیاتُ النبی کا مسئلہ دائرہ اہلِ سُنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہلُ السنۃ والجماعۃ حیاتُ النبی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اِس حیات کو باعتبار عالم برزخی کہنے والے بھی تھے۔ باعتبارِ جسد برزخ میں حیاتِ دُنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالمِ برزخ میں اپنے آپ کو پُوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اُسے حیاتِ حِسی کہنے والے بھی تھے، باعتبار رزق اُسے حیات قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے اور اس پہلو سے اُسے حیاتِ رُوحانی کہنے والے بھی تھے۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دُنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اُس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سو اسے کسی نے رُوحانی بھی کہہ دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیاتُ النبی کا سب میں اقرار ہے اور معنیً یہ سب عنوان مُتقارب ہیں۔

اگر اختلاف اِنہی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیقِ مسئلہ کی بجائے تشغیبِ عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فریق بن گئے اور عنوان فریقین کے جُدا جُدا ہو گئے، یہ اہلِ علم کا انداز نہیں۔ پھر کیا ہوا —— شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔

اس پر تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہؓ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آتا۔

ذرا سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اِس دُنیا میں زندہ ہیں؟ —— دُنیوی جسد کی زندگی میں کیا عالمِ برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریروں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لیے تھا یا بات کو بڑھانے کے لیے۔ تشغیبِ عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی جُدا جُدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے۔ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہی انتشار ہے اختلاف سامنے نہیں کہ اسے سلجھایا جا سکے۔

http://mujahid.xtgem.com

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گوجرانوالہ اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

یہ بعد الوفات حیاۃ النبی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بل احیاء ولکن لا تشعرون سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں[۱]

عزیزان من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے[۲]

اس میں وفات کو پُرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات النبی آج سے چودہ سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا ــــــ سو ممات النبی کا اختلاف محض ایک پُرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیاتُ النبی ہے ممات النبی نہیں برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرو لیکن خدارا ممات النبی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پُرانا واقعہ ہے، اِس وقت آپ کے میت ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے مماتُ النبی کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مماتی بنالیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیں اور مماتُ النبی کو موضوع نہ بنائیں تو آج بھی اختلاف کم ہو سکتا ہے۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اُس کا ہم انکار نہیں کرتے، اُسے تقریبوں کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو

---

[۱] مسالک العلماء صـ۴۹ [۲] مسالک العلماء صـ۵۶

http://mujahid.xtgem.com

جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اُسے عنوان عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک مقرر انّک میّت وانّھم میّتون سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضورؐ اس وقت میّت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضورؐ کے بعد الوفات زندہ ہونے کی کھلی تردید نہیں کر رہا، کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کر رہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا —— پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں —— پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ —— تو یہ کبھی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے۔ یہ وہ بواعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سو یہ صحیح ہے کہ یہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا۔ لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہداء اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہی اجساد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تصادم نہیں، سو اہل سنّت کے اجماعی عقیدہ کے پیشِ نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدلولاتِ صریحہ میں تاویلاتِ رکیکہ، تضعیفِ روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعد محدّثین سے استہزاء، شارحین حدیث و فقہاء اور سلف صالحین سے اعتماد اُٹھنے کے صدمے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے۔ یا اعتماد اُٹھانے کی نہایت خطرناک مہم کو، محض اس لیے کہ ابتدائی سطح امورِ مہمّہ میں سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں —— یونہی چلنے دیا جائے۔

حیاتُ النبیؐ کے ضمن میں جب "اعتماد علی السلف" کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا، تو اس تخم حنظل کے برگ و بار بہت دُور دُور تک پھیلتے نظر آئے۔ راہ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اہلِ باطل کا کھلا نشان ہے کہ کسی بات پر جمتے نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

روضۂ منوّرہ کی حیاتِ جسدی کا انکار اور اُس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و شعور پڑا ہے اور فقط جمادی حیثیت میں ہے۔ رُوحِ اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب وعقاب کا سارا معاملہ صرف رُوح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ نظریہ اہلِ سنّت کے اِس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب وعقاب کا معاملہ صرف رُوح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت واَلم کا اِدراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی اَرواح، وفات کے بعد خواہ وہ علیّین اور سجّین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، اُن کا تعلق اجسادِ مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذّت واَلم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دُنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال کرنے کے بعد رُوح و بدن میں کلّی مفارقت رہتی ہے؟ یا رُوح و بدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہوجاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں اَلم یا لذت کا اِدراک کر سکے؟

اوّل الذکر نظریہ معتزلہ و روافض کا ہے وہ عذابِ قبر کے قائل نہیں۔ اُن کے نزدیک جسدِ مدفون محض جمادی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ اہلِ حق اہلُ السنّۃ والجماعۃ کا ہے۔ فرقہ کرامیہ اور صالحیّہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ ہیں تو محض جمادی حیثیت میں، لیکن عذابِ قبر پھر بھی حق ہے۔ یہ تیسرا مَوقف ایک وہم اور سفسطہ[1] ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہلِ سنّت کا نظریہ ہے اور قرآن وسنّت کے چشمے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلموا ان اھل الحق اتفقوا علیٰ ان اللہ یخلق فی المیّت نوع حیٰوۃ فی

---

[1] وجوّز بعضھم تعذیب غیر الحی ولا شک انہ سفسطۃ (خیالی ص۱۱۱) لانّ الجماد لا حسّ لہ فکیف یتصوّر تعذیبہ (حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ)۔

http://mujahid.xtgem.com

القبر قدر ما یتالم و یتلذذ ۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۲۱)

ترجمہ: جان لیجیے، سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ لذت و الم کا ادراک کرتی رہے

ایقبی علی الخیالی میں ہے:۔

ان المذاهب فی هذا المقام ثلثة الاول المیت حیّ فی قبره فیعذب و هذا مذهب اهل السنة والحق والثانی انه جماد لا یعذب ولا یدرک العذاب و هذا مذهب جمهور المعتزله والروافض والثالث انه جماد یعذب ۔[1]

ترجمہ: اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ ۱۔ میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے، یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ ۲۔ میت قبر میں جماد محض ہے، پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔ ۳۔ میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب کرامیہ کا ہے)۔

ان تصریحات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیات جسدی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ مطہرہ میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیات جسمانی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجساد دنیوی کا تحفظ بھی اسی لیے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیات جسمانی مرتب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اسی طرح روضۂ اطہر میں آپ کی حیات بھی اپنی رفعت و شان میں نقطۂ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسد اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذاً نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روضہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو بھی سنتے ہیں۔

---

[1] وکذلک المختار فی الفتاوی النذیریہ جلد ۱ ص۳۳۲ [2] ایقبی علی الخیالی ص۱۱۸

http://mujahid.xtgem.com

جسدِ اطہر اور روحِ انور میں کُلّی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جب ہر میت کو، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، یک جا ہو یا اُس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسدِ مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت و اَلم کا ادراک ضرور کرتے ہیں۔ تو وہ ذواتِ قدسیہ جن کے اجسادِ مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، اُن میں ان کے مقامات کے مطابق ارواحِ مطہرہ کی تاثیرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصلِ کلّی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصلِ کُلّی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جارہا ہے کہ اُن کے اجسادِ مدفونہ صرف اِکراماً محفوظ ہیں؟ اَرواحِ مُطہّرہ سے اُنہیں کُلّی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصلِ کُلّی ہی کے قائل نہیں کہ وفات کے بعد رُوح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کُھل کر سامنے آجائے گا، کہ یہ مذہب اہلِ سنّت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذابِ قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا اِنکار۔ اس کے بعد صُورتِ مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اِس پہ دلائل پیش کیئے جا سکیں۔

خلاصۃُ المرام ایں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو روضۂ منورہ میں محض بے حِس و بے شعور اور جمادِ مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اُس پر اِس اصلِ کلی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہو گی کہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں ——— یا معتزلہ کے اس اصُول کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح و بدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کُلّی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیشِ نظر یہ اہلِ حق کا نظریہ نہیں۔

عقائدِ اہلِ سنّت کی سب کتابوں میں عذابِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریاتِ اہلِ سنّت میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اِس کا قائل نہیں وہ معتزلہ و روافض کے موافق اور

http://mujahid.xtgem.com

اہلِ سنّت کا مخالف ہے اور اگر بتادیل قائل ہے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضۂ منورہ کی حیاتِ جسدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں:

اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کسے کہتے ہیں، روح اور بدن کے مجموعہ کو ــــ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ میں اللہ تعالیٰ نے سیرِ معراج کسے کرائی؟ عبدہ کو ــــ اسریٰ کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے نے ــــ علماء اب تک لفظ عبد سے حضور کے معراج جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ ــــ صرف روح کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں، ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح و بدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبدہٗ و رسولہٗ ہیں۔ حضور کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور وہ عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح و بدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لیے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اُسی بدن اطہر میں ہے، جو دُنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضۂ مبارکہ میں ہے۔ ہاں ہم اس کی نقل و حرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دُنیا والوں سے وہ حیات پردے میں ہو، لیکن آپ کے لیے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو بہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہوگا نہ رسُول ہونا۔ آپ اب بھی عبدہٗ و رسولہ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جُدا ہے یا کسی مثالی جسد میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خُدا کا بندہ ہونا اور رسُول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے رہے نہ رسُول ــــ رسُول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے

http://mujahid.xtgem.com

کچھ اعمالِ رسالت ابھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس حاضری بھی ہوتی رہے گو درمیان میں برزخ کا پردہ ہو، گو سلام امت آپ پر پیش ہوتا رہے۔

کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول ہیں آپ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کو کسی سے علاقہ نہیں۔ اس عقیدے کے لیے ضروری تھا کہ وہ روضۂ اطہر میں دفن جسدِ اطہر کو بے جان کہیں۔ اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لیے انہوں نے روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا، اور احادیث کی یکسر تکذیب کر دی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لیے شعور لازم ہے علم و احساس کے بغیر اس کا تقوم نہیں۔ نبی سے نیند کی حالت میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں، اسے کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا انتفا ہو گا نبوت منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی تعبیر ہو گی۔ کرامیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد پردۂ قبر میں گئے تو وہاں جسدِ اطہر جمادِ محض ہے، صرف اکراماً محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔

حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) جو عامہ اموات کے باب میں صرف رُوح کے عذاب کا قائل ہے انبیاء کے جسدِ اطہر کو وہ بھی جمادِ محض نہیں مانتا۔ ایسا کہنے کو وہ ایک خبیث عقیدہ کہتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدنِ اطہر سے کلیۃً جُدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ابن حزمؒ لکھتا ہے سرخی ملاحظہ ہو:-

الرد علیٰ من زعم ان الانبیاء علیهم السلام لیسوا انبیاء الیوم ولا الرسل الیوم رسلاً

حدثت فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد الله بن عبد المطلب صلی الله علیه وسلم لیس هو الآن رسول الله صلی الله علیه وسلم ولکنه کان رسول الله وسلم وهذا قول ذهب الیه الاشعریة

http://mujahid.xtgem.com

واخبرنی سلیمان بن خلف الباجی و ھو من متقدمیھم الیوم ان محمد بن حسن بن فورک الاصبھانی علیٰ ھٰذہ المسئلۃ قتلہ بالسم محمود بن سبکتگین صاحب ما دون وراء النھر من خراسان و ھٰذہ مقالۃ خبیثۃ مخالفۃ للہ تعالیٰ ولرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ولما اجمع علیہ جمیع اھل الاسلام مذ کان لاسلام الیٰ یوم القیمۃ ... فروح النبی عندھم قد فنیت و بطلت ولا روح لہ الاٰن عند اللہ تعالیٰ واما جسدہ ففی قبرہ موات فبطلت نبوتہ بذٰلک و رسالتہ قال ابو محمد و نعوذ باللہ من ھٰذا القول فانہ کفر صراح لا تر داد فیہ۔[1]

ترجمہ۔ کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آج انبیاء و رسل نہیں رہے۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے وہ رسول اللہ تھے اور مجھے سلمان بن خلف الباجی نے جو ان لوگوں کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورک کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کیا تھا۔ اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک روضۂ اطہر میں مُردہ ہے لہٰذا اس وجہ سے آپ کی نبوّت و رسالت جاتی رہی۔

روضۂ منورہ میں حیاتِ جسدی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے۔ اب آپ کی نبوت اس عالم میں صرف اب حکمی طور پر باقی ہے۔ بدن صرف اگر آما محفوظ ہے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں نرمی خوشبو اور پہلے دن کی سی تازگی کہاں سے آرہی ہے۔ اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ خفیف سا اظہار ہے ورنہ باقی سارے مراحل برزخ کے پردے میں ہیں۔ ہدایہ میں ہے کہ آپ کا بدنِ مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔[2]

---

[1] کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۱ صفحہ ۸۸ [2] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۶ باب الجنائز

http://mujahid.xtgem.com

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں :۔

آپ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تھے تو کیا کیفیت تھی ۔ روح مبارک جب کلام آخری اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ رفیقِ اعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ تھا ، آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی [1]

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اُس کا بدن فوراً نہیں اکڑ جاتا ، کچھ عرصے تک نرم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے ـــــ یہ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے باوجود کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تا دفن تر و تازہ رہا ، معلوم ہوا رُوح نے اپنے اثرات سَلب نہیں کئے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں ، سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی ۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے ، روح کے برزخ میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے ، بدن کی پہلی دُنیوی نرمی ابھی باقی ہو کہ روح برزخ میں پھر اس بدن پر پرتو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہوگا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا ۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس جسدِ اطہر کے فائز الحیات ہونے کا اقرار کر لے ، رُوحِ مبارک کو اعلیٰ علیین میں مانے یا رفیقِ اعلیٰ میں ، لیکن اس کے اتصال سے آپ کی حیاتِ جسمانی کا قائل ہو تو وہ کرامیہ کے عقیدے سے نکل جاتا ہے ۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضورؐ کو حقیقی رسُول مانتا ہوں ۔

قاضی شمس الدین لکھتے ہیں :۔

اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس) زندگی میں بھی نبی حقیقی ہیں اور بعد الوفات (زندگی میں) بھی نبی حقیقی ہیں اَبدالآباد کے لیے اور

---

[1] مسالک العلماء صد ۶۸

http://mujahid.xtgem.com

اُن پر کوئی ایک لحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں[۱]۔
کرامیہ نے جب جسدِ اطہر کو جمادِ محض کہا، بدن کو صرف محفوظ کہا نرم و نازک نہ مانا تو اُنہوں نے بَرملا
کہا کہ حضورؐ اب حقیقی رسُول نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے ڈٹ کر کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اب بھی حقیقۃً رسُول ہیں۔

اہلِ سُنّت کا عقیدہ

علمِ کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبدالمحسن المشہُور بابی عذبہ فرماتے ہیں:۔
قال ابوحنیفۃؒ انہ رسول الاٰن حقیقۃ وقالت الکرامیۃ لا[۲]۔
ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضُور اکرمؐ اب بھی حقیقی طور پر رسُول ہیں اور فرقہ کرامیہ
والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسُول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔
جب آپؐ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتایئے رسول کہاں رہے۔ یہ کرامیہ کی بنائے
استدلال تھی۔ اہلِ حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ
اور کرامیہ کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا ـــــــ ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس
طرح بیان کیا گیا ہے:۔

ھو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما
یبقیٰ وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذٰلک الوصف باق بالروح و
الجسد معاً لان الجسد لا تاکلہ الارض۔ . . . . انہ صلی اللہ علیہ و
سلم حیٌ فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃ لا مجازاً[۳]۔

ترجمہ۔ حضُور اکرمؐ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور
پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد بھی صفتِ ایمان سے متصف رہتا ہے

---

[۱] مسالک العلماء صت۱ [۲] صت۱۳ طبع حیدر آباد [۳] الروضۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیہ صت۱۵

http://mujahid.xtgem.com

اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روحِ اطہر اور جسدِ انور کے مجموعہ کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسُول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔

کرامیہ نے وفاتَ النبی پر انتفائے نبوّت کی بنا رکھنے کے لیے روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدۂ حیاتُ النبی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خُود ہی یہ اعتقاد باطل بنایا بلکہ انتفائے نبوّت کے اس عقیدۂ باطلہ کو امامِ اہلِ سُنّت امام ابوالحسن (۳۲۴ھ) کی طرف بھی منسوب کر دیا جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب حقیقی رسُول نہیں رہے نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں کہیں نہ جم سکی۔ اُن کے ساتھ امام ابوالمنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) عقائد اہلِ سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) اہلسنت عقائد کی سرحد پر آ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہلِ حق کی طرف سے پُورا تحفظ کر لیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبداللہ بن کرام کے پیرو تھے اس مسئلے میں کھُلے طور پر آ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن حزمؒ (۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:۔

حدث فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد اللہ لیس ھو الآن رسول اللہ ولکنہ کان۔[1]

ترجمہ۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب رسُول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن حزمؒ کہتا ہے محمد بن حسن بن فورک ایرانی

[1] کتاب الملل والنحل جلد ۲ صـ ۸۸

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمودؒ (ھ) بن سبکتگین (۴۲۱ھ) نے اُسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف آ گئے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن الحسین البیہقیؒ (۴۵۸ھ) کا چرچا تھا۔ امام ابو القاسم الکریم القشیریؒ (۴۶۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور راہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہریؒ (۴۵۷ھ) گو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس عقیدے کو کہ حضورؐ اپنے روضہ اطہر میں (معاذ اللہ) مُردہ پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضورؐ کا جسدِ مُبارک روضہ اطہر میں مُردہ رکھا ہے۔

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابو الحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے تحاشی کر چکے تھے اُن کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر الدمشقیؒ (۵۷۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام "تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری" ہے۔ اور کرامیہ پر اہل حق کی حجت تمام کر دی۔ علامہ ابو القاسم عبدالکریم القشیری نے "شکایۃ اہل السنۃ بما نالہم من اہل المحنۃ" لکھی۔ امام بیہقی نے ایک مستقل رسالہ "حیاۃ الانبیاء" لکھا اور راہلِ حق اس وقت سے لے کر اب تک ان کرامیہ کی پُرزور تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہلِ سُنّت کی طرف کر دیتے ہیں حیاتُ النبیؐ کا انکار اگر اُن کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے اُسے خواہ

http://mujahid.xtgem.com

نخواہ اہل سُنت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے۔ حیات النبیؐ کا انکار کرنے والے اس مسلکی القیاس کے مُرتکب کیوں ہیں۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک ترویجِ دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

ان بعض الكرامية وبعض المتصوفة نقل عنهم اباحة الوضع فى الترغيب والترهيب وهو خطاء من فاعله نشاء عن جهل[1]

ترجمہ:- بے شک بعض کرامیہ[2] سے اور بعض غلط مدعیانِ تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشاء صرف جہالت ہے۔

المراد باعتقاد حل الكذب هو اعتقاد حله لمصلحة دينه وترويج مذهبه۔[3]

ترجمہ: جھوٹ حلال ہونے سے اُن کی مراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو اسے گناہ کے طور پر نہیں جھوٹ نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدۂ تقیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف اداؤں اور قباؤں میں ادا ہوتا رہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

(۱) —— بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کُلی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اجساد محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ عذابِ قبر صرف روح پہ ہے بدن پر نہیں۔

(۲) —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضۂ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور

---

[1] شرح نخبۃ الفکر ص۵۸ [2] ھم فرقة من المشبهة نسبت الى عبد الله بن كرام و يدعون زيادة الورع والتقوىٰ والمعرفة التامة وراجع له شرح الشرح لعلى القارى عليه رحمة ربه البارى۔

[3] شرح نخبۃ الفکر ص۶۲

http://mujahid.xtgem.com

ہے اور رُوحِ مُبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

③ —— اپنے مُسلک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی ترویج کے لیے غلط بیانی کرنا جائز ہے۔ جھُوٹ اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے

④ —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف حکماً باقی ہے۔ آپ خُود اب نبی اور رسُول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

⑤ —— کلمۂ اسلام کے جُزو محمد رسولُ اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسُول ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول تھے۔

انکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سُلطان طُغرل بیگ سلجُوقی کے عہدِ حکومت میں نیشاپُور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے، اُس کا نام بیکندی تھا۔ وہ لطائف الحیل سے سلجوقی دربار میں منصبِ وزارت پر آگیا تھا اُس کے عقائد اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اُس نے وفاتُ النبی اور جسدِ جمادی کی تمہید سے انتفائے نبوّت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ حضورؐ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اُس نے اُسے انعزالِ نبوت کے لیے کہ حضورؐ وفاتِ شریفہ کے بعد اب حقیقۃً رسُول نہیں رہے، ایک سیڑھی بنایا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس نظریے کو امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اُس نے ان خیالات کو بہت دُور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کا انکار اس لیے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسول میں ہونے اور روضۂ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شانِ امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اُس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد روح و بدن کی کُلّی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو

http://mujahid.xtgem.com

جاتا تھا. سو اس سے اُس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی.

یہ عقیدہ کہ اب حضورؐ رسول نہیں رہے. دراصل جزءِ کلمہ محمد رسول اللہ ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا. حالانکہ یہ کلمہ بالاجماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لیے صحیح اقرار رسالت ہے.

انکارِ حیاتِ قبریہ اور انعزالِ نبوّتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے کتاب و سنّت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذرِ تاویلات ہوتی رہیں اور اہلِ حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پُورے متوجہ رہے. اکابر اہلِ سنّت نے ان نظریات پر نکیر کی اور امامِ اہلِ سنّت امام ابوالحسن اشعریؒ پر جو افتراآت باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں.

اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے. آپ نے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیریؒ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامیہ کا مقابلہ کیا. یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کیے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضورؐ اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں معاذاللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن و سنّت کا استدلال کیا ہے. امام بیہقیؒ نے رسالہ "حیات الانبیاء" لکھا، اور علامہ قشیریؒ نے شکایۃ اھل السنۃ بما نالھم من المحنۃ" میں ان افتراآت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی.

ان واقعات کی تفصیل کے لیے حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب "تبیین کذب المفتری" اور طبقات الشافعیہ" زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعریؒ ملاحظہ کیجئے. علامہ تقی الدین سبکی لکھتے ہیں.

فان قیل فمن این وقعت ھذہ المسئلۃ ان لم یکن لھا اصل قیل ان بعض الکرامیۃ ملأ اللہ تعالٰی قبرہ نارا وظنی ان اللہ قد فعل الزم بعض اصحابنا......الخ[1]

ترجمہ. اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں، تو پھر یہ کہاں سے آ گیا،

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲

http://mujahid.xtgem.com

تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے۔
اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ گھڑا تھا۔
امام حدیثؒ کے اس جلال اور ناراضگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے۔ اس کے برعکس اپنا عقیدہ آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بیّنا۔[1]

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

ان عقائدنا ان الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم فاین الموت الی ان قال وصنف البیھقیؒ جزءًا سمعناہ فی حیاۃ الانبیاء فی قبورھم واشتد نکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھذا القول الی الشیخ۔[2]

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو وہاں موت کہاں۔ اور امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزء اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے۔

حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:۔

فاما ما حکی عنہ رای الاشعری) وعن اصحابہ انھم یقولون ان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم لیس بنبی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فبھتان عظیم

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۲۸۲ [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۶۶

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

وکذب محض لم ینطق احد منہم ولا سمع فی مجلس مناظرۃ ذٰلک عنہم ولا وجد فی کتاب لہم وکیف یصح ذٰلک وعندھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ۔[1]

ترجمہ۔ ہاں، جو امام ابوالحسن اشعریؒ اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک حضورؐ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں نبی اور رسول نہیں رہے۔ یہ محض جھوٹ اور بہتانِ عظیم ہے۔ اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا نہ ان سے کسی مجلسِ مناظرہ میں ایسی بات سُنی گئی اور نہ اُن کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اُن کے ہاں حضور اکرمؐ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:۔

واما ما نسب الی الامام الاشعری امام اھل السنۃ والجماعۃ من انکار ثبوتہا بعد الموت فھو افتراء وبہتان والمصرح بہ فی کتبہ وکتب اصحابہ خلاف ما نسب الیہ بعض اعدائہ لان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم وقد اقام النکیر علی افتراء ذٰلک ابو القاسم القشیری۔[2]

ترجمہ۔ امام اہلسنت امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کے لیے وفاتِ شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض افترا اور بہتان ہے۔ اُن کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ اُن کے دشمنوں نے اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور امام ابوالحسن الاشعریؒ پر اس افترا۔ باندھنے کے خلاف علامہ ابوالقاسم القشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے

---

[1] شکایۃ اہل السنۃ۔ رسائل قشیریہ صفحہ ۱ وطبقات جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ [2] شامی جلد ۳ صفحہ ۲۶۷ باب المغنم۔

http://mujahid.xtgem.com

ان نسبة الخلاف فی هذه المسئلة الی الشیخ ابی الحسن الاشعریؒ نہ زُرد

بهتان وانما وقع بسبب ان بعض الکرامیة ..... ان الاشعریؒ واصحابه

قائلون بان النبی صلی اللہ علیه وسلم فی القبر حی یحس ویعلم[1]

ترجمہ۔ امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء[ع] و بہتان ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعریؒ اور اُن کے سب اصحاب تو اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور انورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے اندازِ بیان کو دیکھئے اور غور فرمایئے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر جلال میں نہ آجاتے۔ حیات النبیؐ کا انکار دراصل بہت سے فتن و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی اُن پر پُوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ ایک اصُولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بدء الامالی میں ہے:۔

وان الانبیاء لفی امان عن العصیان قصداً وانعزال

ترجمہ۔ اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں ان کی نبوت جاتی رہے۔

امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

المعنی ان الانبیاء لفی امان عن العزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شارح الطوالع فیه اجماع الامة۔[2]

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبہ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے مامون (امن میں) کیا گیا۔ شرح طوالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

ع اکابر کی طرف انکارِ حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں یہ سنت کرامیہ چلی آرہی ہے۔ ولیست باوّل قارورۃ کسرت فی الاسلام۔ [1] الروضة البهیة فیما بین الاشاعرة والماتریدیہ ص۵۸ [2] ص۱۵ مطبع مجتبائی۔

http://mujahid.xtgem.com

الغرض، یہ اُمور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجۂ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبرِ خاتم، شانِ شیخین بجوارِ رسول الثقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلکِ اہلِ سُنّۃ، ازالۂ اوہام کرامیت، حقیقتِ عذابِ القبر، احترامِ اجماعِ اُمّت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقتِ حال کو جاننا اور صُورتِ مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہوگیا ہے۔

ان حالات اور ضرورات سے متاثر ہو کر کہ مُبادا راہ گُم کردہ قافلہ مسلک اہل سنت ہی کو مُلتبس کردے اور جوہرِ وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرقہ ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز کوشش اہلِ تذبذب کے لیے شفاءِ قلب کا سامان، راہ گُم کردہ دوستوں کے لیے منزل کا نشان اور اہلِ یقین کے لیے وضوح و برہان ثابت ہو۔

○

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

مقدّمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وسُنت اسلامی فکر ونظر کا سرچشمۂ حیات ہیں۔ قرآن پاک کی بلاغت اِس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوقِ بشر اِس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق وسباق، کچھ اندازِ تخاطب اور کچھ قرائن کی وضاحت چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان اُمور میں علمی افکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصُولی مسائل کے ماسوا، اکابر ہمیشہ سنّت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں اُنہیں عمل کی سلامتی نظر آئی اور اسی نظریات کی تفصیل ہوئی جن میں قرآن کا درجۂ اجمال یا درجۂ احتمال میں تھا بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیّدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یُوں نصیحت فرمائی۔

ان خاصموك بالقرآن فخاصمهم بالسنة ـــ كنز العمال۔[1]

سيأتي قوم يجادلونكم فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلى بكتاب الله۔[2]

یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا (کہ یہاں ارشادِ باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی) بلکہ استدلال کی بُنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں اُنہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسُوس کیا ہو گا کہ دینی فتنوں کا طریقِ واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنتِ پیغمبرؐ اور تشریحاتِ سلف سے بالکل بے نیاز کر کے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کرلو۔ قرآن پاک کو اس کی پُوری عظمتِ علمی سے سمجھنے والے ارباب

---

[1] حقیقۃ الفقہ ص۶۴ مولانا انوار اللہ فاروقی [2] کنز العمال جلد ۱ ص۱۰۹، نہج البلاغہ جلد ۲ ص۱۹۵

http://mujahid.xtgem.com

خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے، تو کوئی حرج نہیں۔ اکثریت تو عوام کی ہے۔ انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی بات نہیں۔ انکارِ حدیث کی اگر جرأت نہ ہو تو عوامی سطح پر اُسے قرآن سے ٹکرا دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اُسے ہرگز نہ مانا جائے۔ پھر کون ہے جو آڑے آسکے، عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحتِ روایت اس ٹکراؤ کو تطبیق و توفیق کے دائرہ میں اُتار سکیں ـــــ عظمتِ قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے ـــــ پُرانے فتنوں کو کم کرنے کے پروگرام کے ساتھ ـــــ نت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ ملت کا کاروانِ حیات ایسی کئی سراؤں کے پاس سے گزرا ہے، جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے ؎

ہاں اسی رہ گزر سے شام و سحر　　　اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔ اسلام کے جملہ اصول قرآن کریم میں منصوص ہیں ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے اصولی مسائل کو مستثنیٰ کر کے ذکر کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر ناطق ہو وہاں تو مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت علیؓ کے پورے ہمنوا ہیں اور یہی جملہ اسلاف کا مسلک تھا۔

كان عندهم انه اذا وجد في المسئلة قرآن ناطق فلا يجوز التحول منه الى غيره واذا كان القرآن متحملا لوجوه فالسنة قاضية عليه[1]

ترجمہ: اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن ناطق موجود ہو تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآن کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لیے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۱۹

http://mujahid.xtgem.com

ہوتا ہے۔ قاضی ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن یہاں یہ کہ مناظر جب حق و باطل کے تصفیے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہِ راست آسان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو نہ مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مشورہ دیا کہ استدلال سنّت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کے ماخذ سے لینا مجتہد اور ولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہرو مقابل کا منہ بند کرنے کے لیے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے ایسے موقعہ پر ہر بات وہ کرو جو آسانی سے مل جائے۔

حضرت علیؓ کے مقابل خوارج تھے۔ تصنّع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؓ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن اُن کے دلوں میں نہ اُترے گا۔ اس لیے آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔

خوارج جن سے یہ مناظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یخرج فی ھٰذہ الامۃ قوم تحقرون صلوٰتکم مع صلوٰتھم یقرءون القراٰن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کمروق السھم من الرمیۃ۔[1]

ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے آگے ہیچ سمجھو گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ اُن کے گلوں ہی تک ہو گا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے۔

---

[1] رواہ البخاری عن ابی سعیدؓ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴

http://mujahid.xtgem.com

پاکستان میں مسئلہ زیرِ نزاع جن دو فریقوں میں زیرِ بحث ہے۔ ان میں نہ کوئی قاضی شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکمِ وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیرِ نزاع حدیث میں عبارت النص سے موجود ہو جیسے الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم یصلون تو حدیث سے بات سمجھانا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بنا پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کا مذکورہ شدہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلدین میں علمی فرق

مجتہد اپنے اونچے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن پر قرآن کا فیصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں نظیر تلاش کرنا اس مسئلے کا حکم پا لینا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لیے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جو انہوں نے کتاب و سنت سے دریافت کیے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یہ سب حضرات مجتہدین تھے، مقلدین کو ان کے طریقِ استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت والجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج ادلہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ کرامیہ جبریہ قدریہ شیعہ و مرجئہ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول و فروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج نئے سرے سے ان مسائل کو کتاب و سنت میں تلاش کرنا ان دوستوں کو اس کی ضرورت تبھی محسوس ہوتی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرہ علم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اسے کلی طور پر بچنا اور مذہب اہلسنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ عجمی سازش (جو ان کے نزدیک ذخیرۂ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں۔ اس طرح ہمارے یہ کرم فرما ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شد و مد سے پیش کر رہے ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب

http://mujahid.xtgem.com

صحیح کہتی ہے — گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے، علمی مآخذ کی حیثیت سے اس تک مجتہد ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک واعظ پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکارِ حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مسٹر پرویز کے نمائندوں کی حیثیت سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللّٰہ المشتکیٰ۔

مسئلہ حیاتُ النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں:۔

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون۔ اس سے بطور دلالۃ النص کے سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم اللّٰہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔[1]

اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس عنوان پر براہِ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی کی ہے۔ فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیاتِ انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے اور آپ نے انہیں اس احسان پر دعا بھی دی ہے کہ زادہم اللّٰہ شرفاً۔

پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں، مگر نہیں معلوم انہیں اسے دُہرانے سے کیا ملا:۔

ہاں شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جیسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلالۃ النص کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔[2]

---

[1] مسالک العلماء صد۱۹۱ [2] مقامِ حیات طبع اول ص ۲۸

http://mujahid.xtgem.com

ان سے اصولی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کرلیں تو یہ ہم پہ انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے۔ اپنا اپنا ظرف ہے، اور اپنا اپنا مسلک ـــــ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کرلیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؛ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیاتِ شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیاتِ شہداء عبارۃ النص میں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیاتِ انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کرسکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لیے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے۔ اس احتمال کو زائل کرنے کے لیے اگر ہم نے حدیث سے تمسک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کون سی غلطی کی ہے ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو، ان میں سنت سے استدلال کرلینا چاہیئے۔ اب اس پہ ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

> اموات غیر احیاء کو درجہ اجمال و احتمال میں داخل کر دیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیّین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔[۱]

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال و احتمال والی بات آیت اموات غیر احیاء کے بارے میں نہیں، آیت حیات الشہداء کے پیش نظر کہی جارہی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ادنیٰ احتمال کی گنجائش

---

[۱] مسالک العلماء، ص۱۱

http://mujahid.xtgem.com

بھی نہ رہے۔

ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے اموات غیر احیاء کو کس دیدہ دلیری سے آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی طرح قطعی الدلالۃ بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی امر معنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا آیت اموات غیر احیاء عقیدہ مماتُ النبی پر قطعیُ الدلالۃ ہے۔

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضورؐ اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت اموات غیر احیاء کو اسی طرح قطعی الدلالۃ سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے ـــــ ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے۔ حضورؐ آخری نبی ہیں اور مرتبہ و زماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں ـــــ کیا آیت اموات غیر احیاء بھی اسی طرح انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰؑ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے یا اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ ـــــ اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں ـــــ اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ ماننے والے اور حضورؐ کو زمانہ اور مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے اور دونوں اپنے ان نصوص قطعیہ کے رد کرنے کے جرم میں دائرہ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں۔ مگر سب حضرات جانتے ہیں کہ مماتی لوگ حیات النبی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں ـــــ آخر یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ اموات غیر احیاء کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب، اموات ہیں ستارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محل موت ہیں) یا شہداء (جو گو اب زندہ ہیں مگر ماضی میں مورد موت بنے) سب ان میں آگئے۔

http://mujahid.xtgem.com

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالۃ کہا جا سکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکھ چکے۔ مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں ہوجاتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کرلیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ماسبق میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں تھا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہیئے۔ آخر آپ بھی تو کہتے ہیں:۔

شہداء اور انبیاء ـــــ بعد الوفات زندہ ہیں[1]

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ ممات النبی پر دال نہیں، چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالۃ اور وہ بھی مثل آیت خاتم النبیین کہا جا سکے ـــــ تعصب اور ضد کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے کس طرح عقیدہ حیاۃ النبی اور انکار ختم نبوۃ کو برابر کر دیا ہے۔

ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم و فہم کی داد دیجئے۔ وہ اسے از خود اموات غیر احیاء کے بارے میں لے بیٹھے ـــــ اور پھر کیا ہوا، اپنے آپ کو لے بیٹھے ـــــ ان کی صدائے ماتم سنیئے:۔

اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون کو درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کر دیا ۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہے جیسے مرزائیوں نے ولکن رسول اللّٰہ و

---

[1] مسالک العلماء صہ ۲۹

خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔[1]

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں۔ اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ)

ایسی تحریریں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں جو سارا دیوبند اُن کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، ساحل پہ کھڑے محو تماشا ہیں۔

عوام کو یہ تأثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا اختلاف ہم میں حیات و ممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النبیین بھی لائق قبول ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں نے قرآن کی تحریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں کیا یہ انہی باتوں کا اثر نہیں کہ ان دوستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہو گئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اُسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

آیت اموات غیر احیاء کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اموات غیر احیاء؟ نہیں، آیت اموات غیر احیاء میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں کہ یہ مراد ہے یا وہ —— لیکن آیت خاتم النبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔ اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہو گا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر ہو گا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

---

[1] مسالک العلماء ص۱۱

http://mujahid.xtgem.com

جس طرح آیت بل احیاء ولکن لا تشعرون حیات شہداء کے بارے میں نازل ہوئی،
آیت اموات غیر احیاء مماتِ انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پہ ہے۔
کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محلِ موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال
میں یا مستقبل میں موردِ موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو
کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محلِ
موت ہیں، حالاً ہوں یا ماسبق میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول
وفات پائیں گے)۔ ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں اُن میں سے کسی کے بالفعل مُردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا
تحقق کسی زمانے میں ہو جائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز
منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پہ زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد الوفات زندہ ہونا
رب العزت حی لا یموت کی صفتِ حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھئے:۔

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون ٥ اموات غیر
احیاء وما یشعرون ایان یبعثون ٥ الٰھکم الٰہ واحد۔

(پ۱۴: النحل ع ۲۔ آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا، کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کیے ہوئے
ہیں مُردے ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے
معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ الٰھکم الٰہ واحد بتلا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس
موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے روح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مضمون
آیت کا ہرگز موضوعِ بیان نہیں ہے ـــــ جب موضوعِ توحید اللہ ہے تو اموات غیر احیاء کا
معنی اسی مورد پر رکھنا چاہیئے جس درجے میں اس کا توحید سے تصادم ہوتا ہو۔ حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید

http://mujahid.xtgem.com

کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے یہاں ان کے لیے صرف اثباتِ مخلوقیت کافی ہے۔ ان سے نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں:۔

ان اثبات المخلوقية لهم غير مستدعی لنفی الحياة عنهم لما ان بعض المخلوقين احياء۔[1]

ترجمہ۔ ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اموات غیر احیاء میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ لکھتے ہیں:۔

جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے۔ جلالین میں ہے وهم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں ہے فاعلم انه تعالی وصف هذه الاصنام بصفات کثيرة پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لا یخلقون شیئا و هم یخلقون۔[2]

صفوۃ التفاسیر میں ہے:۔

والذين يعبدونهم من دون الله کالاوثان والاصنام لا يقدرون على خلق شئ اصلا والحال انهم مخلوقون صنعهم البشر بايديهم فكيف يكونون الهه تعبد من دون الله (اموات غير احياء) ای وتلك الاصنام اموات لا ارواح لها لا تسمع ولا تبصر لانها جمادات لا حياة فيها فكيف تعبدونها وانتم افضل منها لما فيكم من الحياة۔[3]

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۰ [2] تفسیر حقانی جلد ۵ صفحہ ۱۷ [3] صفوۃ التفاسیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے کہ یہ بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بنایا ہے سو وہ کیسے اللہ کے سوا عبادت کے معبود ہو سکتے ہیں اور یہ بت مُردے ہیں ان کی ارواح ہی ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں۔ تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہیے کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفی حیات کے لیے نازل ہوئی جیسے آیت خاتم النبیین بیان ختم نبوت کے لیے اتری۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی۔ معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مُردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آ گئے جن پر پہلے کبھی موت آئی۔ مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

(اموات) عموم المجاز لیشمل ما کان له حیاة ثم مات کعزیر او سیموت کعیسیٰ والملٰئکة علیهم الصلوٰة والسلام وما لیس من شانه الحیاة اصلاً کالاصنام[1]

ترجمہ۔ اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وہ فوت ہوئے جیسے عزیر علیہ السلام اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ فوت ہوں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام (ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

اللہ رب العزت کے لیے حیات تامہ ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی جو

---

[1] روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۰

http://mujahid.xtgem.com

ہیں. ان میں کوئی حیاتِ تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اوّل یا آخر یا حالاً موت نے گھیر رکھا ہے۔
سو اس آیت میں اثباتِ توحیدِ باری ہے۔ کسی کا حالاً مُردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کونھم امواتا انھم لابد لھم من الموت وکونھم غیر احیاء غیر تامۃ
حیاتھم والحیاۃ التامۃ ھی الحیاۃ الذاتیۃ التی لایرد علیھا الموت۔[1]

ترجمہ۔ ان کے اموات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں اور ان کے غیر احیاء کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیات تامہ نہیں۔ حیاتِ تامہ اس حیاتِ ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئندہ آئے)۔

حضرت تھانویؒ نے بھی عموم مجاز کہا ہے۔

یہ معبودین کیسے مستحقِ عبادت ہو سکتے اور وہ مُردے ہیں خواہ دواماً جیسے بُت یا فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گو اب وہ زندہ ہوں) یا فی المآل جو مریں گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں۔[2]

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۲۳ جلد ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۹۴، تفسیر خازن جلد ۳ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء کے اِس وقت اموات اور بے جان ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ اُن پر ماسبق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کو یا شہداء کو ہم اموات کہیں۔ اس کی قرآن کریم ہمیں اجازت نہیں دیتا۔

افسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اموات غیر احیاء کو جس میں بُت بھی مُراد لیے گئے ہیں انبیاء کے حالاً بے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حضورؐ کی ختم نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم جائیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا۔ اکابر کی شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔

---

[1] روح المعانی جلد ۱۴ ص ۱۲۳ [2] معارف القرآن جلد ۵ ص ۳۱۶

http://mujahid.xtgem.com

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ان دوستوں نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ کر سکیں۔ سو آئندہ انشاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پیرایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی تعصب اور احساسِ تحزب کے طلبہ علوم دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالم برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتاب الٰہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ کے وقوع وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ کی وفات کا امکان (افإن مات او قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا اور آپ کی وفات کی پیشگوئی بھی آیت (انک میت وانھم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس بات کا بیان کہ آپ پر موت کا ورود ہو چکا ہے، اس کے لیے ابھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے جو شخص کہے کہ قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آچکی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے۔

حضرت مسیح کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس نہیں جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا یقیناً ورود ہوا اور آپ نے یقیناً اس دنیا سے انتقال فرمایا لیکن قرآن پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپؐ پر وفات آچکی۔ اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغہ ہے، جو کتب حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

وقوعِ موت ثابت کرنے کے لیے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقتِ پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریق بُرہان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مبحث اور محلِ نزاع نہ ہو۔ بلکہ وقوعِ وفات پہ بنا بر خبرِ مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ ورُودِ موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت تک جسدِ اطہر اور رُوحِ انور میں کلّی مفارقت رہے گی۔ اس پہ بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضاء النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارات کو کھینچ کھینچ کر مطالب کا جال بنانا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحبِ علم ایسی راہبری کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرضِ مزمن پہ جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ ایک قدم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلالۃ النص کے طور پہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں —— ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح وقوعِ وفات کی خبر کتبِ حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیثِ صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثباتِ عقائد کے لئے دلائل ظنیّہ سے استشہاد —— ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحب یہاں یہ اعتراض کر دیں کہ اخبار احاد اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبرِ متواتر الاسنادہی میں

http://mujahid.xtgem.com

منحصر نہیں. بلکہ اخبارِ احاد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی سہی، کسی قدرِ مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جا سکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہلِ حق کا اجماع اس کے حقیقتِ مسلمہ ہونے کی شہادت دے دیں، تو یہ بنیادِ یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وانما الادلة المعتبرة ههنا المستقرأة من جملة ادلة ظنية تظافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ماليس للافتراق ولاجله افاد التواتر القطع وهذا نوع منه فاذا حصل من استقراء ادلة المسئلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبيه بالتواتر المعنوي۔[1]

ترجمہ: عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہوں، مگر کسی ایک قدرِ مشترک پر سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ خبرِ متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں، تو اُن کے مجموعے سے (اس قدرِ مشترک کے لیے) ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواترِ معنوی ہی ہے۔

عذابِ قبر کا برحق ہونا عقائدِ اہلِ سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآن پاک کی جن آیتِ شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس مضمون پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں ظنی ہیں۔ بایں ہمہ عذابِ قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے عذابِ قبر کے داخلِ عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے:۔

---

[1] الموافقات جلد ۱ ص ۳۶

http://mujahid.xtgem.com

فلا يخفى ان المعتبر فى العقائد هو الادلة اليقينية واحاديث الآحاد لو ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواترًا معنويًا فحينئذٍ قد يكون قطعيًا۔[1]

ترجمہ۔ یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آحاد اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں، اگر ایک ہی مضمون) متعدد طریقوں سے اس طرح مروی ہو کہ تواترِ معنوی پیدا ہو جائے، تو اس وقت یہ (قدرِ مشترک) بھی قطعی اور یقینی ہو جائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ منکر پر قول کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں۔ والتفصیل فی العرف الشذی ص۳۴ و ص۲۵۵

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم و احکم فی کل باب۔

قرآن عزیز کا موتِ انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہنِ جاہلیت سے مفہومِ موت پر اختلاف :

عربوں کا تصور "موت" کے متعلق یہی چلا آ رہا تھا کہ ،،

① ـــــ یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے اور یہ ایک امرِ عدمی ہے۔

② ـــــ ان کے عقائد میں نہ بقائے جسد تھی نہ بقائے روح دونوں کی فنا ہے۔

③ ـــــ ورودِ موت کے بعد پھر روح اور اس جسدِ دنیوی کا اجتماع اُن کے نزدیک محال اور ایک امرِ مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم "موت" پہ ذہنِ جاہلیت بدل ڈالا ـــــ ان لوگوں نے اپنے فکر و نظر

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۲

http://mujahid.xtgem.com

کے مطابق "موت" کے لیے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سیّد النّاس اُندلسی نے "المخصص" میں ایک فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔

اسمائے موت:۔

الهميغ والنيط والرهر والمنون والشعوب والفود والحمام والسامر والمقدار وقتيم وجباز وحلاق والقاضية والطلاطل والعول والذام والكفت والجداع والحذرة والحتف والخالج ..... وغيرها۔[1]

انہی میں لفظ "توفّی" بھی آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسیؒ نے اشعارِ عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر "توفّی" کا اطلاق درست نہ تھا کیونکہ اُن کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی، نہ بقائے روح۔ توفّی وصُول کرنے کو کہتے ہیں، ان کے عقیدے میں موت توفّی نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفّی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصُول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کردیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الرّوح کے وصُول کرنے پر کیا۔[2]

عربوں کے تصوّرِ موت کو جب اسلام کے قرنِ اوّل ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شانِ تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف "ابانة الروح عن الجسد" کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوتِ حیوانیہ کے زوال یعنی آثارِ حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

---

[1] المخصص جلد ۶ صفحہ ۱۱۵ [2] مقدمہ مشکلات القرآن صفحہ ۲۷

http://mujahid.xtgem.com

علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

کل نفس ذائقة الموت فعبارة عن زوال القوة الحیوانیه و ابانة الروح عن الجسد۔[1]

ترجمہ: ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے پس موت سے مراد ۱۔ حیات کی قوت زائل ہونا اور ۲۔ روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

الله یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسك التی قضی علیها الموت و یرسل الاخری الی اجل مسمی۔ (پ ۲۴: الزمر ع ۵ آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن پر مرنا ٹھہرا دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری روحوں کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ موت ہو، سونے والے کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اچھل رہی ہیں اور روح کے چار گھنٹے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن کے لیے پکڑا ہے۔

یہ تو نائم کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھئے، جونہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا، روح کے آثار کچھ دیر کے لیے اور رہتے ہیں اور اسی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی وہ تازگی باقی نہیں رہتی۔ اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور

http://mujahid.xtgem.com

حسب بیان راغب اصفہانی انفکاک الروح عن الجسد بھی ہوا اور قوت حیاتی بھی جاتی رہی۔

اب اگر کوئی ایسا کیس ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھنٹے گزر جائیں مگر بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی پر صدیاں گزر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟ یہی نا کہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ سمٹ چکی اور کچھ آثارِ حیات اب تک باقی ہیں. علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا:۔

وھو الیوم کما وضع[1]

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔[2]

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسدِ اطہر میں کچھ آثارِ حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟

جواب: یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ پیر طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور پر نہیں کہی. انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے لفظوں میں ادا کی ہے. اس کے آخر میں فرماتے ہیں. یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب.

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو. بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثارِ حیات آپ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں. سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام کی موت کی نوع ہی جدا ہے. تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں. یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی

---

[1] ہدایہ باب الجنائز جلد ا صـ۱۶۱ [2] مسالک العلماء صـ۹۸

http://mujahid.xtgem.com

درجے میں حیات بھی باقی رہی اور آپ کی موت سا تر حیات ہوئی۔ یہ نہیں کہ اس سے آثارِ حیات کلیۃً منتفی ہوئے یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے۔ اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت پر اسلام کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے بتایا ہے موت صرف مفارقتِ روح کا نام نہیں، یہ توفیتہ میں بھی ہوتا ہے۔ جب تک پورے آثارِ حیات منتفی نہ ہوں وہ موت نہیں اور راغب نے یہی بات کہی ہے۔ حضورؐ سے بعض آثارِ حیات چونکہ آخر تک منتفی نہ ہوئے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اُسے ایک حدی نوعِ حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کون سا آسمان گرتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں:-

والحیاۃ جنس تحتہا انواع وکذالک الموت فاثبات بعض انواع الموت لا ینافی الحیٰوۃ۔[1]

دوستوں کا عذرِ لنگ

بعض کرم فرما یہ کہہ کر بات ٹالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو یہ دعوے کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعا میں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت کی یہ دُعا نقل کرتے ہیں۔

باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ الصالحین۔[2]

ترجمہ۔ تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے سہارے ہی میں اسے اُٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روکے رکھے تو اس پر رحم فرما اور اگر اُسے واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما۔ جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی ہوتی ہے جس کے بعد یہ پھر آجاتی ہے

---

[1] الصارم المنکی ص۱۸۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص۹۳۵

http://mujahid.xtgem.com

اور موت والے کے لیے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدان حشر میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روک رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دُنیا کی بات ہے کہ اس دُنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ امساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت صرف ابانۃ الروح عن الجسد نہیں۔ آثار حیات جب تک پورے منتفی نہ ہوں۔ قرآن کریم سے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔

پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا معتزلہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کشاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اسی کی کھلی تردید نہیں کی، الانتصاف اٹھا کر دیکھیں۔

سوال : نیند والے کی طرف روح کا لوٹنا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے کی روح روکی نہیں جاتی، چھوڑ دی جاتی ہے۔ کیا کہیں اسے احیا (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوئی تھی؟

جواب : سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لیے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :-

اللّٰھم انت خلقت نفسی وانت توفاھا لك مماتھا ومحیاھا ان احییتھا فاحفظھا وان امتھا فاغفرلھا۔[1]

ترجمہ : اے اللہ! تُو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی توفی کرے گا میری موت اور زندگی سب تیرے لیے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

---

[1] عن عبداللہ بن عمرؓ مرفوعاً۔

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن حبان نے اس کی تصحیح نقل کی ہے[1]

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر رد روح کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔

الحمد للہ الذی عافانی فی جسدی ورد علی روحی[2]

ترجمہ: حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح پھر سے لوٹا دی۔

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

امام نووی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے[3]

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہنِ جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ ان حقائق کے لیے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریۂ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت "حیات" کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شئے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خلق الموت والحیات۔ (پ۲۹ الملک)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا اور محض ایک امر عدمی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

---

[1] فتح الباری جلد ۲۳ ص۱۴۹ [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص۷۶ [3] کما فی فیض القدیر جلد ۱ ص۲۸

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی (۶۸۳ھ) فرماتے ہیں :-

ان الموت عدم وھو خطاء صراح ومعتقد اھل السنۃ انہ امر وجودی یضاد الحیاۃ وکیف یکون العدم بھذہ المثابۃ ولوکان العدم مخلوقاً حادثاً وعدم الحوادث مقرراً ازلاً للزم قطع الحوادث۔[1]

ترجمہ۔ موت کو محض ایک عدمی شئے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے۔ جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شئے اس درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو اور وہ حادث ہوں اور عدم حوادث کا تقرر بھی ازلی ہو تو اس سے قطع حوادث لازم آتا ہے۔

روح المعانی میں ہے :-

والموت علی ماذھب الیہ الکثیر من اھل السنۃ صفۃ وجودیۃ تضاد الحیاۃ واستدل علی وجودیتہ بتعلق الخلق بہ وھو لا یتعلق بالعدمی لازلیۃ الاعدام۔[2]

ترجمہ۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں :-

واختلفوا فی الموت فقال قوم انہ عبارۃ عن ھذہ الصفۃ وقال اصحابنا انہ صفۃ وجودیۃ مضادۃ للحیاۃ واحتجوا علی قولھم بانہ تعالیٰ قال الذی خلق الموت والحیاۃ والعدم لا یکون مخلوقاً ھذا ھو التحقیق۔

---

[1] الانتصاف جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ مصر [2] روح المعانی جلد ۲۹ صفحہ ۴ مصر [3] تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۱

http://mujahid.xtgem.com

والموت عند اصحابنا صفة وجودية مضادة للحياة۔[1]

ترجمہ: مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض اسے عدمِ حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنّت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفتِ وجُودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنّت کا استدلال اس ارشادِ قرآنی سے ہے "خلق الموت والحیاۃ" کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفتِ وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پہ واقع ہوگا۔ فتفکر وتدبر۔

موت کا وجُود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یجمع اللہ النّاس یوم القیٰمۃ فی صعید واحدٍ ثم یطلع علیھم رب العٰلمین . . . . فیقوم المسلمون ویوضع الصراط فیمرون علیہ مثل جیاد الخیل و الرکاب وقولھم علیہ سلم سلم ویبقی اھل النار فیطرح منھم فیھا فوج . فاذا ادخل اللہ تعالیٰ اھل الجنۃ الجنۃ واھل النار النار اتی بالموت ملببا فیوقف علی السور الذی بین اھل الجنۃ و اھل النار ثم یقال یا اھل الجنۃ فیطلعون خائفین ثم یقال یا اھل النار فیطلعون مستبشرین یرجون الشفاعۃ فیقال لاھل الجنۃ ولاھل النار ھل تعرفون ھذا فیقولون ھؤلاء وھؤلاء قد عرفناہ ھو الموت الذی وکل بنا فیضجع فیذبح ذبحا علی السور۔[2]

---

[1] تفسیر ابوالسعود صفحہ ۱۹۳ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۷۹ دہلی صفحہ ۴۱ لکھنؤ

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ. اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے. اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال و جواب کریں گے اور نیک لوگ پُل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جاگریں گے. پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہو گی. پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دونوں کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی. اس وقت اُسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا...... اس کے بعد موت کسی کو نہ آئیگی.

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتی بالموت یوم القیمۃ کانہ املح فیوقف بین الجنۃ والنار ثم ینادی منادیا اھل الجنۃ فیقولون لبیک ربنا قال فیقال ھل تعرفون ھٰذا فیقولون نعم ربنا ھٰذا الموت فیذبح کما تذبح الشاۃ فیامن ھٰؤلاء وینقطع رجاء ھٰؤلاء رواہ ابویعلیٰ والطبرانی فی الاوسط بنحوہ والبزار ورجالھم رجال الصحیح غیر نافع بن خالد وھو ثقۃ[1]

ترجمہ. قیامت کے دن کبش املح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھو اسے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے. اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے.

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے.

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آتے اور روح نکال کے جائیں یا نازعات و ناشطات آئیں اور روح نکال لیں. صرف یہی ہو تو یہ ایک عدمی حقیقت ہے مگر حضورؐ نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شئے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوئی تھی اور اسے سب اہل جنت

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۵

http://mujahid.xtgem.com

جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہچانتے ہوں گے ـــــ اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کر ڈالا۔ معتزلہ اور کرامیہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں چلتے، تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف ابانۃ الروح عن الجسد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اسکی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال

جب موت ذبح کر دی جائے گی اور نیک وبد، جنت و جہنم میں جا چکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے۔ ایک موت ان پہ وہاں وارد کی جائے گی۔ تاکہ انہیں نار جہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پہ وارد ہوگی۔ حدیث کے ان الفاظ پہ غور کریں:۔

اذا ادخل اللہ الموحدين النار اماتهم فيها اماتة فاذا اراد ان يخرجهم منها امسّهم الم العذاب تلك الساعة[1]

ترجمہ۔ جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوئے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)۔

(اماتهم فيها) بمعنى انه يغيب احساسهم او يقبض ارواحهم لطفًا منه بهم واظهارًا لاثر التوحيد[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کی روحیں قبض فرمالیں گے یہ اس لیے کہ ان پہ توحید کا اثر ظاہر ہو (وہ یہ کہ ان پہ آگ اثر نہ کرے)۔

یہاں اماتہم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح اُن کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے

---

[1] جامع صغیر ص ۲۵ [2] السراج المنیر جلد ۱ ص ۷۹

http://mujahid.xtgem.com

کہ حق تعالیٰ اُن کے احساس و شعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔

موت تو ذبح ہو چکی، اب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار اور شعور و احساس کو روک دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسانِ نبوّت نے لفظ موت سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقتِ موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پہ وارد ہوتی ہے۔ موت کی حقیقت انفکاکِ روح یا ازالۂ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا مغالطہ ہے۔ ازالۂ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہو سکتی ہے اور ابانۃ الروح پر بھی (جیسے کہ یہ نائم پہ وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جانے روح کا ارسال یا بدن کی طرف عود کرنا پھر ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست موت کا معنیٰ ابانۃ الروح عن الجسد یا ازالۂ حیات ٹھہرا کر معتزلہ کے ذہن سے موت کو ایک عدمی چیز سمجھیں اور قرآن کی نص بھول جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالۂ حیات کا نام نہیں۔

خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ (پ ۲۹ الملک، آیت ۲)

ترجمہ۔ اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو۔ تا جانچے تم کو تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔

موت کا عدمی معنیٰ (ازالہ حیات) کرنے میں ایک دقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لیے سبق حیات ضروری ہو گا۔ پھر اموات صرف انہیں کو کہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں بتوں کو اموات نہیں کہا جا سکے گا۔ کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لا یسمع کا معنیٰ بھی یہی ہو گا کہ جو پہلے سنتے تھے اب نہیں سنتے۔ لا یبصر کا معنیٰ یہ ہو گا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے۔ پہلے کام آتے تھے اب کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کہنا کیسے درست ہو گا۔

لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا۔

http://mujahid.xtgem.com

بُت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوئی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صنم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پوجا بھی دُنیا میں ہے اور رہی ہے. قرآن کریم ان سب معبودانِ باطلہ کو اموات کہتا ہے. اگر مسبوقیت الحیاۃ (کہ پہلے ان میں حیات رہی ہو) موت کا لازم اقتضاء ہے اور موت کا معنی ہے. ازالہ حیات تو خود ہی فرمائیں. سورج اور چاند میں، ستاروں اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو اُن کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ اُن کی زندگی جاتی رہی عجیب علم و دانش ہے کہ موت ازالۂ حیات کا نام ہے اور جو ازالہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا نانوتوی بھی ہو تو ہمارا امام نہیں۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم (پ البقرہ آیت ۲۸) میں موت کا لفظ حیات کے بالمقابل ہے. یہاں موت کے لیے مسبوقیت بالحیاۃ نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں ازالۂ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے. حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مجاہد (۱۱۰ ھ) سے یہی منقول ہے. معلوم ہوا موت کا معنی ازالۂ حیات نہیں، صرف عدم حیات ہے. اُس تعریف پہ معتزلہ کی تائید ہوتی ہے. صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی چیز ہے. ازالۂ حیات اس کے لیے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ موت تو ضروری نہیں۔[1]
ان ھذہ الاعادۃ لیست مستلزمۃ لاثبات حیاۃ مزیلۃ لاسم الموت بل ھی نوع حیاۃ برزخیۃ۔

آنحضرتؐ کی موتِ طیبہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا عنوان تو آپ نے بارہا سنا ہوگا. آج موتِ طیبہ کا عنوان بھی دیکھ لیجیے. طیب کا لفظ جس طرح آپ کی حیات کے لیے ہے، اسی طرح یہ اطلاق آپؐ کی موت کے لیے بھی ہے. حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کی وفات پہ ان محمد اقدمات کا اعلان کرنے سے پہلے موتِ طیبہ کی آواز لگادی تھی. حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے

---

[1] ردالمحتار شامی جلد ا صفحہ ۳۵۲ [2] الصارم المنکی صفحہ ۱۸۵

http://mujahid.xtgem.com

حضورؐ کے جسدِ اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا :-

طبتَ حیًا و میتًا۔ (آپؐ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب)[1]

جس طرح آپؐ کے بدنِ اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسدِ اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے، عروضِ موت نے آپ کی حیات کو صرف زیرِ پردہ کیا ہے۔ آثارِ حیات آپؐ سے منتفی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تر و تازہ رہے گا۔ اس میں غور کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کوئی اور قسم کی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تصور کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موتِ طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں۔ اس بحث میں ہم نہ پڑیں اور انک میت و انھم میتون کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپؐ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثارِ حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثراتِ ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کون سا ستون ہے جو گرتا ہے اور کون سی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساترِ حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثراتِ حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثراتِ حیات جو اجماعاً مسلّم رہے

موت کا ایک سریع اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے جملہ اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضورؐ کے اموال آپؐ کی ملک پہ باقی رہے اور آپؐ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں :-

باب کان ماله بعد موته قائماً علی نفقته و ملکه۔[2]

---

[1] فتح الباری جلد ۱۶ صفحہ ۲۸۱ نقلاً عن ابن ابی شیبہ۔ [2] سنن کبریٰ امام بیہقی جلد ۷ صفحہ ۶۴

http://mujahid.xtgem.com

دوسرے لوگوں کے لیے باب یہ بندھا ہے:۔

ترجمہ: جب آدمی مرجائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔[1]

امام بخاریؒ کتاب الفرائض میں حضرت ابوہریرہؓ سے حضورؐ کی یہ حدیث لائے ہیں:۔

لا تقتسم ورثتی دینارًا ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فھو صدقة۔[2]

ترجمہ: میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

(۱) اُمہاتُ المؤمنینؓ کا خرچہ تو سالہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات بھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں اور آپ کے عامل اس سے اپنی اُجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثبات حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

(۲) فوت شدہ کی بیوی تا انقضائے عدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضورؐ کی ازواج کے لیے یہ عدت نہیں، وہ تازندگی حضورؐ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تبھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

(۳) موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ حضرت مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:۔

میں بیمار تھا، میں نے حضورؐ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کر سکتا ہوں جہاں چاہوں، آپؐ نے اس پر نہ کہی۔ میں نے کہا نصف کی وصیت کروں آپؐ نے اس پر بھی انکار فرمایا ــــ پھر میں نے ثلث (تہائی) کے لیے کہا، آپ اس پر خاموش رہے۔

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۴ صـ ۲۲۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۹۹۶

http://mujahid.xtgem.com

لیجئے فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصّے کا مالک نہیں رہا، اسے اُس کے وارث لیں گے۔ یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

مرضت فارسلت الی النبیؐ فقلت دعنی اقسم مالی حیث شئت فابی قلت فالنصف فابی۔ [۱]

اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے، ازواجِ مطہراتؓ کے خرچہ اور خادم کی اُجرت کے بعد جو بچے اسے علی صدقہ فرما دینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ بوجہ موت کے موت تمام علائق دُنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے املاک باوجود وفات اُن کی ملک میں ہیں اور آپؐ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پہ اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت طبعیہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزاء اور اپنے عوام کی تشغیب ہم نہیں سمجھتے۔ اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جا رہا ہے۔

موت کے بارے میں اہلِ دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے۔ موت کی حقیقت پر اہلِ تحقیق نے بہت گردپیمائی کی ہے۔ بات کو اُلجھانے سے بچانا ناگزیر سمجھئے۔ موت ایک ایسی صفت ہے جو صفتِ حیات کے تغیر پہ بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں صفتِ عرضی ہے تو اُس کے زوال پہ موت کا ورُود ہوتا ہے اور اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابلِ تغیر ہے (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کبھی ظہور و خفا کا انقلاب آیا ہو) یا ناقابلِ تغیر۔ اگر قابلِ تغیر ہے تو پھر صفتِ حیات کے معرضِ خفا میں آنے یا مستور رہونے پہ یہ صفتِ موت بدن کو لاحق

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰

http://mujahid.xtgem.com

ہو گی. اور اگر نا قابلِ تغیّر ہے تو پھر اس پہ ورودِ موت محال ہے. پھر وہ حیات دائمہ ازلیہ ہے.

واللہ اعلم بالصواب.

اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں. جمہور اہلِ سنت مفہومِ موت کی اس گہرائی میں نہیں گئے. ایسی حیاتِ ذاتی جس کی کیفیات ظہور و خفا میں قابلِ تغیّر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی اضافی ہو. ازلی نہ ہو. اس کا مرکز و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعثِ تکوینِ عالم اور خلاصہ کائنات ہے. اس لیے لسانیات کی دنیا میں مفہومِ موت کا یہ پہلو اتنا شائع و ذائع نہ ہو سکا. اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں.

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پہ نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیات النبیؐ کے ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو. موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جمہور کی رائے ہے تو بھی مسئلہ زیرِ بحث میں مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا. ہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ روح کے بدن میں مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں. روح بدن سے نکل جاتی ہے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی. محقق ابن ہمامؒ کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں تلازمہ نہیں، تاثیر و تعلق بھی وجودِ حیات کے لیے کافی ہے. متن فقہ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ:۔

اعادۃ الروح الی العبد حق.[1]

ترجمہ. بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹایا جانا برحق ہے.

ممکن ہے اس میں حرف "الی" اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں لوٹانا ضروری نہیں. بدن کی طرف لوٹانا ہی اس حیات فی القبر کے لیے کافی ہے. جس پہ سوال نکیرین

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۰

http://mujahid.xtgem.com

اور ازاں بعد ادراکِ اَلم و لذت کے احکام مرتب ہو سکیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم فی کل باب۔

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھئے موت فنائے محض کا نام نہیں۔ وہ اختلاف دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس عالمِ دُنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے۔ علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

الموت لیس بعدم انما هو انتقال من دار الی دار [1]

ترجمہ۔ موت ایک عدمی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جانے کا نام ہے۔

لیس بعدم محض ولا فناء صرف۔ [2]

ترجمہ۔ موت ہرگز عدمِ محض اور فنائے خالص کا نام نہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں "ایک لباس اُتار کر دوسرا لباس پہننے" کا نام موت ہے ؎

موت کیا ہے یہ راز کھُل ہی گیا! | زندگی اِک رُخ بدلتی ہے
اس کنارے سے اُس کنارے تک | جیسے اِک موج جا نکلتی ہے

جاننا چاہیئے کہ کفارِ عرب کی طرح موت کے متعلق قرآن عزیز کا نظریہ فنائے کامل کا نہیں انبیاء و صلحاء تو درکنار کُل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر انہی اجسام عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محلِ استبعاد نہیں، تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوسِ قدسیہ کو عالمِ برزخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر آپ کی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالمِ آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کٹھن منزل نہیں، وہ

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۲ ص۴۰۶ [2] بشری الکئیب ص۱۶

http://mujahid.xtgem.com

کیسے ہوگا۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔

قرآن عزیز کہتا ہے:۔

وقالوا ءاذا کنا عظاماً و رفاتاً ء انا لمبعوثون خلقاً جدیداً ہ قل کونوا

حجارۃً او حدیداً او خلقاً مما یکبر فی صدورکم؟ فسیقولون

من یعیدنا ط قل الذی فطرکم اول مرۃ ج (پ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہوجائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہوجاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا:۔

کما بدأنا اول خلقٍ نعیدہ ط وعداً علینا انا کنا فاعلین۔

(پ۱۷ : انبیاء)۔

ترجمہ۔ جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اُس کو لوٹائیں گے، ہمارا ضرور وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرّات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا:۔

قد علمنا ما تنقص الارض منھم و عندنا کتابٌ حفیظٌ (پ۲۶ ق)

ترجمہ۔ ہمیں معلوم ہے جو زمین کھا رہی ہے اُن میں سے، اور ہمارے پاس پورا ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے:۔

من یحي العظام وھی رمیم ہ قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃٍ وھو بکل خلقٍ علیم ہ (پ۲۳ : یٰسین)

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟ ——

آپ فرما دیجیے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا جس نے انہیں پہلی بار بنایا

تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیاتِ انسانی کیسے ان ذرّوں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ ریزے اور چُورا تو بہر حال انسانی لاش ہے، جس میں بیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثارِ حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چُورا نہیں، اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثارِ حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز، جس کا زندہ ہونا تمہیں لگتا ہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، بن کر دیکھ لو۔ حتیٰ کہ موتِ مجسم بھی بن جاؤ، تو اس قادرِ مطلق کے لیے تمہیں پھر اسی جسدِ عنصری سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشرِ آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہڈیوں کے چُورے اور ذراتِ منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اجمال ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطوی ہے، گویا کہ حشرِ آخرت کے لیے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور ذراتِ منتشرہ پھر سے اُٹھائے جائیں۔ پس جب اس دن انبیاء بھی اُٹھائے جائیں گے، تو ان کی یہ بعثت ذراتِ منتشرہ اور عظام رمیم سے کیوں نہ ہو گی۔ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے" ان کا اجسادِ سالمہ سے اُٹھایا جانا، کیا قرآن پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں "حشرِ آخرت" ہڈیوں کے چُورے اور ذراتِ منتشرہ پر مبنی ہے؟

http://mujahid.xtgem.com

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لیے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشر آخرت، ذراتِ منتشر اور عظام رمیم سے ہوگا۔

جواباً عرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اُٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور اُن کی سواری پر موت طاری کر دی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ اُن کا گدھا مٹی میں ہڈی ہڈی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اُٹھایا اور فرمایا:۔

وانظر الی حمارك ولنجعلك آیة للناس وانظر الی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما۔ (پ۳ البقرہ ع ۳۴)

ترجمہ۔ اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تاہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں اُبھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اُس نے کہا مجھے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر ہے۔

دیکھئے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پہ سو سال کی موت نیند جیسی تھی۔ ان کا بدن پُوری طرح محفوظ رہا۔ اللہ نے حرام کر دیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لیے قرآن کریم نے لبثت (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کیے ہیں اور اصحاب کہف کے سوئے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے ولبثوا فی کہفہم ثلثة مائة سنین (پ۱۵ الکہف ع ۴) سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح سوئے ہوئے اصحاب کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے۔ بو صورتحال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ وہاں۔

http://mujahid.xtgem.com

تاہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو اُن پر سو سال تک وارد رہی۔ اس دوران وہ اپنی چھپی زندگی کو نہ پا سکے۔ جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔ کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا۔ کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی مخفی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ رہا ہو۔ انبیاء کا بنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آسکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے انبیاء کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملتے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد مدتوں لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے، جب لاٹھی کو کیڑا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آگرا۔ اسے کیڑا کیوں نہ لگا؟ اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے اُنکی ہڈی تک نہ کھنکھنائی، نہ ٹوٹی۔ خشک اور سوکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسدِ مبارک نرم اور تر و تازہ رہا۔ اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اُترنے پائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے۔ فقہاء لکھتے ہیں حضورؐ کا جسدِ اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تر و تازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔ (پ ۲۲، السبا، ع ۲)

ترجمہ: پھر جب وہ زمین پر آگرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

http://mujahid.xtgem.com

اس میں اشارہ ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں، اُن کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں:۔

سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری مدت تک انہیں باقی رکھا گیا۔[1]

حشر کے دن انبیاء کا اُٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا، جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اُٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثار لطیفہ بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں موجود ۔۔۔۔ جب اُن سے برزخ کا پردہ اُٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سامنے آجائیں گے یہی اُن کا حشر ہے اور وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کو آخرت میں دوبارہ لباسِ حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عامۃ النّاس کو جو زندگی اور کامل حیاتِ عنصری اُس دن ملے گی، وہ انبیائے کرام کو پہلے ہی سے عالمِ برزخ میں حاصل ہے، صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبور میں ہی اس حیات بعد الوفات پر فائز کردیئے جاتے ہیں۔ اُس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور اُن کا عالمِ برزخ اچانک عالمِ آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک کھلی اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرتِ ایزدی سے اُن کی قبورِ شریفہ شق ہوں گی۔ بخلاف عامۃ النّاس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں قدرتِ ایزدی سے روح وجسد میں جمع کیا جائے گا، اور اسی دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیائے کرام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا:۔

انا اول الناس خروجاً اذا بعثوا۔[2]

ترجمہ۔ جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۵۵ [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۴

http://mujahid.xtgem.com

دوسروں کے لیے لفظ بعثت (اُٹھایا جانا) ہے اور اپنے لیے لفظ خروج (نکلنا) ہے، ان دونوں کو ایک لفظ کے تحت نہیں رکھا گیا۔ سو جس طرح انبیاء کی موت اوروں کی موت سے مختلف ہے ان کی حیاتِ برزخی دوسروں کی حیاتِ برزخی سے مختلف ہے، اُن کا حشر بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ اوروں کا اپنی قبروں سے اُٹھنا ہے اور ان کا نکلنا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ واتم واحکم۔

انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وفات کے بعد ان کے اجسامِ عنصریہ میں ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر پھر سے حیات عود کر آئے، تو یہ مضمون بھی صحیح ہے کہ اس حیات بعد الوفات کا تحقق قیامت کے دن نیا نہیں، بلکہ قبورِ شریفہ ہی میں عمل میں آچکا ہو۔ فرق ہے کہ تو یہ کہ برزخ میں یہ حیات پردے میں اور آخرت میں یہ حیات ایک کھلی حیات ہو گی۔ پہلے مضمون پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے لیے اعادۂ حیات اجسامِ عنصریہ کے ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر ہے۔ پس یہ قرآنی مضمون کہ حشر آخرت زمین کے "ذراتِ مُنتشرہ" اور "عظام رمیم" سے ہو، انبیاء اس ذیل میں نہیں آتے ـــــ سو قرآنی عنوانِ بعثت "عام مخصوص منہ البعض" کے درجہ میں ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تخصیص خبرِ واحد سے محل کلام نہیں، بناءً علیہ اس حدیث کی وجہ سے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون" کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عامۃُ الناس کو کامل حیاتِ عنصری حشر کے دن ملے گی، انبیاء کرامؑ اس سے بہت پہلے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں فائز الحیات ہو چکے ہوتے ہیں۔

پس اس باب میں احادیث سے استدلال خصوصاً، جب کہ وہ تواترِ معنی سے اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہوں، عین مقتضائے موضوع ہے۔ یُونہی آیات سے اُلجھتے چلے جانا اور قلبِ موضوع کرنا کوئی امرِ مستحسن نہیں ہے۔

ارشاداتِ پیغمبرِ خاتمؐ شریعتِ اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہؓ کے عہدِ سعادت مہد سے سلسلۂ روایت چلا، تابعین کے عہد کے بعد علمِ حدیث فنِ حدیث سے وابستہ ہوا، اور راویوں کے حالات، اُن کی جرح و تعدیل اور اتصال و ارسال ایک مستقل موضوع بن گئے۔ پہلے دور میں روایات کا مدار زیادہ اعتماد پر رہا اور آگے چل کر اسناد نے زیادہ اہمیت پائی۔

http://mujahid.xtgem.com

اس تحقیق و تنقیح کی جُوں جُوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدوّن ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ دو ہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلۂ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مدلّل ہے یا غیر مدلّل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ غرضیکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابرِ فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ علمی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرا دینا اور پھر ائمہ فن سے استغنا برتنے کی آبیاری کرنا، عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں۔ اگر تشغیب العوام نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ روایات کالیّہ اور قطعاً لائق ردّ ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟

آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحزّب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہوا، کسی راوی پر ادنیٰ اشارۂ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں تصحیحِ محدثین کا سہارا لے لیا۔ فالی اللہ المشتکی۔

جہاں صحیح مسلم اور ابوداؤد تک کی احادیث "موضوع روایات" کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتبِ فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس اندازِ فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں ؎

طبعت علی کدر و انت ترید ها
صفوا من الاقذار و الاکدار

ایسے پُرخطر دور میں، جب کہ احترامِ سلف اور فکرِ آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک و ملت کی مہمات میں تعمیری اور فروعی اختلافات میں نہ اُلجھا جائے

http://mujahid.xtgem.com

وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتقاد علی السلف" کے خلاف کوئی چنگاری سلگتی نظر آئے، اسے اوّل وھلہ ہی میں بجھا دینے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خرمنِ حیات کو جلا نہ دے۔

ہاں، اگر طریقِ اختلاف ایسا ہو، جس میں اکابر کے خلاف جذباتِ تنفر نہ پیدا ہوں، تو پھر یہ اختلافِ رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمۂ اتحاد سے سیراب ہو سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات تفرداتِ محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ ــــــ اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی رائے ہے، آخر جانب مخالف بھی احتمالِ صواب سے خالی نہیں۔ الغرض ہر شئے اپنے محل پر رہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنّت پہ آٹھہرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں مروی ہوں تو صحابہ کرامؓ کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی نصیحت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے۔

عن عمرؓ انہ قال سیاتی ناس یجادلونکم بشبہات القراٰن فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارمی۔ (کنز العمال جلد ا صـ ۱۰۸)

ترجمہ۔ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہات قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے تم ان کا سامنا سنت سے کرنا اصحاب السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کون ہو سکتا ہے

اس رسالۂ ہدایت مقالہ میں اس آفتابِ رشد و ہدایت کے زندہ جاوید ہوئے کا بیان ہے جس کے نورِ عرفان نے لاتعداد ذرّوں کو غیرتِ خورشید بنادیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بھٹکی مخلوق کو چشمۂ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

http://mujahid.xtgem.com

تمہید

الحمد للہ الکبیر القادر علی جمیع الممکنات المرید لجمیع الکائنات والصلوٰۃ والسلام علی جمیع الھداۃ بالزبر والبینات الذین ھم احیاء فی قبورھم بعد الممات خصوصاً علی خاتم الرسل وافضل المخلوقات سیدنا ومولانا محمد النبی الذی ھو حی فی روضۃ من ریاض الجنات وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ الذین یقتبسون من نور حیاتہ فی الحیات وبعد الممات۔ اما بعد:

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جا سکتا — قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات تو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل — عالم برزخ — پر اجمال و اشارات ہی کی مصلحت کار فرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردۂ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس پردۂ خفا میں ہے، اُسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے، اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ (پ ۱۸، مومنون)

ترجمہ۔ اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

انسان اس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھوڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ان انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو ان پر منکشف فرمایا۔

ظاہر ہے کہ گاہے گاہے کہ یہ جھلکیاں اور انکشافات کے یہ پرتو اس مادی کے ناآشنا

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

ماحول میں عالمِ برزخ کے روابط وضوابط کی جمکہ کڑیاں نہیں ملا سکتے۔ بس ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمادیا، اُس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرضِ خفا میں ہا، اُس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور ما فوق العقل کو خلافِ عقل قیاس کرتے ہوئے منقولاتِ صحیحہ کے انکار کے دَرپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دَور

عالمِ اَرواح

یہ وہ جہان ہے جہاں رُوحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب رُوحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری آجاتی ہے، وہ روح کسی جسم میں آکر یہاں جلوہ پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوعِ انسان سے عہدِ اَلست لیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے:۔

واشهدهم على انفسهم ج ألست بربكم ط قالوا بلىٰ ج شهدنا ان تقولوا یوم القیٰمة اناکنا عن هذا غٰفلین ٥ (پ ۹، الاعراف : ع ۲۲)

ترجمہ۔ اور اللہ نے اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا، "کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب" سب نے کہا کیوں نہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن، ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

ضروری تھا کہ یہ تخمِ ہدایت جسے کل اسلامی تعلیمات کا مبدء و منتہیٰ اور تمام ہدایاتِ ربانیہ کا وجودِ مجمل کہنا چاہیئے۔ عالمِ فیاضی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں

http://mujahid.xtgem.com

بکھیر دیا جائے. تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجرِ توحید و ایمان کے درجہ تک پہنچا سکے. اگر قدرت کی طرف سے قلوبِ بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی و جوہری عقدہ کا حل ناخنِ عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا. جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے. . . . حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پُشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی. سب سے اقرار کروایا، اپنی خُدائی کا، پھر پُشت میں داخل کیا۔[1]

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ ارواح میں تمام اولادِ آدم کو خبر دی کہ اُن کے پاس اس تخم کی آبیاری کے لیے میرے پیغمبر آتے رہیں گے:۔

یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی ـــ

(پ ۸: الاعراف: ع ۴)

ترجمہ۔ اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسُول تم اولادِ آدم میں سے ہی سُنائیں تم کو آیات میری، تو جو کوئی ڈرے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہو گا، اُن پر اور نہ غمگین ہوں گے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

ابن جریر (۳۱۰ھ) نے ابو سیار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یا بنی آدم اما یاتینکم کل اولادِ آدم کو عالمِ ارواح میں ہوا تھا۔[2]

احادیث میں بھی اس عالمِ ارواح کا ذکر ملتا ہے. اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی ہے جب روح جسدِ جنین میں داخل ہوتی ہے. یہ چند ماہ کی مدت نہ عالمِ ارواح میں ہے نہ دُنیا میں ـــ

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۲۲۳ [2] ایضاً صفحہ ۲

http://mujahid.xtgem.com

یہ عالمِ ارواح اور دُنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے اور نومولود کی دُنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالمِ ارواح کو اسی لیے عالمِ ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھا نہ جا سکے (جیسے قبر میں روح و بدن کا تعلق) تاہم عالمِ ارواح کے سوا دُنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح و بدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالمِ ارواح ایک پورا جہاں ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہان میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دُنیا، برزخ اور آخرت۔ تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

عالمِ دُنیا

عالمِ محسوسات میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے۔ قرآن اُسے "الحیٰوۃ الدنیا" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں رُوح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ مگر جسد کے احکام روح پر غالب ہوتے ہیں[1] یہاں حیات کا تقوم اس دُنیا کے رزقِ مادی پر ہوتا ہے تغذیہ و تنمیہ اس زندگی کے لوازم ہیں اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم "دار التکلیف" ہے اور یہی "دار العمل"، جس کے ذخیرۂ عمل پر بعد کی جزا یا سزا مرتب ہوتی ہے۔

---

[1] قال العارف الجامیؒ ان الغالب فی ھذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورۃ لظھور الجسد وخفاء الروح وینعکس الحال فی البرزخ وتظھر احکام الروح اما المحشر فیستاوی فیہ الحکمان واللہ اعلم۔

http://mujahid.xtgem.com

عالم دُنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دُنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دُنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی اعمال کو دیکھ یا سُن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ اُن کی یہ دُنیوی زندگی دُنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انه صورت لى الجنة والنار حتى رأيتهما وراء الحائط[1]

ترجمہ جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے:۔

لقد رأيت الآن منذ صليت بكم الصلوٰة الجنة والنار ممثلتين فى قبلة هذا الجدار[2]

ترجمہ ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبلہ کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضورؐ نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ یہ کہاں دیکھا؟ اسی دُنیا میں ——— کیا کوئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں ——— یہ دُنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا:۔

انه عرض علىّ كل شئ تولجونه فعرضت على الجنة حتى تناولت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۳

http://mujahid.xtgem.com

منها قطفًا اخذته ..... وعرضت علی النار فرأیت فیها امرأۃ من بنی اسرائیل تعذب فی هرۃ لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من خشاش الارض ورأیت ابا ثمامۃ عمرو بن مالک یجر قصبہ فی النار۔[1]

ترجمہ: ابھی مجھے ہر چیز جہاں تمہیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے اس سے انگور کے کچھ خوشے لیے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی ہیں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی کے سلسلے میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور اسے کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھالے اور میں نے ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

ما من شیء لم اکن اریتہ الا رایتہ فی مقامی هذا حتی الجنۃ والنار۔[2]

ترجمہ: کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

عرضت علیّ اجور امتی ... وعرضت علیّ ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القرآن او آیۃ اخذها رجل ثم نسیها۔[3]

ترجمہ: ابھی مجھے اپنی امت کے اجر اعمال دکھائے گئے ... مجھے میری امت کے گناہ بھی دکھلائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

عرضت علی الامم ورأیت سوادًا کثیرًا سد الافق فقیل هذا موسیٰ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۹۷ [2] رواہ البخاری عن اسماء جلد ۱ ص۱۸ [3] جامع ترمذی جلد ۲ ص۱۱۵

http://mujahid.xtgem.com

موسیٰ فی قومہ۔[1]

ترجمہ: مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی تھی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔

ایک دفعہ آپ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا۔

انی واللہ لانظر الیٰ حوضی الاٰن و انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض انی واللہ ما اخاف ان تشرکوا بعدی و لکنی اخاف۔[2]

ترجمہ: میں اپنے حوض کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں دے دی گئیں۔

اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے۔ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ دُنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جا نکلے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا۔

انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر۔[3]

ترجمہ: اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آرہا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا تمہارے گھروں میں فتنوں کو اس طرح اُترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اُتر رہی ہو۔

حضرت ابُو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا۔

فقال یہود تعذب فی قبورھا۔[4]

ترجمہ: یہود پر اُن کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ اُن کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں۔[5]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۴۲ [2] ایضاً صفحہ ۹۷۵/۲ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۱ [4] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ کتاب الجنائز
[5] ارشاد الساری جلد صفحہ

http://mujahid.xtgem.com

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کرتے ہیں، ہم ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپ رو پڑے، لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا :۔

ترجمہ۔ ایک دن میں حضورؐ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرئی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آرہی تھی میں نے کہا، حضورؐ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں یہ دنیا ہے جو میرے سامنے متمثل ہو کر آئی ہے، میں نے اُسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا

یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپؐ نے عین بیداری میں دیکھے۔ آپؐ کے بعد بہت سے اولیاءؒ بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالمِ دنیا میں عالمِ برزخ کے نظارے دیکھے —— اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اُسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جا سکے۔ تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اُس عالم کی جھلک دیکھی ہے ؎

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود گاہ اُلجھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں

پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں ہوتے یہ وحیِ الٰہی کے پردے ہیں جن پہ حقائق و معارف اُترتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔

رؤیا الانبیاء وحی۔ (رواہ الترمذی)

(۱) —— حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پی رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اُس کی سیرابی کے اثرات دیکھے :۔

ثم اعطیت فضلی عمرؓ قالوا فما اولتہ یارسول اللہ قال العلم[۱]

ترجمہ۔ میں نے اپنا بچا دودھ عمرؓ کو دیا صحابہؓ نے پوچھا، حضورؐ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے، فرمایا —— علم

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۴ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲

http://mujahid.xtgem.com

(۲) ——— حضرت ابُو سعید خدریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے ان پر مختلف پیمائشوں کی قمیصیں تھیں :۔

ومرّ علی عمر بن الخطابؓ وعلیہ قمیص یجرہ قالوا ما اولت یارسول اللہ قال الدین۔[۱]

ترجمہ۔ اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ صحابہؓ نے پُوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ——— دین۔

(۳) ——— حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے۔ اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا۔ پھر اُسے ابُوبکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے، پھر ڈول بھاری ہونے لگا۔

فاخذھا عمر بن الخطابؓ فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع ابن الخطابؓ حتیٰ ضرب الناس بعطن۔[۲]

ترجمہ۔ پھر اسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا اور ڈول غرب تک کر دی جوان اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جس طرح خطاب کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوے تھے جو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دُنیا ان سے سیراب ہوگی۔ چونکہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خُدا سے مانگ کر لیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ خود حضورؐ کو مقامات عمرؓ دکھلا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

رأیت کان امرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت من المدینۃ حتیٰ قامت بمھیعہ وھی الجحفۃ فتاولتھا ان وباء المدینۃ نقل الیھا۔[۳]

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۶ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲ [۲] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۴۰
[۳] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۲ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مہیعہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ جحفہ ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی وبا وہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزائن دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی:

انفخهما — فنفختهما — فاولتهما الكذابين اللذين انا بينهما صاحب صنعاء وصاحب اليمامة۔[1]

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں۔ سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے ان سے دو کذاب (اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب) مراد سمجھے۔ میں اس سرزمین میں ہوں جو ان دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔

عملاً انہیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں پھونکا۔ یہ حضرت صدیق اکبر ؓ کی سعادت تھی کہ ارادۂ رسالت بلکہ ارادۂ الٰہیہ ان کے دست حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے ان کی خلافت کی صداقت تام آشکار ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خود بھی وحی تھا۔ پھر اس خواب میں وحی آنا ایک اور مرتبہ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہتے ہوئے عالم بیداری ہو یا عالم خواب، باطنی برزخی اور اخروی جلووں سے آشنا ہوتے اور آپ کے لیے عالم دنیا اور عالم برزخ کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۲ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲

http://mujahid.xtgem.com

جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخ کوائف سے نا آشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جاکر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں۔ جن کا کم ازکم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

عالمِ برزخ

قرآن کریم میں ہے:-

ومن ورآئھم برزخ الی یوم یبعثون (پ۱۸: المومنون ع۶ آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے ورے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ دور قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق[1] قائم ہوتا ہے۔ اس

---

[1] یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثارِ حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علیین یا سجین سے لاکر داخلِ بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے مستقر میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذراتِ بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی ہوتی ہے۔ "در قبر احیاء و اماتۃ حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بہ بدن تعلقی پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیہ ہمراہ آں نمی باشد" (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۳۸ نولکشور)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کی اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو قرب اور بُعدِ مکانی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۸۸ مطبع فاروقی دہلی) روح کا علاقہ بدن سے از راہِ نظر و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔ (تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۹۰ تحت آیت ثم اماتہ فاقبرہ)

http://mujahid.xtgem.com

ہیں دُنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں
آتی۔ یہاں کی زندگی کے لیے روح اور حیات میں تلازمہ[1] نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ
بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوم ہو جاتا ہے۔ قبر کی منزل[2]
اسی دور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک جہت سے مواطنِ دُنیوی سے بھی متعلق ہے
اور گنجائش ترقی رکھتا ہے[3]

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے۔ ۱۔ عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحتِ قبر یا عذابِ قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ ۲۔ شہداء عالم برزخ میں جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ اُن کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور اُن کے ابدان میں آثارِ حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک

---

[1] الحیاۃ فی اللغۃ شیٔ مغائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ و زعم بعض الناس انہ نفس الحیوۃ ولیس کذلک ففی النصوص ذکر الحیوۃ ولیست روحًا و اطلاقات الروح فی عقیدۃ السفارینی جلد ۲ صد ۲۹ تحیۃ الاسلام ص۳۶ ان ملازمۃ الحیوۃ للروح امر عادی لا عقلی فہذا مما یجوزہ العقل (شفاء السقام ص۱۵۹)

[2] عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت ہے۔ بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں میلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادہ سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں پس حقیقتِ قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے۔ اس کی برزخی وسعت و ضیق کو ربّ العزت ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ اس ظاہر قبر کو حقیقت قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغائر چیز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[3] دیکھیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ دفتر ۲ م۱۲ م۲۹ لکھنؤ

http://mujahid.xtgem.com

حسی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے اور ان کے زندوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوا۔ اُن کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشراف و اشراق سے اس میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالمِ برزخ کے لیے دُنیوی تجربے کی قریب ترین تعبیر

عالمِ برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالمِ برزخ کا پُورا نقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پُورا واضح کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے، وہ لسانِ شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سوال وجواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں :-

فیقال نم صالحًا قد علمنا ان کنت لموقنا به[1]

ترجمہ۔ اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو۔ ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالمِ خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہو آتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں، وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے عالمِ برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالمِ برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں۔ محدثین لکھتے ہیں :-

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۹

http://mujahid.xtgem.com

تضییق القبر واختلاف الاضلاع حقیق لا انه مجاز[1]

ترجمہ: قبر کا سمٹنا (تنگ ہونا) اور پسلیوں کا آپس میں ٹکرانا یہ حقیقت ہے کوئی مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جاسکتی ہے۔ اصحاب کہف مدتوں نیند میں رہے اور حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں سے اُٹھے، دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ بعثنایوما او بعض یوم۔ برزخی زندگی میں نیند کی سی ایک کیفیت ہے اور اعمال برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ ہے۔ اس حال سے گزرنے والے اسے نیند ہی سمجھتے ہیں۔

قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ھٰذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔ (پ ۲۳؛ یٰسین: آیت ۵۲)

ترجمہ: کہیں گے خرابی ہماری، کس نے اُٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے۔ یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی ایک دورِ برزخ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔ (پ ۲۴؛ الزمر: آیت ۴۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے۔ توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لیے یہاں نہیں لوٹتی اور نیند والے کے لوٹ آتی ہے امساک و ارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رض

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۰۸

http://mujahid.xtgem.com

روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

النوم اخوالموت[1] (نیند موت کی بہن ہے)۔

سوال یہ ہے کہ جب عالمِ برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من مرقدنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا —— اور دوسری طرف ہے:۔

النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا۔ (پ۲۴: المومن: آیت ۴۶)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دنیوی اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں۔ کہیں عذاب کے منظر دکھائے جارہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر۔ برزخ کو ایک نیند کر کے سمجھا جارہا ہے یا ہو سکتا ہے، یہ نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر، جو نہ سمجھ میں آئے اُسے لاتشعرون کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وفیہ السداد وفیہ السلامۃ۔

حضورؐ سے پوچھا گیا۔ اینام اھل الجنۃ، کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپؐ نے فرمایا۔ لاینامون کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب و خیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

---

[1] رواہ البیہقی کما فی الجامع الصغیر صفحہ ۲۳۳ السراج المنیر جلد ۴ صفحہ ۳۶

http://mujahid.xtgem.com

رؤیا الانبیاء وحی۔ (انبیاء کا خواب بھی وحی ہے)[1]
یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے مجال ہے کہ اس میں کوئی دخلِ شیطانی ہو اور عملاً یہ حکم ہے بچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اُسے قربان کرنے نے نکلیں گے لیکن ہر کسی کا خواب اس درجے کا نہیں۔ انسان کو احتلام دخلِ شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا۔[2]
جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔
یہاں اصل موضوع موتِ انبیاء نہیں، اس کی بحث حیاۃ الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پُوری طرح شیشے میں اُتار سکیں۔ جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے۔

عالمِ آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے، جسے قرآن کریم "دار القرار" کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے جنت اور جہنم اسی دُنیا کے دو مختلف نقشے ہیں یہی زندگی "ابقیٰ" ہے۔ (پ۳۰ اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔
ان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ (پ۲۱، العنکبوت)
یہ چاروں ادوار بالترتیب چلتے ہیں اور صفاتِ مختلفہ رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔
فلھٰذہ الانفس اربع دور کل دار اعظم من التی قبلھا۔[3]
ترجمہ۔ سو ان جانوں کے لیے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱۲ لکھنو [2] پنجاب کے جھُوٹے مدعیٔ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔ (سیرت المہدی حصہ صفحہ) [3] کتاب الروح صفحہ ۱۴۴

http://mujahid.xtgem.com

عالمِ ارواح سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے سارے کرشمے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالمِ برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی انتہا نہیں۔ ہر سو اللہ رب العزت کی قدرت کے جلوے ہیں اور آخرت کی مدت لامتناہی ہے۔ ہر طرف خالدین فیہا کی صدائیں ہیں۔ یہاں آکر گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہوگا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے۔

ان الدار الاٰخرة لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ (پ۲۱ العنکبوت آیت ۶۴)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیاتِ برزخ کی ہی تکمیل و تمام ہے۔ عالمِ برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالمِ آخرت میں آکر کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح عود کر آئی جس طرح عالمِ دنیا میں تھی۔ سو جن آیات اور روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا لوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہاں میں پہلے جہان والے پکڑے کیوں جائیں۔

عالمِ برزخ میں ہر ایک کی پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالمِ آخرت میں تمام افرادِ انسان مختلف انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالمِ برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی تو سپردِ برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات کے گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

واعلم انّه لیس عالم القبر الّا من بقایا ھٰذا العالم وانما تترشح ھنالک العلوم من ورآء حجاب وانما تظھر احکام النفوس المختصة بفرد دون فرد بخلاف لحوادث الحشریة فانما تظھر علیھا وھی فانیة

من احکامها الخاصۃ بفرد فرد باقیۃ باحکام الصورۃ الانسانیۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور سمجھ لیجئے کہ عالمِ قبر اس عالمِ دُنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس میں پردۂ غیب کے پیچھے سے علوم اُترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف حشر کے حالات کے۔ یہ وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالمِ برزخ اور آخرت میں فرق کھُل کر سامنے آگیا۔ برزخ میں روح و بدن کا علاقہ مخفی ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر —— برزخ میں احکام فرداً فرداً اُترتے ہیں۔ آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف انواع میں منقسم ہوگی —— یہ بات اصُولی ہے کہ عالمِ برزخ ایک پہلو سے اس دُنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ عالمِ آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیاتِ برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی۔ جس میں روح و بدن کھُلے طور پر اور کامل طور پر یکجا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالمِ برزخ میں روح کا بدن سے کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلقِ توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ آگے جا کر لکھتے ہیں :-

فاعلم ان حشر الاجساد واعادۃ الارواح الیہا لیست حیاۃ مستأنفۃ انما تتمۃ النشأۃ المتقدمۃ بمنزلۃ التخمۃ لکثرۃ الاکل کیف ولو لا ذٰلک لکانوا غیر الاولین ولما اخذوا بما فعلوا۔[2]

ترجمہ جان لو کہ حشرِ اجساد اور جسموں میں روحوں کا دوبارہ لوٹنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گزری زندگی کا ہی ایک تتمہ ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو بعد کے اجسام پہلوں سے کلیۃً مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مواخذہ نہ ہو سکتا۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۶ مترجم ص ۱ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۷

http://mujahid.xtgem.com

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس انسانی رکھتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموع کو ہی نفس انسانی کہتے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں۔

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفسِ انسانی کہلاتا ہے۔ اس نفسِ انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک دُنیا جو دارالعمل ہے۔ ایک آخرت، جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

(۱) دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات قبول کرتی ہے۔

(۲) برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے۔ جسم اس کے تابع ہو کر اس کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے، خواہ وہ اپنی ہیئت پہ ہو، یا بکھر جائے۔

(۳) اور آخرت میں روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعیم و جحیم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متألم ہوتا ہے اور مدارات آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دُنیا کی

http://mujahid.xtgem.com

معلومات سے بھی حسب حیثیت و مرتبہ مستفید ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اعمالِ خیر یعنی دعاء ایصالِ ثواب، افاضۂ باطنی اس تک پہنچتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اوس کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا ہے۔[1] پھر خود بھی اسی قسم کے تصرف دعاء اور ہمتِ باطن سے افاضۂ انوار و کیفیات حتیٰ کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لیے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالمِ دُنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق بہ نسبت آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے، کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالم برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہیئت بدن ہو یا بہیئتِ ذرات لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم اور مستقر نہیں چہ جائیکہ خود نفس قائم ہو، یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالمِ آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرا دی جائے یا مشاہدہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کلفتوں سے متلذذ اور متالم بھی ہو لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزیں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لیے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جز وقتی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا ½ حصہ (بدن) مقیم ہے خواہ اپنی ہیئت پر یا بصورتِ ذرات۔ خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

---

[1] عالم برزخ از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

http://mujahid.xtgem.com

اہلِ برزخ کی دُنیا سے اور اہلِ دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہلِ دنیا سے اور اہلِ دنیا برزخی افراد سے ملنے، زیارت کرنے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ واقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالفاظِ دیگر میں اپنے احوال و متعلقات ان تک پہنچادوں۔ جیسے بنصِ قرآنی شہداء حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں[1] کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر ہمارے دنیوی بھائیوں تک پہنچادی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دُنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے بنصِ حدیث نبوی مرنے کے بعد روح کے عالمِ برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ واقارب اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آرہا ہے۔

بہرحال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بنا پر ہے کہ برزخ کا دُنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے۔ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے۔ اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

---

[1] وَیَستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم۔ (پ۴ آلِ عمران آیت ۱۷۰ تفسیر عثمانی صفحہ ۹۲)

http://mujahid.xtgem.com

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتاً ان میں ڈال دی ہے تو رحمی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات اور احوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل و طرق کیا ہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارسا ذہن کی رسائی ہوئی پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات اور احوال کا فی الجملہ علم ہو سکتا ہے۔

1. ایک عینی مشاہدہ۔
2. دوسرے مخبر صادق کی خبر
3. تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
4. چوتھے انکشاف قلبی۔
5. پانچویں قیاس و استنباط

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے محققوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات

http://mujahid.xtgem.com

سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی۔ دوسرا کشف باطنی۔ تیسرا رویائے صادقہ۔ چوتھا عبرت واعتبار۔ پانچواں عیان ومشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس وناکس کا ہے

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موہبت من اللہ ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ورسولؐ برزخ کے بارے میں خود خبریں دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیاتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیاتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ ورسول اسے جنت، یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضورؐ نے فرمایا ھکذا نبعث ہم اسی طرح گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے حد خوش وخرم نظر آرہے تھے۔ چہرہ انتہائی بشاش اور امنگوں سے پُر محسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق وخوشی سے لبریز آواز میں فرمایا۔ غدا نلقی محمدا واصحابہٗ (کل کو انشاء اللہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے) آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس وتخمین سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوشِ ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر تعبدی ہے عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے گا کہ اس برزخی مقام کی حضورؐ ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس درجہ کامل وثوق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین حالی تھا۔ اس لیے اس اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاتی مقام کہیں گے۔ اس سے ہی ایک برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ ورسول کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد واشخاص کا تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتے ہیں اور بعضِ حدیث انہیں سبز پرندوں کے خول دیئے جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں باغوں اور نہروں سے منتفع ہونے کی آزادی ہوگی۔ لیکن جنت اس وقت ان کا قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جو عرش میں آویزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں

http://mujahid.xtgem.com

پیدا کریں گی۔ؔ

مزید اکرام و تنشیط کے لیے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا، اس لیے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لیے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو جس پر ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرما دیا گیا کہ :-

تحشرون کما تموتون و تموتون کما تحیون۔

"تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے"

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لیے (جو موت سے شروع ہو کر یوم حشر پر ختم ہوتا ہے) دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے۔ پس اُخروی مقام کے لیے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لیے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعارف انسانوں کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے

لہ وہاں سے ان ارواح کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جا سکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو، یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الٰہی کی نوعیت معلوم کرو۔ پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گواہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو۔ پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا۔ خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ جنت واجب ہو گئی اور علتِ وجوب یہ فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمۂ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا۔ لہٰذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت برا آدمی تھا خس کم جہاں پاک۔ اسی طرح آخرت میں بھی بحق اقوام اس امت کی شہادت معتبر ہو گی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوحؑ کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکورہ سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیاتی ہے ایک

http://mujahid.xtgem.com

طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کا فی الجملہ اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے۔ مثلاً شخصی طور پر کسی کے لیے یا اس کے مقام کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجۂ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال و تفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لیے ایک ایک عمل کو تشخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔[1]

عالمِ برزخ کی تفصیل اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ وسعتوں کا اندازہ کر سکیں تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالمِ برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الٰہی حکمت کے ہزاروں پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالمِ آخرت ہے۔ جس میں ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا اور ملنا ملانا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالمِ ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالمِ دنیا ہو یا عالمِ برزخ یا عالمِ آخرت نفسِ انسانی سے قائم ہیں صرف عالمِ ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لیے اسے عالمِ ارواح کہتے ہیں۔ باقی تینوں جہان روح و بدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ وہاں مستقل طور پر دار القرار صرف عالمِ آخرت ہے۔ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔

---

[1] عالمِ برزخ ص۱۳۱ تالیف حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ طبع لاہور

http://mujahid.xtgem.com

اگر آپ دنیوی حیات کے لفظ سے بدکتے ہیں تو لیجیے اس کی بھی تفصیل سُن لیں۔ ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگلے جہان (عالمِ برزخ) میں زندہ مانتے ہیں۔ انتقالِ دارین ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اِس عالم کے افراد نہیں، اُس جہان کے رہنے والے ہیں۔

اگر کہیں ان نفوسِ قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالمِ برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقاء ہے اور ان کی وفات سے ان کے عمل کا ارتقاء رکا نہیں۔

سو ان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں۔ ظرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذابِ قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لیے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہونا ضروری نہیں۔ جس طرح وہ زندگی پردے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت وحیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوتی جو اسم موت کو کلیۃً اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی رہے کہ عام نگاہیں تو اسے نہ پا سکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم و اَلم کا ادراک ہو سکے قبر میں نعیم و اَلم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک عجیب نوع ہے جو ظاہراً پردے میں ہوتی ہے اسی لیے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادی لکھتے ہیں:۔

ان هذه الاعادة ليست مستلزمة لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية والحياة جنس تحته انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لاينافي الحياة [illegible]

یہ شہداء اور انبیاء کے لیے اس حیاۃ برزخی میں آنے سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان کے لیے موت صرف اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دُنیا سے نکلے اور عالمِ برزخ میں پہنچے اس کے بعد انکے لیے موت نہیں نہ انہیں مردہ کہو نہ مردہ سمجھو۔

http://mujahid.xtgem.com

اسلام کا عقیدۂ برزخ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالمِ دُنیا اور عالمِ آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے یہ عالمِ برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں۔ اس میں بھی انسان اپنے دُنیا کے بُرے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بڑے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں پھر دو احتمال ہیں۔ دُنیا کے مصائب و آفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالمِ برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذابِ قبر مراد لیتے ہیں۔ جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذابِ اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے۔ بدن جس حال میں ہو دیکھا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا ذراتِ منتشرہ کی صورت میں) اس عذابِ ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دُنیا کی زندگی ایک کھُلی کتاب ہے۔ ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے۔ یہ ہر کسی کے لیے مُدرک اور مُشاہَد ہے۔ آخرت کی زندگی بھی کھُلی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہلِ نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دُنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ پردہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عربی میں برزخ کہتے ہیں۔ یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے۔ یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان از خود اسے سُن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لیے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابو عبداللہ القرطبی (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں۔

فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و

http://mujahid.xtgem.com

اسماعهم من الجن والانس عن رؤية عذاب القبر ونعيمه الحكمة الٰهية ومن شك فی ذٰلك فهو ملحد[1]

ترجمہ۔ اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے۔ احادیث صحیحہ صراحت سے یہی بتلا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے (گمراہ ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے برزخی زندگی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کا ادراک و احساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ونحن لا نشعر به كما انا نحسب المغنی علیه میتا وكذٰلك یضیق علیه الجو كضمة القبر ولا نشعر بشیء من ذٰلك من خالط الایمان قلبه[2]

ترجمہ۔ اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پہ لٹکا ہو) اور یہ اس کے لیے ضمۃ القبر (قبر کا دباؤ) ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی بھی لکھتے ہیں:۔

روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ

---

[1] مختصر التذکرہ ص۳۶ للشعرانی طبع مصر [2] شرح الصدور ص۵۹ مصر

http://mujahid.xtgem.com

پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔[1]

دُنیا اور آخرت کے درمیان یہ برزخی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پردے کے پیچھے ہیں۔ دُنیوی زندگی، برزخی زندگی اور اُخروی زندگی۔ یہ تین دوائرِ حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں برزخ میں یہ ربط اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم نصوصِ شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

(۱) قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تین دفعہ سلامتی کی دُعا کی گئی ہے

(۱) پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔

(۲) وفات کے دن (یہ سلامتی پوری برزخی زندگی کو شامل ہے)۔

(۳) جس دن آپ قبر سے زندہ اُٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اُخروی زندگی کو محیط ہوگی۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے:۔

وسلامٌ علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیّاہ

(پ ۱۶۔ سورۂ مریم آیت ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لیے نہیں۔ پوری دنیوی زندگی کے لیے ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی برزخی زندگی کے لیے مانگی گئی۔ وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں تو یہ سلامتی کی دُعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لیے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پردے میں ہے۔ ہاں کھلی زندگی اسے آپ اس وقت اُٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اُٹھنا ہے۔ ان تینوں زندگیوں میں روح و بدن دونوں کے لیے سلامتی کی طلب ہے۔

---

[1] المصالح العقلیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۸

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے۔

والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا۔

(پ ۱۶ : مریم آیت ۳۳)

ترجمہ۔ سلامتی مجھ پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب میں مروں اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں تین مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایام ثلثہ ہیں یا مراد مواطن ثلثہ ہیں

یہاں صرف یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم بعث مراد نہیں، مراد مواطن ثلثہ ہیں اور انسان ان تینوں میں اللہ رب العزت سے سلامتی کا طالب ہے۔ محققین نے یہاں مواطن ثلثہ ہی مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر لکھتے ہیں۔

فخص اللہ تعالیٰ یحییٰ بالکرامۃ والسلامۃ فی المواطن الثلثۃ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۷۰۲ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطن ثلثہ مراد ہیں۔

وذلک السلام الموجہ الی یحییٰ فی المواطن الثلثۃ۔[2]

آئیے اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔

---

[1] زاد المسیر جلد ۵ صفحہ ۲۱۵ [2] مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۲۲

http://mujahid.xtgem.com

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) یوم ولادت سے پوری دنیا کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار ہے۔ ویوم اموت سے پوری قبر کی مدت مراد ہے اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور یوم ابعث حیا سے بھی آخرت کی پوری زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی ابتداء یوم ولادت، وفات اور یوم بعث سے اس لیے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان بہت کمزور، بے بس اور نہایت مضمحل ہوتا ہے۔ پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وجاء فی المواطن التی الانسان فیہ فی غایۃ الضعف والحاجۃ۔[1]

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:

یوم ولدت یعنی فی الدنیا ویوم اموت یعنی فی القبر ویوم ابعث یعنی فی الآخرۃ۔

اور حاصل اس دعا کا لکھتے ہیں:

فسلم فی احوالہ کلہا۔[2]

کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایام ثلثہ مراد نہیں لیتے۔ ان مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یوم اموت سے کل برزخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن۔ آپ لکھتے ہیں:

اعظم احوال الانسان احتیاجا الی السلامۃ ھی ھذہ الاحوال الثلثۃ... فجمیع الاحوال یحتاج فیہا الی السلامۃ واجتماع السعادۃ من قبلہ تعالٰی طلبہا لیکون مصونا عن الآفات والمخافات فی کل من الاحوال۔[3]

---

[1] الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۱ صفحہ ۸۸ [2] تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۵ [3] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۱۶

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ انسان کے سب سے زیادہ حاجتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں.....
سو تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یوم اموت کو صرف یوم وفات سے خاص نہیں کرتے اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور والسلام علیّ (مجھ پر سلامتی ہو) سے ایک نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی تھی — یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل رہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمیة للدلالة علی الاستمرار[1]

صاحب روح المعانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں:۔

نعدل الی الاسمیة لارادة الدوام والثبوت.[2]

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلام کی طلب عذاب قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔[3]

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض جماد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں اپنی قبر میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جماد بے جان ہوتا تو اس دور کے لیے اللہ سے سلامتی کی طلب نہ ہوتی۔

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۶ ص ۹۴ [2] روح المعانی جلد ۱۶ ص ۷۴، [3] دیکھیے تفسیر خازن جلد ۳ ص ۲۱۷

http://mujahid.xtgem.com

قبر میں سلام سے مراد عذاب قبر سے سلامتی ہے یا سلام تحیۃ بھی مراد ہو سکتا ہے

علامہ طبری (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوالِ قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے. لیکن انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے لیے اس سلام سے مراد سلام تحیۃ ہے. ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلام تحیۃ کہتے ہیں۔ اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا (پ النساع ۴) میں السلام علیکم کہنے کو سلام تحیۃ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلام تحیۃ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے موطن وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلام تحیۃ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبور میں محض جماد یا پتھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو گو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلام تحیۃ برابر اُترتا ہو اور امت کا سلام بھی اُن پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (ھ) کہتے ہیں:۔

والاظهر عندی انها التحية المتعارفة فهی اشرف وانبه من الامان لان الامان متحصل بنفی العصيان عنه وهی اقل درجاته وانما الشرف فی ان سلم الله تعالیٰ عليه[1]

ترجمہ: میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلام تحیۃ مراد ہے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ہی اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر اپنا سلام (تحیۃ) بھیجے۔

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۸۸ روح المعانی جلد ۱۶ صفحہ ۷۴

http://mujahid.xtgem.com

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری اُخروی زندگی خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اور اُن پہ بے شک یہ سلام تحیۃ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پہ پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جماد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں رہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے ہے یا یہ کسی اور درجے کا نام ہے جس پہ یہ اکرام و شرف اُترتا ہے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت[1]

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پہ کیسے پیش کیا جائے جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پہ صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے ہیں۔ یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پردے میں ہوتی ہے اس لیے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر یہ برزخ چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لیے اسے ایک پہلو سے دُنیوی زندگی بھی کہتے ہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹

http://mujahid.xtgem.com

② قیامت سے پہلے آلِ فرعون کا عذاب

آلِ فرعون کی غرقابی ایک بُری طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذاب قبر ہے۔ آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

وحاق بآل فرعون سوء العذاب ۝ النّار یعرضون علیہا غدوًّا وعشیًّا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشدّ العذاب۔

(پ ۲۴ : المومن آیت ۴۶)

ترجمہ۔ اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب۔ وہ آگ ہے جس پر وہ پیش کئے جاتے ہیں صبح و شام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون والوں کو سخت در عذاب میں۔

فرعونیوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ ڈوبے تو یہ دوسری زندگی شروع ہوگئی۔ یہ سوء العذاب ان پہ اترا۔ اس میں صبح و شام وہ آگ پہ پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آلِ فرعون کو اس بڑے عذاب میں ڈالو۔ یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی۔ بڑے عذاب میں داخلہ قیامت کو ہے۔ اس آیت میں سوء العذاب اور اشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وھٰذہ الآیۃ اصل کبیر فی استدلال اھل السنۃ علیٰ عذاب البرزخ فی القبور۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بڑی اساس ہے کہ قبروں میں عذاب برزخ ضرور ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۱

http://mujahid.xtgem.com

(۳) دُنیوی پکڑ کے متصل عذابِ اُخروی

قومِ نوح اپنی غرقابی سے اپنی برزخی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ آگ میں داخلہ غرق ہونے کے معاً بعد ہوا۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کیئے جائیں گے یہ اُن کا اشدالعذاب میں داخلہ ہوگا۔

مما خطیئتھم اغرقوا فادخلوا نارًا۔ (پ ۲۹ : نوح آیت ۲۵)

ترجمہ۔ وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔
بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔[1]

(۴) انسانی زندگی کے تین دور

منہا خلقنٰکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃً اخریٰ۔

(پ ۱۶ : طٰہٰ آیت ۵۵)

ترجمہ۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

فیہا نعیدکم سے مراد قبر میں جانا ہے۔ قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو یا جہاں جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جلے ہوئے انسان کے ذراتِ منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں باریک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوالِ قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبورِ ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قبریں جن میں ہم ظاہراً دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

---

[1] تفسیر عثمانی صد ۷۴۲

http://mujahid.xtgem.com

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اُتار دو تو یہی سمجھو کہ یہی فیہا نعید کم کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ بحسب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی [1]

قبر میں لوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہنا ہے یا وہاں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہیں جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے؟ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک [2]

ترجمہ: پس اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں (تیرے عقیدے میں) تیرا رب کون ہے؟

علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث احادیث کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمالیں:۔

روی الامام احمد و ابوداؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [3]

ترجمہ: امام احمد اور امام ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے۔

ضلع مظفر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں:۔

ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال۔ [4]

---

[1] المصالح العقلیہ صـ ۲۲۶ [2] مسند امام احمد جلد ۴ صـ ۲۸۷ سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ ۲۹۸
[3] مختصر تذکرہ القرطبی صـ ۳۴ [4] نبراس علی شرح العقائد صـ ۳۲۲

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا میت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے۔ روح تو کروٹیں نہیں لیتی۔ سو یہ قبر میں ہونے والے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں مُردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لیے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مدرک اور مشاہد نہ ہو۔

حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح والنفس میں حدیث براءؓ نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے[1] کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے۔

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔

(پ ۱۶ : طٰہٰ : آیت ۵۵)

حضورؐ کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

فیہا نعیدکم میں قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا۔ یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لیے ٹھہرنا ہے۔

⑤ سوالاتِ اُخروی میں ثابت قدمی کی بشارت

یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ و یضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ مایشآء۔ (پ ۱۳ : ابراہیم آیت ۲۷)

---

[1] کتاب الروح ص۴۷

ترجمہ۔ اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو، قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچلا (راہ بھلا) دیتا ہے بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دنیا سے نکل چکا لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے ——— اور اس برزخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں ٹھہرائی جائیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے۔ حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے:۔

ان القبر اول منازل الآخرۃ[1]

ترجمہ۔ بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

سلف سے دونوں قسم کے اقوال (کہ برزخ کو ادھر شمار کرو یا ادھر) منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو ہر موقعہ پر یہی کلمہ توحید اُن کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۷ و احوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرۃ فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۹ [2] تفسیر عثمانی ص ۳۴۵

http://mujahid.xtgem.com

فرماتے ہیں۔ ان رسول اللہ قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الٰہ الا اللہ[1] ۔۔۔ الخ

تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی حدیثیں منقول ہیں ۔۔۔۔۔ ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیتِ مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر لی ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہوکر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیثِ متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں[2]۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتیٔ اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں تو پھر مفتیوں نے عذابِ قبر کے منکر پر کفر کا فتوےٰ کیوں نہیں دیا؟ —— جواب یہ ہے کہ علمائے محققین کا فتوےٰ یہی ہے۔ محقق ابو شکور السالمی کتاب التمہید میں لکھتے ہیں:۔

فلما عذاب القبر للمومنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوًا و عشیًا یعنی فرعون و قومہ دل انہ کان صحیحًا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرًا[3]

ترجمہ: پس جب مومنین کے لیے عذابِ قبر جائز ہے اور کافروں کے لیے واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ عذابِ قبر حق ہے کہاں ہو اور کس حال میں ہو اور جو اسکا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۲ [2] تفسیر معارف القرآن جلد ۵ ص ۲۳۶ [3] کتاب التمہید ص ۱۲۵ طبع ہندی

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) جو بقول علامہ شامیؒ مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے، لکھتے ہیں :۔

ولا تجوز الصلوٰة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين لانه كافر لتوارث هذه الامور عن الشارع صلى الله عليه وسلم۔[1]

ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا منکر ہو یا کرام کاتبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ عام سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تواتر کا حکم رکھتی ہے :۔

عذاب القبور کان ثابتا بالاحادیث المشهورة التی یبلغ الحد المشترک منها مبلغ التواتر وکان السلف الصالح متفقین علی ذلک قبل ظهور المخالفین۔[2]

ترجمہ۔ عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تواتر کو پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال و جواب کے لیے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی نہیں دیکھا نہایت بے تکی بات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اُس جہان کی واردات کو دیکھنا اور انہیں اِس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ مصر [2] تنقیح اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

http://mujahid.xtgem.com

وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کائناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے۔[1]

آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر جھجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجساد کی بجائے حشر روحانی اور عذاب و ثواب جسمانی مر روحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔[2]

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم برزخ اور اس کی کیفیات کا انکار کرے تو ویضل اللہ الظّٰلمین کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے ——— اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا

---

[1] معارف القرآن جلد ۵ صـ ۲۳۷ [2] ایضاً جلد ۱ صـ ۳۵۲

http://mujahid.xtgem.com

ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الہون ہو گا۔ اس سے زیادہ رُسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی میں آگھرے۔

⑥ مرنے کے ساتھ ہی عذاب الہون کا سامنا

ولو ترىٰ اذ الظالمون فى غمرات الموت والملٰئكة باسطوا ايديهم اخرجوا انفسكم اليوم عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن اياته تستكبرون ○ ولقد جئتمونا فرادىٰ كما خلقناكم اول مرة۔ (پ الانعام ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس حال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔ تمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ پہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تمہارا اس کی آیات کو جھٹلانا از راہ تکبر تھا اور اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (ایک ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری برزخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی۔ حشر کے ساتھ ہوگی۔ وہاں اگلے پچھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس سے پہلے کی حاضری ہے ـــــ اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گھیرے میں لے گا۔ یہ عذاب برزخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات برزخ کے انکار کے لیے بے محل آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تقولون على الله غير الحق کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا ان کی یہ ضد از راہ تکبر نہیں ہے۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

ایک پیرِ طریقت کو ہم نے اس برزخی منزل کے انکار پہ یہ آیت پڑھتے خود سنا۔

ثم انشأنٰہ خلقاً اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ۝ ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون ۝ ثم انکم یوم القیٰمۃ تبعثون ۝

(پ ۱۸: المومنون ع ۱)

ترجمہ۔ پھر ہم نے اُسے اُٹھا کھڑا کیا ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر تم اس کے بعد مرو گے پھر تم قیامت کے دن ہی اُٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیرِ طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اُٹھنے کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی۔ کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق۔ تم اللہ رب العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں — قرآن کریم میں جب مرتے ہی عذاب الھون کی ایک زندگی کی خبر ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے۔ ثم انکم یوم القیٰمۃ تبعثون میں اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اُٹھائے جاؤ گے اور تمہارا حشر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی برزخی حیات کا انکار ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیرِ طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لیے ہی بار بار پڑھ رہے تھے۔ جس میں کئی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کا انکار ہو رہا تھا۔ مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

؎ وھل افسد الدین الا الملوک
واحبار سوء ورھبانھا

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

⑦ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

ولو ترٰی اذ یتوفی الذین کفروا الملٰئکۃ یضربون وجوھھم
وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق ٥ ذلک بما قدمت ایدیکم
ان اللہ لیس بظلام للعبید ٥ (پ۱۰ الانفال ع۷)

ترجمہ۔ اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو مارتے ہیں اُن کے منہ پہ (تھپیڑ) اور ان کی پیٹھ پہ (کوڑے) اور کہتے ہیں چکھو عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پہ۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پہ لکھتے ہیں:۔

یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھنا ......
الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرۃ کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے[1]

کیا یہاں کھلے طور پہ ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں۔

۱۔ دُنیا ۲۔ برزخ ۳۔ آخرت

یہ آیت بتلاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہو گئی اور عذاب اُترنے لگا قبر میں جانے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں ؟ بدن کے مختلف حصوں پہ ـــــ سو یہ روحانی عذاب

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۲۳۷

http://mujahid.xtgem.com

کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے یعذبون ـــ وجوھھم و ادبارھم اور ہم کہیں یہ صرف روحانی عذاب ہے جسمانی نہیں ـــ کیا قرآن کریم کی بات جھٹلائی جا سکتی ہے؟ نہیں ـــــــ ومن اصدق من اللہ قیلا۔

برزخ کا جسمانی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سُن نہ سکیں۔ یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے۔ مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے اُن پہ ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو اُن پہ تعجب نہ کرنا چاہیئے انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کا لطف لیں اور یہی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے۔

ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ھدیً للمتقین الذین یؤمنون بالغیب

(پ ۱ : آیت اوّل)

ترجمہ۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لاتے ہیں بن دیکھے۔

⑧ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

حتّٰی اذا جآء احدھم الموت قال رب ارجعون ۔ لعلّی اعمل صالحًا فیما ترکت کلاّ ۔ انہا کلمۃ ھو قائلہا ومن ورآئھم برزخ الیٰ یوم یبعثون ۔ (پ ۱۸ : المومنون۔ آیت ۱۰۰ ع ۶)

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی پر موت تو کہے گا اے رب! مجھے واپس بھیج دو۔ شاید میں کچھ بھلے کام کر لوں جو میں چھوڑ آیا تھا ـــ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہوگا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اُٹھائے جائیں گے۔

شیخ الاسلام ؒ لکھتے ہیں :۔

http://mujahid.xtgem.com

عالمِ برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ وہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزا قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔[1]

دُنیا ـــ برزخ ـــ آخرت۔ یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات، احساسات اور لوازمات میں فرق ہو سکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ امتدادِ قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتا ہے۔ کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ حاکیاً من لسان عیسیٰ ابن مریم والسلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیّا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رح لکھتے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں۔ دُنیا۔ برزخ اور دارِ قرار ـــ اور ہر مقام کے لیے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دُنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کو تابع کیا۔ اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور اندا موں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا۔[ع]

۲۔ اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۵۲۴

[ع] جسموں کو روح سے لاتعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا۔ یہ ہے مولانا تھانوی رح کا عقیدہ۔

http://mujahid.xtgem.com

ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔

۳۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی[1]

۴۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہیئے۔ اس حیثیت سے لینا چاہیئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے[2]

۵۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے وہاں استقرار ہو یا سیر۔ اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے[3]

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدنِ مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی ؒ لکھتے ہیں:۔

ان ارواح کو ایک ملاقہ اپنی قبر سے ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ روح کو قرب و بعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا[4]

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیات انسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہو گی۔

---

[1] المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۲۱۷ [2] ایضاً ص۲۲۶ [3] ایضاً ص۲۲۷ [4] تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۸۸ دہلی۔

http://mujahid.xtgem.com

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حیات انسانی صرف عالم ارواح میں بدن سے متعلق نہیں، دنیا، برزخ اور آخرت تینوں جہانوں میں یہ بدن سے متعلق ہے۔ ارشاد قرآنی والسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا آپ کے سامنے ہے۔ ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے؟۔ بدن سے۔ ولادت بھی بدن سے۔ موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت، موت اور بعثت کے بعد کی زندگیاں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان نے جس بدن سے عبادت یا معصیت کی ہے۔ عالم برزخ اور عالم آخرت کی راحت اور کلفت اسی بدن کے تعلق سے ہو۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی جہان میں بدن کے احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک سی ہو جائے۔[1]

عذاب برزخ اور عذاب آخرت

یہاں ہم عالم برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآن کریم کی آٹھ آیات سے ہم نے عالم برزخ ثابت کیا ہے۔ یہ ایک جہان ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام اس میں اور عالم آخرت میں قدر مشترک وہ نعیم و عذاب ہے جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کیے گئے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا۔ یہ پہلا عذاب، عذاب ادنیٰ ہے تو دوسرا عذاب اکبر، یہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

آخرت کے نعیم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس کے تعلق سے انسان گناہ کرتا رہا اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس سے انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا۔ آخرت کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے انہی ریزہ ریزہ ہوئے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذاب برزخ اور نعیم برزخ بھی جب انہی دنیا میں کیے گئے اعمال کی ایک چھوٹے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدن سے ضرور متعلق ہو جس سے انسان نے کوئی نیکی یا کوئی گناہ کیا تھا جس اصول کی بنا پر آخرت میں یہ عنصری بدن مصرد لطف و بطش ہوگا۔ اسی اصول پر عالم برزخ میں عذاب قبر اس بدن سے متعلق چاہیے جس سے انسان نے گناہ کیے ہیں۔

قرآن کریم سے عالم برزخ کا نشان اور عذاب قبر کا پتہ ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں۔ آئیے آپ کو احادیث سے بھی اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

---

[1] کما یشیر الیہ قول العارف الجامی ان الحشر یتساوی فیہ الحکمان فافہم

http://mujahid.xtgem.com

عذابِ قبر محدّثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشادات نبوت ہیں بیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیاتِ برزخ کی خبر دی گئی ہے. مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلک محدثین کی وضاحت کردی جائے. تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکامِ میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنّت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے.

امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں. ائمہ صحاح ستہ میں فقہی وقتِ نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے. آپ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں. آپ نے معتزلہ کرامیہ. جبریہ. قدریہ اور شیعہ و خوارج کے بالمقابل عقائد اہل سنّت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے. آپ اس میں یہ باب لائے ہیں :-

فی المسئلۃ فی القبر و عذاب القبر۔

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تولے جائیں گے) پھر دجال کے ظہور کا باب ہے. یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے مابین اختلافی مسائل تھے. معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذاب قبر کے امام ابو داؤد نے عذابِ قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے. اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنّت میں سے نہیں.

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفۃ المنافقین واحکامھم اور کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا کے تحت اثبات عذاب القبر کو لائے ہیں. باب باندھنے والے نے گو یہاں دو بڑے باب

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

باندھے ہیں لیکن آخری باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت اور باب لن یدخل احد الجنۃ بعملہ بل برحمۃ اللہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث ایک ہے اور کتاب صفۃ المنافقین کے تحت ہے اور وہی عالم برزخ میں میت کو (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں۔ صحیح مسلم کا باب[1] عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ بتا رہا ہے کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے۔ اسے محض ایک انکشاف یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر حجت تمام کی ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم میں کتاب الفتن ہے۔[1]

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعوذ من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپ نے اسی میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے الاستعاذہ من عذاب القبر کا باب ہے پھر باب الاستعاذۃ من عذاب جھنم۔ یہ ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے یہی عذاب برزخ ہے، اور یہی عذاب قبر۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں۔ یہ نو کی نو مرفوع ہیں اور حضورؐ سے مروی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وفی الباب عن علی وزید بن ثابت وابن عباس والبراء بن عازب وابی ایوب وانس وجابر وعائشۃ وابی سعید کلھم رووا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عذاب القبر[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۳۸۵ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صـ ۱۲۷

http://mujahid.xtgem.com

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صحاح ستہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں :۔

(۱) ـــــ الکبائر وعلامات بالنفاق

(۲) ـــــ الوسوسہ

(۳) ـــــ الایمان بالقدر

(۴) ـــــ اثبات عذاب القبر

(۵) ـــــ الاعتصام بالکتاب والسنۃ

آپ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لاکر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے۔ عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے۔ محدثین کی یہ تنبیہ معتزلہ کے بدعی عقائد سے بچنے کے لیے ہے۔

محدثین کا مسلک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے۔ جو بات بارہ ۱۲ صحابہؓ سے مروی ہو اس کے تواتر میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دس بندگوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثین کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آئیے حدیث کی روشنی

http://mujahid.xtgem.com

میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جاننے کی کوشش کریں کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب و عذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟ —— اس کے بعد ان شاء اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے پچھلے چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

(۱) —— حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔

مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انہما لیعذّبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستتر من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقہا نصفین فغرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت ھٰذا قال لعلّہ یخفف عنہما مالم ییبسا[۱]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی، اور اس کے دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیئے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا، شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں اُن سے عذاب ہلکا رہے۔

اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں:۔

(۱) —— یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں، حدیث کی اوّل درجے کی کتابوں میں ہے۔

(۲) —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب ہوتے پایا جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۵، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۴۱

http://mujahid.xtgem.com

سے بالکل لاتعلق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔

(۳) ـــــ پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی انہی قبروں پر رکھیں جنہیں عرفِ عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں مقامِ سجین پر رکھ رہے تھے؟ ـــــ یہ اسی نشانِ قبر کی بات ہے۔

(۴) ـــــ یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذابِ آخرت کہتے ہیں یہ عالمِ برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذابِ قبر کہتے ہیں۔ یہ عذابِ اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

(۲) ـــــ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں :۔

بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار علی بغلۃ لہ ونحن معہ اذحادت بہ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ اوخمسۃ اواربعۃ ...... فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر فقال رجل انا قال متیٰ مات ھؤلاء قال ماتوا فی الاشراک فقال ان ھذہ الامۃ تبتلیٰ فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا موتاکم لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ[1]

ترجمہ۔ حضورؐ ایک خچر پہ سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے کہ خچر یکایک بدکا۔ قریب تھا کہ وہ حضورؐ کو اتار ڈالتا۔ وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا۔ کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دورِ شرک کے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاء میں گھرے ہیں۔ یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۸۶ سنن ابی داؤد جلد صہ

http://mujahid.xtgem.com

میں خدا سے دُعا کرتا کہ وہ یہ عذابِ قبر تمہیں بھی سُنا دے جو میں سُن رہا ہوں"

اس حدیث میں بھی یہ اُمور پیشِ نظر رہیں :-

(۱) —— یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اوّل درجے کی دو کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔

(۲) —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اس عذابِ قبر کی آوازیں سُنیں جہاں یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالمِ برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جا سکتا یہی قبر مومن کے لیے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں۔ لیکن اس عدمِ ادراک سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں، ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہیے اس کا دوسرا کنارا عالمِ غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں —— اس کے بغیر ان احادیث صحیحہ صریحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ الکریم۔

(۳) —— اللہ کے سُنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سُنایا جانا ممکن تھا۔ حضورؐ دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سُن پاتے۔ حضورؐ کا انہیں سننا بھی اللہ کے ہی سُنانے سے تھا۔ منوں مٹی کے نیچے سے آوازیں سُنی جائیں یہ اسماعِ الٰہی سے ہے۔ بندہ اسباب سے اتنے دُور سے نہیں سُن پاتا۔

(۴) —— حضورؐ اس دُنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں باسماعِ الٰہی سُن سکتے ہیں۔ تو جب حضورؐ خود عالمِ برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں کی سلام معروض کو باسماعِ الٰہی کیوں نہیں سن سکتے۔ اس میں کونسا عقلی یا شرعی استبعاد ہے جو اس کا انکار کیا جائے۔

(۵) —— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے جہان کی آوازیں تو سُن لیں لیکن یہ لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لیے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری علم سے —— غیب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود کسے

http://mujahid.xtgem.com

جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں۔ نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔

(۶) —— اس خچر کا اس عذاب قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمت الٰہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لیے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے سو اس قسم کے جاہلی استدلالات کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت پرواز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں۔ یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں۔ نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پہ قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۳) —— حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فذلک قولہ یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرہ[1]

ترجمہ۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)۔

(۴) —— حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولّٰی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ۔ ۔ ۔ ۔ واما المنافق والکافر ۔ ۔ ۔ ۔ فیقال لہ لادریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۸۲ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۵۳

http://mujahid.xtgem.com

من یلیه غیر الثقلین. متفق علیہ۔[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھلاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں۔ جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں۔ اور وہ چیختا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے:۔

(۱) —— یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔

(۲) —— فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے سجین میں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔

(۳) —— وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں۔ نہ یہاں کے حواس سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آ رہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔

(۴) —— کافر اور منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں یسمعہا من یلیہ —— سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جائیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۵ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۶۵۴ سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۸۸

http://mujahid.xtgem.com

(۵) ——— حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

قال قال رسول اللہ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من اہل الجنۃ فمن اہل الجنۃ وان کان من اہل النار فمن اہل النار فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ الیہ یوم القیمۃ۔[۱]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی مر جائے. تو اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جانا ہے) صبح و شام دکھایا جاتا ہے. اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانا جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے جائے۔

قیامت تک کا یہ مستقر عالم برزخ کا مستقر ہے. اس میں بدن مدفون صبح و شام اپنا آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے. اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی آنکھیں اسے علیین اور سجین سے دیکھ رہی ہیں. پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہی جائے گی. کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جا رہا ہے. ھذا مقعدک فافھم۔

(۶) ——— حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر وللآخر النکیر فیقولان ...... وان کان منافقاً...... فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیہا معذباً حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک رواہ الترمذی۔[۲]

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۲۵ سنن نسائی جلد ا ص ۲۹۱ [۲] مشکوٰۃ ص ۲۵

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر توسمٹ آ۔ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس قبر سے اٹھا دے۔

(۲)—— حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی:۔

استعیذوا باللّٰہ من خمس۔ ۱۔ من عذاب جھنم۔ ۲۔ وعذاب القبر۔ ۳۔ وفتنۃ المحیا۔ ۴۔ والممات۔ ۵۔ وفتنۃ المسیح الدجال[۱]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے پناہ مانگو۔ ۱۔ عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا۔ ۲۔ عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)۔ ۳۔ زندگی کے فتنہ سے۔ ۴۔ موت کے فتنہ سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور۔ ۵۔ مسیح دجال کے فتنہ سے۔

(۳)—— آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپ نے کہا۔

ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ۔ الحدیث[۲]

ترجمہ۔ میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال میں رہا۔ وہ کہتا ہے فی الاسلام۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا ہے کہ آپ ہمارے پاس روشن معجزات کے ساتھ آئے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اسے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

(۵)—— حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[۱] سنن نسائی جلد ۔۔۔ [۲] سنن ابن ماجہ ص۳۱۵

http://mujahid.xtgem.com

اذا ادخل المیت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فیجلس یمسح عینیه ویقول دعونی اصلی رواہ ابن ماجہ[1]

ترجمہ: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا اٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

کاش! کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بنانے کی بجائے اس فرمودۂ رسالت پر غور کرتے۔

(۸) —— حضرت جابرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو قبر میں اُتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کر دی گئی۔ حضورؐ دیر تک تسبیح پڑھتے رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہی۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی —— پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

لقد تضایق علی ہذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ[2]

ترجمہ: اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے کشائش بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو معاف فرما دیتے ہیں۔

حضورؐ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرف عام میں گڑھا کہتے ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہو رہا تھا۔ جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں۔

(۹) —— حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں:۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا فذکر فتنۃ القبر التی یفتتن فیہا المرء فلما ذکر ذلک ضج المسلمون ضجۃ رواہ البخاری[3]

---

[1] مشکوٰۃ صـ۲۶ [2] ایضاً [3] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جائے گا۔ آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اسکی گھبراہٹ سے) بیخ اٹھے۔

کیا حضورؐ اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہ اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے۔

سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا اس نے بتایا کہ آپ نے کہا۔

قد اوحی الیّ انکم تفتنون فی القبور قریبًا من فتنۃ الدجال۔[1]

ترجمہ۔ مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب التعوذ من عذاب القبر باب باندھا ہے۔ ام خالد کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضورؐ سے روایت کیا ہو۔

لم اسمع احدا سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرھا۔[2]

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے (عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

(۱۰) ——— ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی عورتیں آئیں اور مجھے بتایا۔ اھل القبور یعذبون فی قبورھم کہ فوت شدگان کو ان کی قبور میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہود کی تصدیق کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ میں نے حضورؐ سے سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان دونوں نے سچ کہا ہے:۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۲

http://mujahid.xtgem.com

انهم یعذبون عذاباً تسمعه البهائم کلها۔

ترجمہ۔ وہ ایسا عذاب پا رہے ہیں جسے سب چوپائے سُن رہے ہیں۔ صرف انسانوں اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے

ام المومنین کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں اس دُعا کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعوذ بک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر ـــــ کیا یہ سجین میں عذاب سُنتے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں ان تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بات چلا رکھی ہے اور اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) اصل چوپائے ان عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سنتے۔ ان کے مثالی ابدان مقام سجین پر لے جائے جاتے ہیں۔ وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سنتے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔ نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سنتے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سُنی تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام سجین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت بہت اونچی ہے۔ آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام سجین کی آوازیں سن رہے تھے آوازیں وہاں سے آ رہی تھیں مگر آپ کو اس طرح محسوس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے سُن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا۔ یہ کن کی قبریں ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روشن شہادتوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرت باری کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آیئے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ عذاب قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے۔ مگر اس میں وہ لاتعداد ہنگامے ہو رہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

جلیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آیئے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ) جو حدیث احوال برزخ کے راوی بھی ہیں کی زیارت بھی کی تھی۔[1] آپ کے درس و تدریس کا دور دوسری صدی کا نصف اول ہے۔ آپ نے کوفہ و بصرہ کے جبر و قدر کے معرکے اور اعتزال و ارجاء کے فتنوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے عقائد سنت کے تحفظ کے لیے اور حنفیہ کی امت کو عقائد بدعت سے بچانے کے لیے عقائد اسلام پر ایک

---

[1] رأى انس بن مالك غير مرة لما قدم عليهم الكوفة۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

http://mujahid.xtgem.com

چھوٹا سا رسالہ لکھا عقائدِ اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا یوں ذکر کرتے ہیں :-

واعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق[1]

ترجمہ۔ اور روح کا بندہ کی طرف لوٹایا جانا برحق ہے

تیسری صدی جلیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں :-

الایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر والایمان بملك الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید[2]

ترجمہ۔ حوضِ کوثر۔ شفاعت۔ قبر میں منکر و نکیر کا آنا۔ عذاب قبر اس بات پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے (یہ سب امور برحق ہیں)۔

پھر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) اور امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آیئے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں دیکھیں۔ حافظ ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں :-

ذکر قبض روح المومن فتعاد روحه فی جسده ویاتیه الملکان فیجلسانه فی قبرہ فیقولان من ربك[3]

ترجمہ۔ یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی

---

[1] منح شرح الفقہ الاکبر صفحہ ۱۰۲ [2] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد بن حنبل صفحہ ۴۵ [3] تفسیر ابن جریر جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۴

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) جنہیں فقہاء کرام اعلم بمذھب ابی حنیفۃ وصاحبیہ لکھتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:۔

نؤمن بعذاب القبر ونعیمہ ..... وبسوال منکر ونکیر للمیت فی قبرہ عن ربہ ودینہ ونبیہ علی ما جاءت بہ الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اصحابہ اجمعین والقبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران۔[2]

ترجمہ ہم عذاب قبر اور نعیم قبر پر ایمان لاتے ہیں... منکر و نکیر کا قبر میں تین سوال پوچھنا جیسا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب صحابہؓ سے منقول ہے برحق ہے اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں کہا گیا۔ وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے روضۂ منورہ کو بھی روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہوں گے۔

حافظ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیمۃ وھم منعمون جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبوا[3]

ترجمہ۔ اور جب یہ جائز ہے کہ مومن کو قیامت سے پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعیم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں سے یکسر بے تعلق سمجھنا کیا ظاہر شریعت کا انکار نہیں؟

---

[1] طحطاوی علی المراقی الفلاح صفحہ ۳۴۲ [2] عقیدۃ الطحاوی مع الشرح صفحہ ۶ [3] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۰۸

http://mujahid.xtgem.com

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) امام ابو المظفر الاسفرائنی (۴۷۱ھ) امام ابو القاسم عبد الکریم القشیریؒ (۴۶۵ھ) حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے۔

ابو المظفر طاہر بن محمد الاسفرائنی لکھتے ہیں:۔

اخبر انهم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور ما لا یحصی من الآی والاخبار والآثار[1]

ترجمہ۔ آپ نے خبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں کہ گنے نہیں جا سکتے۔

وفیه احادیث کثیرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی هذا الباب ان الملکین یجیئان فی القبر الی المیت ویحیی اللہ المیت فیسألان عما ذکرنا وقد انکرت المعتزلة وعامة المبتدعة هذا۔[2]

ترجمہ۔ اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ فرشتے اس سے وہ باتیں پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں معتزلہ اور بدعتی لوگ قبر کے اس سوال و جواب کے منکر ہیں۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

واما عذاب القبر فقد دلت علیه قواطع الشرع اذ تواتر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم وعن الصحابة رضی اللہ عنهم بالاستعاذة منه فی الادعیة واشتهر عند المرور بقبرین انهما لیعذبان و

---

[1] التبصیر ص۱۵۵ [2] اصول الدین ص۱۲۵

http://mujahid.xtgem.com

دل علیہ قولہ تعالیٰ وحاق بآل فرعون سوء العذاب۔ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا وھو ممکن فیجب التصدیق بہ ووجہ امکانہ ظاہر وانما تنکرہ المعتزلۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تواتر سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے خبر مشہور کے درجہ میں ہے کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس برزخی عذاب پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے " اور گھیر لیا آل فرعون کو برے عذاب نے آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور ایسا ہونا ممکن ہے۔ سو ضروری ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے اور اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا انکار کوئی نہیں کرتا۔

پھر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان تؤخر الی یوم البعث۔[2]

ترجمہ۔ اور بعید نہیں کہ قبر میں روح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے حشر تک مؤخر رکھا جائے (یعنی اس دوران روح کا بدن سے صرف تعلق ہو)۔

نوٹ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس باب میں امام غزالیؒ سے تمسک کیا ہے اور ان کی تائید کی ہے۔[3]

---

[1] الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۷ [2] احیاء العلوم جلد ۴ ص۴۰۹ [3] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲ ج ۱

http://mujahid.xtgem.com

اب ذرا چھٹی صدی میں چلئے۔

علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوٰۃ فی قولہ العامۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں جمہور اہل سنت کے قول کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمد (۶۷۱ھ)

ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ و لکن اللہ تعالٰی یاخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رویۃ عذاب القبر ونعیمہ۔[2]

ترجمہ۔ عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالٰی عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے کانوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ نہیں پاتے۔

علامہ قرطبی کی دوسری عبارت:۔

وقد اجمع اھل الکشف ان المیت یحس بضغطۃ القبر و یحس باختلاف اضلاعہ ولو کان فی بطون السباع والطیور او کان قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالالم ولو کانت متفرقۃ۔[3]

---

[1] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۲ [2] مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۶ [3] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور پسلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو۔ اس میت کا ایک ایک ذرہ اس اَلَم (عذاب قبر) کو محسوس کرتا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ بٹی ہو۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں برزخی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں:۔

ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون فى الحى قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاءه كما نشاهده فى العادة او اكلته السباع او حيتان البحر او نحو ذلك فكما ان الله تعالىٰ يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالىٰ قادر على ذلك فكذا يعيد الحيٰوة الى جزء منه وان اكلته السباع والحيتان۔[1]

ترجمہ: پھر اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پورے جسد کو یا بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا لوٹنا اس کے لیے شرط نہیں۔ ہمارے اصحاب (اہل السنۃ والجماعۃ) کا کہنا ہے عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶

http://mujahid.xtgem.com

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے (میت کو) درندوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے کھا لیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو۔ سو جیسے اللہ تعالیٰ ان ذراتِ منتشرہ کو حشر کے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پہ قادر ہے سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں (گو اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو) حیات لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش کیا ہے انہیں اصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دو دفعہ ایسا کہا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں۔ ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قال اصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہئیے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تقیہ کے قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں ـــــ ہم صاحب نبراس سے اتفاق نہیں کر سکتے جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ نبراس ص۳۲۲ میں یہ اضافہ کسی نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ ص۲۱۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔

امام نسفی (۷۰۱ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

عند العامہ توضع فیہ الحیٰوۃ بقدر ما یتالم والحیاۃ المطلقۃ وقیل توضع فیہ الحیٰوۃ من کل وجہ[1]

ترجمہ۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے۔ وہ مطلق حیات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر پہلو سے اس میں حیات لوٹائی جاتی ہے۔

---

[1] الکافی شرح الوافی ص ـــــ

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

آٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدر الدین الحنفی (۷۴۶ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں۔

وکذلک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعاً باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ[1]

ترجمہ: اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

افسوس کہ اہل السنۃ والجماعت کی یہ اجماعی پکار بھی ہمارے زعم کردہ دوستوں کو راہ نہیں دکھا سکی۔

علامہ تقی الدین السبکی الشافعی (۷۵۶ھ)

وقد اجمع اھل السنۃ علی اثبات الحیٰوۃ فی القبور قال امام الحرمین فی الشامل وقد اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم[2]

ترجمہ: اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمین نے لکھا ہے سب سلف امت کا اس پہ اتفاق ہے کہ ۱۔ عذاب قبر ثابت ہے
۲۔ مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے اور ۳۔ یہ کہ ارواح اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں۔

ان حیاۃ جمیع الموتٰی بارواحھم واجسامھم فی قبورھم لا شک فیھا[3]

ترجمہ: اسلاف امت کے اس کھلے اجماع کے بعد بھی کیا اس عقیدے میں کسی قسم کا کوئی شک ہو سکتا ہے؟
تمام اموات کے لیے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ارواح و اجساد کے ساتھ ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے

---

[1] شرح عقیدہ طحاویہ ص۳۳۰ [2] شفاء السقام ص۱۵۱ [3] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

قاضی عضد الدین الایجی (۷۵۶ھ) صاحب مواقف

احیاء الموتی فی قبورھم ومسئلہ منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلہا حق عندنا واتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظہور الخلاف واتفق علیہ الاکثرون بعدہ۔[1]

ترجمہ۔ اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر ونکیر کے (وہاں) سوالات اور عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لیے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علیٰ عود الروح الی البدن وقت السوال والسوال للبدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور وقابلہم آخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن . . . . . . وکلاھما غلط والاحادیث الصحیحہ ترد ہ ولو کان ذلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص۔[2]

ترجمہ۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر ونکیر کے سوال وقت روح کے بدن میں لوٹائے جانے کی خبر دیتی ہیں اور سوال بدن سے بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں منکر اور نکیر کا سوال صرف روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال وجواب صرف روح ہو تو قبر کا روح سے کوئی اختصاص نہ ہوتا۔

---

[1] شرح مواقف ص۱۵۱ ج۸ مع الشرح [2] شرح حدیث النزول ص۱۵

http://mujahid.xtgem.com

بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ۔[1]

ترجمہ۔ یہ قبر کا نعیم وعذاب باتفاق اہل سنت روح و بدن دونوں کے لیے ہے۔

غور فرمائیں اگر روح کا بدن مدفون سے کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم وعذاب پر کیسے ایمان لایا جاسکتا ہے۔

فقد صرح الحدیث باعادہ الروح الی الجسد و باختلاف اضلاعہ وھذا بین فی ان العذاب علی الروح والبدن مجتمعین[2]

ترجمہ۔ حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

ان مذھب سلف الامۃ وائمتھا ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذٰلک یحصل لروحہ وبدنہ[3]

ترجمہ۔ اسلاف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم وعذاب اس کے روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا۔ کہ اگر حیات کے لیے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی حیات کا تحقق ہو سکتا ہے۔ پھر عذاب قبر کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں:۔

ویجوز ان یخلق اللہ فی جمیع الاجزاء او فی بعضھا نوعاً من الحیوۃ

---

[1] شرح حدیث النزول ص۵۱ [2] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص۲۸۹ [3] کتاب الروح ص۶۴

http://mujahid.xtgem.com

قدر ما یدرک الم العذاب ولذۃ النعیم وھذا لا یستلزم اعادۃ
الروح الیٰ بدنہ ولا ان یتحرک ویضطرب۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزاء کے بدن میں ایک طرح کی حیات پیدا کردے کہ میت اس سے عذاب کی تکلیف یا نعیم کی لذت پا سکے اور اس حیات کے لیے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لوٹے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے جلے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت عذاب قبر یا نعیم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تفتازانی یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے ہیں معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت کے بدن میں زندگی کا ایک باریک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا اس کی راحت کا تحقق ہو سکے۔ علامہ تفتازانی کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں علیٰ وجہ الالزام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔

بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں ان میں اتنی زندگی پیدا کر دیں کہ وہ الم یا راحت کو پا سکے۔ ہدایہ میں ہے:۔

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیٰوۃ فی قولہ العامۃ۔[2]

ترجمہ۔ اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

اب ذرا نویں صدی میں چلیں۔ علامہ عضدالدین الایجی (۷۵۶ھ) کی عبارت آپ شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف الجرجانی (۸۱۶ھ) کی عبارت بھی دیکھیں۔

---

[1] شرح عقائد ص۷۷ [2] ہدایہ جلد ۲ ص۴۸۴

http://mujahid.xtgem.com

و اذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء و المسئلہ لان کل من قال بعذاب القبر قال بھا۔[1]

ترجمہ۔ اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و جواب کا ثبوت بھی مل گیا کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب قبر کا انکار کرے اسے قبر کی اس زندگی کا اقرار کرنا ہو گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں ؛۔

وخالفھم الجمھور فقالوا تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث ولو کان علی الروح فقط لم یکن للبدن بذلک اختصاص ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تفرق اجزاءہ لان اللہ تعالیٰ قادر علیٰ ان یعید الحیوۃ الیٰ جزء من الجسد ویقع علیہ السوال کما ھو قادر علیٰ ان یجمع اجزائہ۔[2]

ترجمہ۔ اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے بعض حصوں کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف روح پر ہوتا تو بدن کو اس سے کوئی اختصاص نہ تھا اور اس کے لیے میت کا اس حال میں ہونا کہ اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پہ قادر ہے کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پہ وارد ہو۔ جیسے کہ وہ اس پہ قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع کر دے۔

---

[1] شرح مواقف ص۶۱۶ [2] فتح الباری جلد ۳ ص۲۳۴

http://mujahid.xtgem.com

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :۔

قد ثبتت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله (علیه السلام) انه یسمع خفق نعالهم و قوله (علیه السلام) تختلف اضلاعه لضمة القبر و قوله (علیه السلام) یسمع صوته اذا ضرب بالمطراق و قوله (علیه السلام) یضرب بین اذنیه و قوله (علیه السلام) فیقعدانه و کل ذالك من صفات الاجساد۔[1]

ترجمہ :۔ بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضورؐ کا یہ ارشاد کہ مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضورؐ کا یہ ارشاد کہ قبر کے ملنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ وہ ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے مابین ضرب لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے سنبھالتے ہیں۔ اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی کیفیات نہیں۔

علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)

ان الارواح تعاد الی اجساد عند المسئلة و هو قول الاکثر من اهل السنة۔[2]

ترجمہ :۔ بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل السنۃ کا ہے۔

ولا بعد فی رد الحیوة الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء و المسئلة والعذاب وان لم یکن مشاهدا لنا۔[3]

---

[1] فتح الباری جلد ۳ صـ ۱۷۷ [2] شرح صحیح بخاری جلد ۷ صـ ۹۳ [3] ایضًا جلد ۸ صـ ۱۴۷

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ کو ہم ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ)

الحق ان المیّت المعذّب فی قبرہ توضع فیہ الحیٰوۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ حتّٰی لو کان متفرق الاجزاء بحیث لا تتمیّز الاجزاء بل ھی مختلطۃ بالتراب فیعذّب جعلت الحیٰوۃ فی تلک الاجزاء التی لا یأخذھا البصر و ان اللّٰہ تعالٰی علٰی ذٰلک لقدیر[1]

ترجمہ۔ حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لیے اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا یک جا ہونا اہل السنۃ کے ہاں عذاب قبر کے لیے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جا سکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر پا نہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

توضیحہ انما نمنع اقتضاء ذٰلک عود الحیٰوۃ الکاملۃ الٰی جمیع البدن و غایۃ ما تقتضی اعادۃ الحیٰوۃ الی الجزء الذی بہ فھم الخطاب و رد الجواب والانسان قبل موتہ لم یکن یفھم بجمیع بدنہ بل بجزء من باطن قلبہ و احیاء جزء یفھم الخطاب و مجیب ممکن مقدور علیہ و امور البرزخ لا تقاس بامور الدنیا[2]

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۴ ص ۹۹ [2] مسامرہ شرح مسایرہ جلد ۲ ص ۱۱۶

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذاب قبر کے لیے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جزو بدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا صرف باطن قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بات سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لیے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور برزخ کے احوال کو دنیوی امور پہ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اب دسویں صدی کی شہادت بھی لیجئے:۔

امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) حافظ ابن تیمیہؒ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقال ابن تیمیہ الاحادیث متواترۃ علی عود الروح الی البدن وقت السوال وسوال البدن بلا روح قول طائفۃ منہم ابن الزاغونی وحکی عن ابن جریر وانکرہ الجمہور وقابلہم اخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن قالہ ابن حزم واخرون منہم ابن عقیل وابن الجوزی وھو غلط والا لم یکن للقبر بذلک اختصاص۔[1]

ترجمہ۔ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے متواتر احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمہور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے (عذاب

---

[1] شرح الصدور صـ۶۱

http://mujahid.xtgem.com

روح بلابدن) قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجیے۔ علامہ جلال الدین الدوانی (۹۲۸ھ) لکھتے ہیں عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو بدن مدفون کے زندہ کیے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا اعادہ روح کے بغیر محض اتصال روح سے بھی ہو سکتا ہے صورت احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ۔ لیکن عذاب قبر کے لیے بدن یا ذرات بدن میں زندگی کا لوٹایا جانا برحق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

فمنهم من اثبت التعذيب وانكر الاحياء وهو خلاف العقل وبعضهم لم يثبت التعذيب...... وهذا انكار لعذاب القبر ومنهم من قال باحيائه لكن من غير اعادة الروح ومنهم من قال بالاحياء باعادة الروح معا ولا يلزم ان يرى اثر الحيوة فيه حتى ان الماكول في بطن الحيوانات يحيى ويسأل وينعم ويعذب ولا ينبغي ان ينكر لان من اخفى النار في الشجر الاخضر قادر على اخفاء العذاب والنعيم[1]

ترجمہ ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کیے جانے کے اور یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں جو سرے سے میت کے برزخ میں عذاب پانے کے قائل نہیں یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے اور ایسے بھی جو میت کے زندہ کیے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر اعادہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اعادہ روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے ہیں اور عذاب قبر کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جا سکیں۔ وہ شخص جسے کسی جانور نے کھالیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اسے وہیں سوال ہوتا ہے۔ اس کی نعیم قبر یا عذاب قبر وہیں ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہیئے جو ذات باری سبز اور تر و تازہ درخت میں آگ کو چھپا سکتا ہے وہ اس پہ قادر ہے کہ عذاب قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نہ اسے پاسکیں اور نہ اسے سُن سکیں۔

---

[1] حاشیہ عقائد عضدیہ ص۹۳ من طبع الہندی

http://mujahid.xtgem.com

علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۹۷۳ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف ـــــ لکھتے ہیں علامہ حلیمی روح کے پورے بدن میں لوٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبری اور امام الحرمین بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لوٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے سب قائل تھے وہ لوٹایا جانے پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں:-

ان الحلیمی یقول ترد الروح الی جسدہ کلہ وابن جریر الطبری و
امام الحرمین یقولون ترد الروح الی ما بقی منہ[1]

ترجمہ: علامہ حلیمی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام الحرمین اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لوٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احناف میں علامہ شمس الدین القہستانی (۹۵۳ھ) سے کون واقف نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

والمعذب فی القبر حی بقدر ما یتالم بہ وھو اقرب الی الحق[2]

ترجمہ: اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب پاسکے اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبدالرؤف المناوی (۱۰۰۳ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لوٹائی جاتی ہے فتعاد روحہ فی جسدہ لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لوٹنے کے قائل ہیں جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانی سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں:-

---

[1] الیواقیت والجواہر صفحہ ۱۷۹ جلد دوم [2] جامع الرموز جلد ۲ صفحہ ۲۹۲

http://mujahid.xtgem.com

جمع بان مقرها فی النصف الاعلیٰ ولها اتصال بباقیه وقیل جزم به القاضی[1]

ترجمہ دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو بدن کے اوپر کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔ آپ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا علیٰ ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتالم ویتلذذ ولٰکن اختلفوا هل یعاد الروح الیه ...... والمنقول عن ابی حنیفة التوقف الا ان کلامه ههنا یدل علیٰ اعادة الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح[2]

ترجمہ۔ اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعیم قبر کو پا سکے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر... حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور وہ بدوں اعادہ روح کے تصور میں نہیں آ سکتا۔

ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس سے خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں یہ آپ کے سوچنے کی بات ہے۔

---

[1] ...
[2] شرح فقہ اکبر

http://mujahid.xtgem.com

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ متعلق بجزء البدن او کلہ۔[1]

ترجمہ۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے (وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ) وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں۔

پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیۃً رد کر دیا ہے۔

تعاد روحہ فی جسدہ ظاهر الحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء البدن فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یکون الی البعض ..... فانہ لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی صحۃ النقل۔[2]

ترجمہ۔ میت کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں ..... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جا سکتی۔ اس کے لیے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہو گا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ ای یردہ الیہ کاملاً فی بدنہ۔[3]

ترجمہ۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسد میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس روح کا کامل طور پہ بدن میں لوٹنا ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۱ صہ ۱۹۸ [2] ایضاً جلد ۴ صہ ۲۵ [3] ایضاً صہ ۳۱

http://mujahid.xtgem.com

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لیے بیشک اسی دن ہو گا۔ واذا النفوس زوجت کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے۔ لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیۃً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ ان ناقصان دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پہ لکھتے ہیں :۔

کما توھمہ بعض ارباب النقصان حتی جعلوا عذاب القبر روحانیاً

لا جسمانیاً والصواب ان عذاب الاٰخرۃ ونعیمھا متعلقان بھما۔[1]

ترجمہ۔ جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض ایک روحانی چیز بتلاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے ــــ صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم والم تو ایک طرف رہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بغیر جسد تقوم میں آتے ہیں؛ حضورؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؛ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے:۔

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے اس میں آپ کو وصف نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے یہ وہ امور ہیں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی۔ یہ تو جسد کی شان ہے کہ وہ عمل نماز میں ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔[2]

---

[1] مرقات جلد ۱۰ صـ۸۷ [2] زہر الربیٰ علیٰ سنن النسائی جلد ا صـ

http://mujahid.xtgem.com

اب آیئے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کو مسلک کیا تھا۔ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) ہیں۔ آپ بدن مثالی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقاد تناسخ سے بھی بُرا ہے۔ اس کے بعد آپ یوں رقمطراز ہیں:-

پس بدن اوّل را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گزر نہ ـــــ و بدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات مے نمائید حشر در حق او در دُنیا ثابت گشت۔ انگارم کہ معتقداں نقل روح معلوم نیست کہ بعذاب وثواب قبر قائل باشند و بحشر ونشر معتقد بود۔ افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطالاں خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا۔

ترجمہ۔ اس دنیا والے بدن کو احکام برزخ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذاب ثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدن ثانی کے لیے جب یہ لوگ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کیے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذاب ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس ہزار افسوس اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیر طریقت بنا کے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:-

و آنچہ او علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات از احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است از عذاب گور و ضغطہ آں و سوال منکر و نکیر دراں و فنائے عالم وانشقاق سموات و انتشار کواکب و برداشتن زمین و کوہہا و پارہ پارہ شدن اینہا و حشر و نشر و اعادہ روح بجسد و زلزلہ ساعت و ہول قیامت

لہ مکتوب دفتر دوم مکتوب ۵۸ ص لکھنؤ

http://mujahid.xtgem.com

ومحاسبہ اعمال وشہادت جوارح باعمال مکتسبہ[1]

ترجمہ۔ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ ـــ اور منکر و نکیر کے قبر میں سوالات ـــ اور پوری دنیا کا فنا ہونا ـــ اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا انتشار ـــ اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور حشر و نشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا ـــ اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب ـــ اور اعضاء جسمانی کی اپنے کیئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب امور برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

واختلاف کردہ اند کہ عذاب قبر بزندہ گردانیدن میت است ودر مقابلہ داشتن روح با وے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہہ حقیقت آں راہ نباشد و حق آنست کہ باحیاء است۔ چنانکہ ظاہر احادیث دال است براں[2]

ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے ـــ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالےٰ چاہے ـــ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

---

[1] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷ صہ [2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صـ۱۰۱

http://mujahid.xtgem.com

قطع مے کنم بعود حیات مر ہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ۔[1]

ترجمہ: مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیساکہ احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اپنے مسلک پہ حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

امثال ھٰذہ الاخبار لہا ظواھر صحیحۃ واسرار خفیۃ ولکنہا عند ارباب البصائر واضحۃ فمن لم ینکشف لہ حقائقہا فلا ینبغی ان ینکر ظواھرھا بل اقل درجات الایمان التسلیم والتصدیق فان قلت فنحن نشاھد الکافر فی قبرہ مدۃ ونراقبہ ولا نشاھد شیئاً من ذٰلک فما وجہ التصدیق علی خلاف المشاھدۃ فاعلم ان لک ثلث مقامات فی التصدیق بامثال ھٰذا احدھا وھو الاظھر والاصح والاسلم ان تصدق بانہا موجودۃ وھی تلدغ المیت لکنک لا تشاھد ذٰلک فان ھٰذہ العین لا تصلح لمشاھدۃ الامور الملکوتیۃ۔[1]

ترجمہ۔ اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پہ وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے ہوئے حقائق بھی ہیں۔ گروہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں سو جس پہ یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہیئے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے کم از کم یہ تو کرے کہ ان پہ ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق کرے۔ اگر تجھے یہ خیال گزرے کہ ہم کافر مردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے دیکھ رہے ہیں اور دھیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے (کہ جیسے انہیں سانپ کاٹ رہے ہوں) کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صـ مترجم صـ۵۵

http://mujahid.xtgem.com

کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں ؟ تو جان لے کہ
تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور
وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے
کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) میت کر
ڈس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا. کیوں اس دُنیا کی آنکھ امور ملکوتی
(برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبر میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے ہرگز نہ ہوں. بلکہ ان احادیث کے ظواہر پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر میت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں. اگرچہ ہم اسے دیکھ نہیں پاتے ـــــ یہ کس میت کے بارے میں کہا جا رہا ہے ؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔ آپ یہ ان لوگوں کے بارے میں جن کی قوتِ بہیمیّہ قوی اور قوتِ ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں :۔

فلا یکون الموت انفکاکًا لنفوسھم عن الابدان بالکلیۃ بل تنفک تدبیرًا ولا ینفک وھمًا۔[1]

ترجمہ. ان کی موت میں انفکاک روح عن البدن (روح کا بدن سے جُدا ہونا) کلی طور پر نہیں ہوتا. روح کا صرف تعلق تصرف (جس سے روح بدن میں تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (دھیان اس کا ادھر قائم رہتا ہے)۔

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں. ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے ہوئے انفکاک روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلق توجہ کے معنی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص

http://mujahid.xtgem.com

میں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بتلاتے ہیں کہ نسمہ جو روح اور بدن کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے موت کے وقت نسمہ بدن سے جدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ایک رُخ اُدھر ضرور رہتا ہے۔ ہم اسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

ولما كانت النسمة برزخاً متوسطاً بين الروح الالٰهي والبدن الارضي وجب ان يكون لها وجه الى هٰذا و وجه الى ذلك والوجه المائل الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض البهيمية۔[1]

ترجمہ۔ اور جب نسمہ ایک برزخی چیز ہے جو روح الٰہی اور بدن ارضی کے مابین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رُخ ادھر روح کی طرف ہو اور ایک رخ ادھر بدن کی طرف ہو اس کی جو جہت عالم قدس کی طرف جھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جو جہت زمین کی طرف جھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں عالمِ برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں نشو و نما کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں :۔

حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔[2]

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے لیکن انبیاء اور شہداء کے دھڑ قبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ اُن کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے :۔ ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صت۲ [2] مسالک العلماء، صت۵۸

http://mujahid.xtgem.com

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفی کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطی نے اُن کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ واقعی نچلے طبقے کے بارے میں ہے:۔

ھی متصلہ باجسادھا فتعذب الارواح وتتالم الاجساد۔[1]

ترجمہ۔ وہ ارواح ان کے اجساد سے متصل رہتی ہیں (اس اتصال سے عذاب جو ارواح کو ہو رہا ہے ابدان کی تکلیف بنتا ہے) ارواح عذاب پاتی ہیں اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلق اتصال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق کا ہے جس میں ارواح ملاء اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروف سیر ہوں ان کے ابدان پہ تاثیر کرتی ہیں نچلے طبقے کے لیے اتصال ہے اور کاملین کے لیے اشراق۔ اور یہ اشراف ہے جس سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی بزرگ اتصال کو اشراق کے معنیٰ میں لیں تو یہ اُس کی اپنی مراد ہوگی۔ اتصال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیاتِ شہداء یا حیاتِ انبیاء سے بحث نہیں کر رہے۔ زیرِ بحث موضوع عذابِ قبر ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ نچلے طبقے کے لیے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحبؒ بھی پچھلی گیارہ صدیوں میں آ ملے۔ جن کا متفقہ عقیدہ ہم آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں کہ قبر میں راحت و الم صرف روح کے لیے نہیں، بدن کے لیے بھی ہے۔ عذاب روح پہ اُترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ نسفیؒ نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں نہ ملے تو اسے دلیلِ انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ۱۱۴۴ھ میں روضۂ رسول

---

[1] نقلاً من شرح الصدور للسیوطی ص۱۴۰

http://mujahid.xtgem.com

پر مجاورت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہم یہاں پر آگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لیے تو یہ تعلق روح بالبدن (اتصال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کاملین کے لیے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بنائیں۔ جب ایک طبقے کے لیے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لیے اُن کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہوگا۔ عدم ذکر کو یہاں ذکر عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصل طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اُن کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا۔ بدن کے عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

لا مانع من تعلقها ببدن برزخی مغائر لهٰذا البدن الکثیف[1]

ترجمہ۔ روح کا تعلق اس بدن کثیف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغایر کسی بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لیے کون سی نص مانع ہے۔ پرندوں والی روایت سامنے رکھ کر اب بدنی تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانائی نہیں ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۲۱

http://mujahid.xtgem.com

اب آیئے بارہویں صدی کے دائرہ علم وعرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) کی طرف رجوع کریں. آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں. شرح عقائد نسفی کی شرح میزان العقائد میں لکھتے ہیں :-

فیعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسد وکذا اذا صار ترابا یکون روحہ بترابہ والروح والتراب یتألمان.[1]

ترجمہ ہو اس گوشت پوست کو (اس عنصری بدن کو) روح کے اتصال سے عذاب ہوتا ہے اور روح کو بدن کے اتصال سے عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان ذروں سے متصل ہو گی اور اگر روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے.

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا ابطال حضرت شاہ صاحب کا خاص موضوع رہا ہے. روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں آنا ہے اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے. سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ عدل رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا. روافض اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح ہنستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند —— حضرت شاہ عبد العزیز رح ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں. یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی قیام وقعود، اور حرکت، اور سوال وجواب کی کوئی بات نہ پائی گئی.

آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ روح آں میت را بقدریکہ ادراک وتالم وتلذذ ازو حاصل شود وبہ بدنے از ابدان عنصریہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق مے سازد وایں کار سرانجام

---

[1] میزان العقائد صفحہ ۹۸

http://mujahid.xtgem.com

مے فرماید و محسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آنہا نمے کند زیرا کہ ذوات اشخاص ملائکہ و جن را بحواس ادراک نمے کنیم چہ جائے کہ حرکات معہذا واقع است بلاشبہ عند الملیین۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس سے تکلیف و راحت پا سکے کسی عنصری بدن یا کسی مثالی بدن سے جو اسی کے لیے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو (عذاب قبر کو) پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپ نے ابدانِ عنصریہ اور ابدانِ مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ہاں ابدانِ مثالیہ کے اقوال موجود ہوں گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے چند سطر بعد لکھتے ہیں :-

خدا تعالیٰ قادر است بر آنکہ . . . . روح آں میت را باوصف تعلقے کہ ببدن خود پیدا کردہ منعم و معذب کردہ اند۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے اس کا اپنے (عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم و عذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں ارواح انبیاء و اولیاء کا مقر علیین ہے۔ لیکن ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۴ [2] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

والوں کے آنے سے متانس ہوتے ہیں (ان سے اُنس پاتے ہیں) آپ لکھتے ہیں :۔

تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح رامے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان واقارب و دیگر دوستاں بر قبر مطلع و متانس مے گردند. زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمے شود[1]

ترجمہ: ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے لیے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی حاضری کو پہچانتے ہیں اور مانوس ہوتے ہیں ــــ یہ اس لیے کہ روح کا مکانی قرب و بعد اس دریافت میں مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مُردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں۔ دفن کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں :۔

در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاقہ روح بابدن از راہ نظر و عنایت بحال مے ماند و توجہ روح بزائرین و متانسین و مستفیدین بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعیین مکانِ بدن گویا مکانِ روح ہم متعین است[2]

ترجمہ: میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے از راہ نظر و عنایت بحال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے والوں پر بڑے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے معین ہونے کے باعث گویا روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے۔ بدن عنصری سے یا کسی بدنِ مثالی سے ؟

اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے لیں :۔

---

[1] فتاوٰے عزیزی ج ۲ ص ۱۲۵ [2] ایضاً ص ۶۱

http://mujahid.xtgem.com

ارواح راتعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ مے باشد زیراکہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند[1]

ترجمہ۔ ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔

اور پھر لکھتے ہیں:۔

ثابت شد کہ روح باقی است و اورا تعلقے خاص با جزاء بدن بعد مفارقت از وے و تغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بداں علم و شعور بزائران قبر و احوال ایشاں دارد[2]

ترجمہ۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن سے مفارقت اور کیفیت کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے قبر پر آنیوالوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اونچے درجے کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دنیوی زندگی تھی رجعت میں عالم برزخ کا نہیں دنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا۔ جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جیسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدۂ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں شریف مرتضیٰ (۴۳۶ھ) نے مسائل ناصریہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابوبکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔[3]

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۳۴ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۱۰۸ [3] تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۴۲ فارسی ص ۲۹۹ ص ۱۰۵ اردو

http://mujahid.xtgem.com

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایران) کے ص۳۸۴ سے ۔۔۔ تک اس پر مفصل بحث کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں یہ ایک نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح عزیر علیہ السلام کو اس دنیا میں حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے یہ ادراک اسی بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ آلہ ہے۔ جس سے کسی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ___ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا یا اس دین قیم کی جو وضاحتیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے کی حصار جاننا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لیے بدن کی بقا اور اس کی سلامتی ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں۔ بدن یا اجزائے بدن اس کے ذیل میں الم و راحت پاتے ہیں۔ سو وہاں عذاب قبر کے لیے بقائے بدن یا بدن کی سلامتی ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس عالم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا ___ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے آپ شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

http://mujahid.xtgem.com

در قبر احیاء و اماتت حقیقتہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا مے شود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد[1]

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لیے غذا کا تقاضا اور بدن کا نشوونما ہو۔ یہ ہو تو حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں صرف یہ ہے کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس سے بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لیے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشوونما والی نہ ہو۔

پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن —— حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر تصریحات کی روشنی میں اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہِ راست عذاب روح پر ہے بدن پر نہیں —— کہ اس کے لیے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے کوئی برزخی علاقہ بھی نہیں ہے —— کسی مصنف کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں ہی ہونی چاہیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن کی سلامتی عذاب قبر کے لیے لازمی نہیں۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد[1]

ترجمہ۔ معذب (اصالۃً) روح ہے نہ کہ بدن، بقائے بدن اس عذاب کے لیے ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کو اس کی اس تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحبؒ کا موقف قرار دے اور سمجھے میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سوچے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہوگا یا خیانت کا اقرار کرنا ہوگا۔ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ

---

[1] تفسیر عزیزی پ ۲۹ صـ ۱۴۳

http://mujahid.xtgem.com

اپنے مسلک کی خاطر حدیث ہونا جانتے سمجھتے ہیں۔ آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے اُن کے جال میں کیسے پھنس گئے۔

ان کنت لا تدری فتلك مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) کا موقف آپ کے سامنے آچکا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا۔ تاہم اہلسنت کے اس عقیدے کی بھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بارہ صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذرات بدن) دونوں کو شامل ہے۔ اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہ دی گئی ہے تو بھی بدن اصلی کو برزخ کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جا سکتا۔

اب آیئے حضرت شاہ ولی اللہ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) کے مسلک کو بھی دیکھتے جائیں۔ یہ آپ تیرہویں صدی سے گزر رہے ہیں اور یہ اس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت براء بن عازب کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقر علیین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابعة ونحو ذلك کما مر و مقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذلك لکل روح منها اتصال بجسده فی قبره لا یدرك کنهه الا الله تعالیٰ وبذلك الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار

http://mujahid.xtgem.com

ويحس اللذة اولا لم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير و نحو ذلك مما ثبت بالكتاب والسنة۔ ۔ ۔ قال النسفی فی بحر الكلام هي متصلة بالجساد هامنها كالشمس فی السماء و نورها فی الارض[1]

ترجمہ۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ مؤمنین کی روحوں کا مقر علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقر مقام سجین ہے اس سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں پڑے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا رہے اور اسی حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا رہے۔ زائرین کے سلام کرنے اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہوئی ہیں۔

علامہ نسفی بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں وسیع پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قارۂ ہند کی بات نہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) بھی اسی صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا يرد تعذيب الميت في قبره لانه توضع فيه الحيوة عند العامة بقدر ما يحس به الالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحيوة في تلك الاجزاء المتفرقة لا يدركها البصر[2]

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۵ [2] رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۲۰۱

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لیے بدن کا یکجا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجزائے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجیے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پا سکے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسوال المنكر والنكير حق وضغطة القبر حق ..... فيعذب اللحم متصلاً بالروح متصلاً بالجسم فيتالم الروح مع الجسد[1]

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذاب قبر اور منکر و نکیر کا سوال برحق ہے اور قبر کا دباؤ بھی برحق ہے..... جسد کو عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسد کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)۔

قاضی شوکانی (م ۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔ آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے۔ احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه و سوال التثبيت له لانه يسئل فى تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

---

[1] شامی باب الجمعہ جلد ا صفحہ ۶۰۱

http://mujahid.xtgem.com

وفیه ایضاً دلیل علیٰ ان المیت یسئل فی قبرہ وقد وردت بہ ایضاً احادیث صحیحۃ فی الصحیحین وغیرھما وورد ایضاً مایدل علیٰ ان السوال فی القبر المختص بھذہ الامۃ کما فی حدیث زید بن ثابت عند مسلم ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا و بذالک جزم الحکیم الترمذی۔[1]

ترجمہ۔ اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کی مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی استدعا ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا جا رہا ہوتا ہے ——— اور اس میں حیاتِ قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچتی ہیں ——— اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس امت کے لیے قبر کی ایک آزمائش ہے حکیم ترمذیؒ (م) بڑے جزم سے اس کے قائل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیات فی القبر کا ثبوت حد تواتر کو پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تواتر سے ہونے والے امور کا انکار قطعیات اسلام کا انکار ہے۔

قاضی شوکانی نے دفن کے بعد قبر کے پاس ٹھہرنے اور میت کے لیے دعا کو صرف مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے فقہ شافعی کی مشہور کتاب منہاج میں ہے:۔

ویسن ان یقف جماعۃ بعد دفنہ عند قبرہ ساعۃ یسألون لہ التثبیت۔[2]

---

[1] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۳۹ [2] منہاج جلد ۱ صفحہ ۲۴۴

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لیے (میت کے لیے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔

منہاج کی شرح زاد المحتاج میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے [۱]

اذا دفنتمونی فاقیموا بعد ذلک حول قبری ساعۃ قدر ما تنحر جزور و یفرق لحمہا حتی استانس بکم۔ [۲]

ترجمہ۔ جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت بانٹا جا سکے (اتنا وقت اس لیے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانی نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گو وہ ادنیٰ ہو اس امت کی خصوصیت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عذاب امتہ فی قبورھم۔ [۳]

ترجمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپکی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔

اب آگے چلیں:۔

عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

واختلف فی ھذہ الحیٰوۃ فذھب کثیر من السلف الی انہا حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندری کما فی ھذہ النشأۃ۔ [۴]

---

[۱] زاد المحتاج جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ [۲] صحیح مسلم جلد صفحہ [۳] حجۃ اللہ البالغہ جلد صفحہ مترجم صفحہ ۱۰۱
[۴] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور اس قبر کی حیات میں اختلاف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح و جسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔

حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سے میت کو عذاب قبر ہوتا ہے

والجمہور علیٰ عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السوال علیٰ وجہ لا یحس بہ اہل الدنیا الا من شاء اللہ تعالیٰ منھم۔[1]

ترجمہ۔ اور جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض حصہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق جگہ پھیل چکے ہوں ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو پھر یکجا کر دے گا۔ اور اس پر برزخ کی واردات ہوں گی۔ یہ کوئی مسئلے کا رخ نہیں ہے۔ جب ہم اسے (روح کو) کسی اور برزخی بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ جب اس کا ایک اور حل ممکن ہے تو ہم اس پیچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں۔ ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ دوسرے مقامات پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ وہ منکرین پر حجت ہو سکے اور جس طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آ سکیں۔

---

[1] روح المعانی جلد ۱۲ ص ۵۵ ۲

http://mujahid.xtgem.com

اما القول بحیاۃ ھٰذا الجسد الرمیم مع عدم بنیتہ وتفرق اجزائہ وذھاب ھیئتہ وان لم یکن ذلک بعیداً من قدرۃ من یبدء الخلق ثم یعیدہ لکن لیس الیہ کثیر حاجۃ ولا فیہ مزید فضل ولا عظیم منۃ ۔[1]

ترجمہ۔ اور اس ریزہ ریزہ ہوئے جسم میں یکجا نہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشتا ہے اور پھر اسے لوٹائے گا۔ لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں۔ نہ اس میں کوئی خاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال وجواب اور اس کا نعیم وعذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے)۔

یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی انداز جواب ہے یہ آپ فیصلہ کریں۔ عقیدہ کے بیان میں آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علیٰ سائر اجزائہ الاصلیۃ لانھا التی یقوم بھا الانسان من قبرہ یوم القیٰمۃ علیٰ ما اختارہ جمع و اعلم ایضاً ان الروح علی القول بتجردھا لا مستقر لھا بل لا یقال انھا داخل العالم او خارجہ کما سمعت وانما المستقر حینئذ البدن الذی تتعلق وقد نص بعض الصوفیۃ علیٰ انہ لا مانع من ان تتعلق نفس ببدنین فاکثر بل ھو واقع عندھم و ذکر بعضھم ان احد البدنین ھو البدن الاصلی والاٰخر مثالی یظھر للعیان علیٰ وجہ خرق العادۃ ۔[2]

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صـ۲۱ [2] ایضاً جلد ۱۵ صـ۱۶۳

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: جان لو کہ روح کا بدن سے اتصال کسی ایک حصہ بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پرتو انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا بہت سے لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جان لو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا اس صورت میں اس کا مستقر وہ بدن ہوگا جس سے وہ متعلق ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی علمی رکاوٹ نہیں کہ ایک روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ (ان کے ہاں) ایسا واقع بھی ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی۔ جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

اب آیئے ہم آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ (۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۶ھ) مفتی عزیز الرحمٰن (۱۳۴۶ھ) امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۳۷۲ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰنؒ (۱۳۴۶ھ) تھے۔

جماعت اہلحدیث میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح[1]

ترجمہ: قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جسد سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے۔

فان البدن بدون الروح جماد لا حراک له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الی الآخر فلما اشترکا فی الکسب اشترکا فی الاجر والوزر[2]

ترجمہ: بدن بغیر روح کے ایک جمادی چیز ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے پس جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں تو یہ دونوں (نیک اعمال کے) اجر اور (برے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

ثم لا حاجة فی اثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفیه ان العذاب علی البدن المثالی دون المادی وحینئذ لا بعد ان لم نشاهد احدا یعذب فی قبره فان الاسهل ان یقال انه من عالم الغیب واقامة الدلائل العقلیه علیه جهل ومن یطیق ذلک[3]

ترجمہ: عذاب قبر ثابت کرنے کے لیے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور اس صورت میں (بدن مثالی کی تجویز پر) استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب پاتے نہ دیکھ سکیں۔ اس سے زیادہ سہل بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں (جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کر بھی کون سکتا ہے۔

---

۱ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۸۵ ۲ ایضاً ص ۱۱۵ ۳ ایضاً جلد ۱ ص ۲۷۶

http://mujahid.xtgem.com

فیصلہ مفتی اعظم دیوبند حضرت مفتی عزیزالرحمٰن صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۴۶ھ)

۱. قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علیین ہے یا سجین۔

۲. عذاب روح پر مع الجسم ہوتا ہے[1]

حضرت مولانا حسین علی صاحب (۱۳۶۲ھ)

اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کرتی ہے اور تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ گو بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث متواترہ وارد ہیں۔[2]

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں کسی غلطی کو قرار نہیں، نہ امت کو اس پہ رہنے دیا جاتا ہے۔ اس امت میں صدی وار مجددین آتے رہے جو اس کے دین کو بیرونی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں۔ سو جو شہادت چودہ سو سال سے ایک ہی نہج پہ آرہی ہو اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس عذاب یا راحت کو اس بدن عنصری سے بالکل لاتعلق نہیں رکھا جا سکتا۔ اور ان واردات برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:-

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عود مے کند روح بسوئے بدن وقت سوال و ایں تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان ریزہ ریزہ و متفرق و منقسم گردد۔[3]

ترجمہ۔ روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور یہ تعلق بعد میں بھی رہتا ہے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ صفحہ ۴۲۷ مطبوعہ دیوبند [2] تحریرات حدیث صفحہ ۲۵۷ [3] التنکیت صفحہ ۳۲

http://mujahid.xtgem.com

وجملہ اموات از مومنین وکفار از حصول علم وشعور وادراک وسماع وعرض اعمال ورد جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء وصلحاء نیست۔[1]

ترجمہ جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر برزخ کے علم وشعور اور ادراک سماع اور عرض اعمال میں اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ برزخ کی زندگی میں انبیاء وصلحاء کی تخصیص نہیں۔

برزخ کی یہ حیات سب کو حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔

امید ہے نواب صاحب کی اس تصریح کے بعد غیر مقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسد عنصری دونوں کو شامل ہے۔ اللہ رب العزت جسد میت میں ایک ایسی برزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم و لذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات، روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدن عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پہ عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے۔ وہ جس راہ سے بھی ہو اہل سنت کسی ایک پر اصرار نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت سے باہر نہیں۔ ہاں جو نہ اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ کی گود میں جا چکا ہے۔ ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا ــــــ محدثین ان حدیثوں پہ اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹائے جانے کا ذکر ہے۔ گو یہ لوٹایا جانا دنیا کی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے بدن مدفون میں اتنی حیات مانی جا سکے جو وہاں کی الم و راحت کا ادراک کرے۔

http://mujahid.xtgem.com

مسلکِ محدثین — بحثِ اعادۂ روح

محدثین علمِ نبوت کے امین ہیں اور متکلمین اس کے پہرہ دار —— اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا متکلمین نے انہیں انہی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات اور ان کی روایات سے شکست دی لیکن دائرہ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں۔ فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جا سکیں لے جائیں اور کتاب و سنت کے منصوص مسائل کو غیر منصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں۔ مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقلِ انسانی ان کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ متکلمین نے اپنے انداز میں فکرِ اسلامی کا پہرہ دیا لیکن احادِ امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سایوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لیے صراطِ مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے۔ وہ نہ موردِ غضب ہوئے نہ راہ سے بہکے اور بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کر آتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تباینِ عالم کے پردے پڑے ہیں۔ قبر کے اندر جھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالمِ برزخ کی واردات کو پا نہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ مقام پر یہ پردہ کھول دیں۔ علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم لسانِ نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے حضرت خضر کے سپرد کر دیں۔ آخر ہر بات کا جاننا

http://mujahid.xtgem.com

بھی تو ہمارے لیے ضروری نہیں۔ کوئی بیرونی فکری حملہ ہو تو متکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادۂ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی موقف پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پہ کچھ بات کر لی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لیے تصحیحِ روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے۔ ان راویوں کے حالات اسماء الرجال سے ملتے ہیں۔ دیانت اور یادداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں، یہ لائقِ اعتماد ہوں تو روایت قابلِ قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تبئین ہے ممکن ہے اور قرائن (دیگر قریب کے حالات) سے یہ پختہ ہو جائے۔ قرآن کریم نے ہمیں یہ اصولی تعلیم دی ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا ان جآءکم فاسق بنبأ فتبینوا عسیٰ ان تصیبوا
قوم بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین ۝

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبئین کرو (اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفی میں کسی قوم سے جا الجھو اور پھر اپنے کیے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریقِ واردات یہ ہے کہ جونہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلافِ نظر سے گزرا اچک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو۔ جب تک اس کے خلاف واضح السبب

http://mujahid.xtgem.com

جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح و تعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا ——— جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق واردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں کیا حضرت امام شافعیؒ پر یحیٰی بن معینؒ کی جرح نہیں کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے۔

مامن الائمۃ الا وقد طعن فیہ طاعنون وھلک فیہ ھالکون۔

ترجمہ۔ ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ رواۃ کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور معدلین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لاٹھی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر رہے کہ تصحیح حدیث صرف تعدیل رواۃ سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح و تصدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:۔

اذا العمدۃ فی زماننا لیس علی الرواۃ بل علی المحدثین والمقیدین والذین عرفت عدالتھم وصدقھم فی ضبط اسماء السامعین[1]

ترجمہ۔ ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت جانی جا چکی

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۱ ص۴

http://mujahid.xtgem.com

اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا جاچکا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی صداقت کو دو سطروں میں اُگل سکیں گے۔ جرح و تعدیل کے مقتدر امام عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:۔

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلل الحديث من اين قلت هذا؟ لم يكن له حجة.[1]

ترجمہ۔ اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتری صداقت ہے آپ اگر کسی علل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر حجت قائم نہ کر پاتے۔

حافظ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الجرح انما جوز فی الصدر الاول حیث کان الحدیث یوخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار ۔ ۔ ۔ اما الآن فالعمدة على الكتب المدونة.[2]

ترجمہ۔ جرح پہلے دور میں اس لیے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادۂ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آئیے اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) جو حضرت امام بخاریؒ

---

[1] معرفة علوم الحديث ص۱۱۳ [2] الکامی فی تاریخ السخاوی کما فی الرفع والتکمیل ص۵

http://mujahid.xtgem.com

اور امام مسلمؒ کے اُستاد ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

حدیث اعادۂ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابومعاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث اعمش سے لی۔ وہ اسے منہال بن عمرو سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں۔ زاذان اسے براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتویں آسمان پر پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام علیین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ کیونکہ :۔

منها خلقتهم و فيها اعيدهم و منها اخرجهم تارة اخرى۔[1]

ترجمہ۔ میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے اُسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں :۔

فتعاد روحه فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربك۔[2]

ترجمہ۔ سو اس کی روح پھر اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھلاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے ؟

صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث[3] مروی ہے اور اسے ابوداؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے۔ سو قبر میں میت پر روح کا پھر سے آنا اس کے علیین یا سجین میں جانے کے منافی نہیں۔

---

[1] ماخوذ من مشکوٰۃ صـ۱۴۲ [2] مسند امام احمد جلد ۴ صـ۲۸۷ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ۵۲۱ ابن جریر جلد ۱۳ صـ۲۱۴ [3] سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۲۹۸ مسند ابی داؤد الطیالسی صـ۱۰۲ میں ہے فیرد الی الارض و تعاد روحه فی جسده۔

http://mujahid.xtgem.com

محدث حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے ـــــ حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:۔

وفی ھذا الحدیث فوائد کثیرۃ لاھل السنۃ وقمع المبتدعۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور اس حدیث اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب اکھاڑ ہے۔

حاکم (۴۰۵ ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر کے منکر تھے۔ ابن حزم (۴۵۷ ھ) بھی اس کے قریب قریب ہوئے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث براء روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح و جسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ کل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر ص) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الاعمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۵) تیسرا راوی منہال بن عمرو ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب جلد ۱۰ ص ۳۲۰) شعبہ اس کی روایت نہ لیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی۔ یہ ہو سکتا ہے کسی نے بے پر کی اڑا دی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے:۔

لم یصح عنہ ذلک وجرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معین والعجلی وغیرھما۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۹ [2] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۲۰

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: گھر سے ساز کی آواز کا سنا جانا ان سے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے مجروح ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحیٰی بن معین اور عجلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں سیٔ المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہو گا کہ یہ ساز کو جائز سمجھتے ہیں جب یہ کہانی ہی غلط ہو گئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں اگلا راوی ابو عبداللہ زاذان الکندی ہے۔ یحیٰی بن معین کہتے ہیں۔ ثقة لا یسئل عن مثله۔ (تہذیب جلد ۳ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ابن حبان اسے کثیر الخطا کہتے ہیں۔ لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں جرح میں متشدد کہا جاتا ہے سو ان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور آپ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اما المنهال فمن رجال البخاري وحديث زاذان مما اتفق السلف والخلف على روايته وتلقيها بالقبول۔[1]

ترجمہ: منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان پر اس کی روایت پر اور اس کی تلقی بالقبول پر سلف و خلف سب جمع ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں:۔

ولم يضع من قدح في صحة هذا الحديث شيأً كابن حزم للنصرة لمذهبه الباطل۔[2]

ترجمہ: جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نصرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔

یہاں بدن میں روح کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

---

[1] شرح حدیث النزول ص ۸۵ [2] اغاثۃ اللہفان جلد ۱ ص ۱۲۷

http://mujahid.xtgem.com

حدیث کی تصحیح کرنیوالے اور اُسے قبول کرنے والے محدثین

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۲ھ) اسے اپنی کتاب کتاب الزہد والرقاق کے ص۴۲ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) میں دیکھیے۔ علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آیئے اب چوتھی صدی میں دیکھیں۔ امام ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جلد ۱۲ ص۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:۔

ھٰذا حدیث صحیح الاسناد[1]

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) اسے مستدرک میں لاکر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ——— ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ علی المستدرک۔

علامہ ابوالمظفر الاسفرائنی (۴۷۱ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

واخبر انہم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتٰی فی القبور مالا یحصی من الای والاخبار والآثار[2]

ترجمہ: اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو انکی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کیے جانے پر اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] الترغیب والترہیب جلد ۲ ص۲۰۵ [2] التبصیر ص۱۵۸

http://mujahid.xtgem.com

ساتویں صدی کے علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں:۔

وروی الامام احمد و ابوداؤد باسناد صحیح عن البراءؓ [1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد السجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازبؓ (صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

ورواہ الامام احمد وغیرہ وھو حدیث اجمع رواۃ العلم علی شھرتہ و استفاضتہ وقال الحافظ ابو عبداللہ بن مندہ ھذا الحدیث اسناد متصل مشھور رواہ جماعۃ عن البراء [2]

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے کہا ہے اس حدیث کے سب رواۃ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہے اسے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال [3]

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نکیر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:۔

وھو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ [4]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

[1] مختصر تذکرہ قرطبی للشعرانی ص۳۲ [2] شرح حدیث النزول ص۴۷ [3] الیضاً ص۵۱ [4] اجتماع جیوش الاسلامیہ ص۳۵

http://mujahid.xtgem.com

ھذا حدیث مشهور مستفیض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احداً من ائمة الحدیث طعن فیه بل رووه فی کتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدین فی عذاب القبر ونعیمه ومسئله منکر ونکیر وقبض الارواح وصعودها الی بین یدی الله ثم رجوعها الی القبر۔[1]

ترجمہ۔ یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے اسے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو۔ بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب و ثواب اور سوال نکیرین اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اللہ کے حضور حاضر ہونے اور پھر سے قبر میں چلے آنے کے باب میں ایک اصل ٹھہرایا ہے۔

فالحدیث صحیح لاشک فیه۔[2]

ترجمہ۔ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ سبکیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ورجال اسناده کلهم ثقات۔[3]

ترجمہ۔ اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نورالدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاد ہیں نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، آپ لکھتے ہیں:۔

رواه احمد ورجاله رجال الصحیح۔[4]

---

[1] کتاب الروح صفحہ ۵۹ [2] ایضاً صفحہ ۵۶ [3] شفاء السقام صفحہ ۱۵۰ [4] مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۵

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔[1]

تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث۔[2]

ترجمہ۔ روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔

دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :۔

وقال ابن تیمیۃ الاحادیث متواترۃ علیٰ عود الروح بالبدن وقت السوال۔[3]

ترجمہ۔ اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر درجے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں :۔

زاد فی حدیث البراء فتعاد روحہ فی جسدہ۔[4]

ترجمہ۔ اور حدیث براء میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔

سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :۔

فتعاد روحہ فی جسدہ ظاھرا لحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء بدنہ۔[5]

ترجمہ۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) نے بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرمائی ہے۔[6]

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ۵ ص ۵۰۴ [2] فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۴ [3] شرح الصدور ص ۶۰ مصر
[4] فیض القدیر جلد ۱ ص ۴۷۲ [5] مرقات جلد ۴ ص ۲۵ [6] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷ ص

http://mujahid.xtgem.com

واختلف فی ان المیت یعذب باحیاءہ فی القبر او یجعل الروح فی مقابلته او بنوع اٰخر مایعلمه الله ولا نعلمه والاظہر الاصوب انه بالاحیاء واعادة الروح وھو ظاھر الاحادیث۔[1]

ترجمہ: اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر میں اسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس کے جسد کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے (کہ وہ جسد اس کے تعلق سے عذاب پائے) یا کسی اور طریقے سے جسے خدا ہی جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھیر لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔

تیرہویں صدی کے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فیعاد روحه فی جسدہ وکذا قال فی الکافر فیعاد روحه فی قبرہ قال ابن عبد البر ھذا اصح ما قیل۔[2]

ترجمہ: پس میت کی روح اس کے جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لوٹائی جاتی ہے۔ ابن عبدالبر مالکی کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تواتر کا دعوے کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں قیل و قال کی حاجت نہیں:۔

وقد وردت بذلك احادیث کثیرة بلغت حد التواتر۔[3]

ترجمہ: اور اس پر احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حد تواتر کو پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:۔

والجمہور علی عود الروح الی الجسد۔[4]

ترجمہ: جمہور اہل اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

---

[1] تنقیح اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ [2] تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ [3] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۹۷ [4] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۵۷

http://mujahid.xtgem.com

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں۔

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال واین تعلق ہمیشہ می ماند اگرچہ جسد جاں دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد[1]

ترجمہ: روح سوال نکیرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودھویں صدی کے مولانا السید احمد حسن (ھ) لکھتے ہیں:۔

وقال البیہقی ھذا حدیث صحیح الاسناد۔[2]

ترجمہ: امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔

والحدیث صحیح۔[3]

ترجمہ: اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کی روشنی میں کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کرسکے گا کہ دنیا اور آخرت کے مابین ایک برزخی زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن عنصری یا اس کے ذرات منتشرہ سے قائم رہتا ہے۔ یہ تعلق اعادۂ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں۔ یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح سے اور باہر غذا اور نشوونما سے ——— وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمیہ کے بغیر قائم ہوتی ہے اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں۔ الا یہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں۔ قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے گناہ کئے ہیں۔

---

۱ التنکیت ص ۲۳ ۲ تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص ۳۱۴ ۳ ایضاً ص ۳۱۶ ۴

http://mujahid.xtgem.com

ایک سوال اور اُس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) سے پوچھا گیا میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہونا ہے تو اس پہ کافور ملنے کا کیا فائدہ؟ —— حضرت علامہ نے جواب دیا۔

الحکمۃ ماھو مقرر عند اھل السنۃ والجماعۃ من ان البدن ینعم بانواع النعیم کالروح وحیثما بقی اتصل بہ النعیم الیٰ ان —— فان البدن بینہ و بینہا عنایۃ الارتباط و المناسبۃ[1]

ترجمہ: جو چیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی طرح مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور رہے اور جب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان نہ رہے کیونکہ بدن اور روح کے مابین ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر اُن سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؛

فاجاب بالذی فی البخاری انہ یسئل قاعداً و کذا فی ابن ماجہ[2]

ترجمہ: آپ نے جواب دیا جو بات صحیح بخاری سے ملتی ہے یہی ہے کہ اسے بٹھا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃً بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی مربوط رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وچوں قومے از مبتدعہ واہل ہوا کہ اکثر معتزلہ و بعضے روافض باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و احادیث مشہورہ کہ قدر مشترک ازاں بحد تواتر رسیدہ

---

[1] فتاوےٰ کبریٰ جلد ۲ صہ [2] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

دراں ورود یافتہ است و سلف صالح پیش از ظہور اہلِ بدعت و انکار ایشاں ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آں و اعتقاد بداں . . . . . واختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواہد مارا بدریافت کہنہ حقیقت آں راہ نباشد وحق آں ست کہ باحیاء است. چنانکہ ظاہر احادیث دال ست برآں.[1]

ترجمہ ۔ اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کرنے والے کہ بیشتر ان میں معتزلہ ہیں اور کچھ رافضی بھی ہیں عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور شہرت کے درجہ میں پہنچی ہوئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتیوں کے ظاہر ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے

ہاں ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے جسد کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں ــــ اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ زندہ کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں.

اگر اتنا بھی تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم و راحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے. لیکن یہ حضرات اگر اسی پہ مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم و راحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال سکے گا. انہیں چاہیئے کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بدیں قدر الم و راحت در میت برحق ہے. حضرت شیخ ؒ لکھتے ہیں :-

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۱۴

http://mujahid.xtgem.com

اگر ہمیں قدر بدانند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بداں چیزے اَلم

وراحت دریابد دراعتقادِ صحیح کفایت است۔[1]

ترجمہ۔ اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مردے میں ایک ایسی حالت پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ اس سے الم و راحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیحہ کے لیے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل بے جان اور بالکل بے حس و شعور مانیں تو پھر اسکے بدعتی عقیدہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہلِ حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے

اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام معتزلہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے

اظہارِ تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیۃؒ فی بعض مناسکہ۔

ثم یاتی الروضۃ بین القبر والمنبر فیصلی بہا ویدعوا بما شاء ثم یأتی

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیستقبل جدار القبر ..... ویقف متباعداً

کما یقف لو ظھر فی حیاتہ بخشوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف

مستحضراً بقلبہ جلالۃ موقفہ ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ و

برکاتہ السلام علیک یا نبی اللہ وخیرتہ من خلقہ السلام علیک یا

سید المرسلین وخاتم النبیین وقائد غر المحجلین اشھد ان لا الٰہ

الا اللہ واشھد انک رسول اللہ۔[2]

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ا صد ۱۱۴ [2] الصارم المنکی صد ۹

http://mujahid.xtgem.com

وفات کے بعد دُنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جو روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تصرف سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہو تو یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور نشو و نما اس کے آثار میں سے ہے۔

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ و اعلیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات النبی کی بحث میں عوام کے لیے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائیٹل پر یہ الفاظ لکھ دیئے۔ مکین گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان۔ مبادا کوئی اس حیات طیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنا یہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ رجعت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا۔

——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے۔ گو یہ اس عالم کے لیے کھلی زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے۔ لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے۔ نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔

ایک سویا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں بیٹھ کر ذبح کر رہا ہے۔ مگر اس کے پاس بیٹھنے

http://mujahid.xtgem.com

والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پہ قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنا دے کہ اُدھر پورا عمل ہو اور اِدھر حرکت تک محسوس نہ ہو، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر یہاں (اس دُنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے حق میں پُوری حسی ہو آپ اسے اسی طرح طرح محسوس کریں، جیساکہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو اللہ رب العزت بے شک اس پہ قادر ہے کہ اس جسدِ اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے، جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دُنیا والوں کو اس بدنِ اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسدِ اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا۔ اس طرح نرم و نازک اور تازہ نہ رہتا، جیساکہ وہ روضۂ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے۔ جیساکہ رکھا گیا تھا:۔

وهو اليوم كما وضع[1]

ترجمہ:۔ اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیساکہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسدِ اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے۔ جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسدِ پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے۔ جس سے آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سُنتے ہیں۔ آپ عالم برزخ میں اپنے جسدِ اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ کے لیے قبر مبارک کی وہی وسعتیں نہیں جو ہمیں روضۂ مبارکہ کی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مسافتوں اور لطافتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت

---

[1] ہدایہ باب الجنائز جلد ا صلا

http://mujahid.xtgem.com

جو ان عجائب اور کوائف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء نہیں یہ بحث ضمناً آگئی ہے۔ حیات انبیاء پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداء کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو برزخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں، نہ اس میں تصرف آب وہوا ہے نہ مادی نشو ونما ہے۔ برزخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے

بدن عنصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح کا عود کر آنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے۔ روح و بدن کے تعلق کی یہ ایک جدی نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

ان الروح تعاد بین الجسد والکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھی نوع اخر وغیر تعلقھا بہ حال النوم وغیر تعلقھا بہ وھی فی مقرھا بل ھو عود خاص للمسئلۃ۔[1]

ترجمہ بیشک روح جسد اور کفن میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر لوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس کے بدن کو روح سے نیند میں حاصل تھا اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد سے اپنے مقر میں موجود ہوتے ہوئے بدن سے حاصل تھا یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھر پلٹنا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جو ان تمام پہلے تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بدن میں لوٹتی ہے

شرح عقائد میں ہے:۔

---

[1] کتاب الروح صدا ۶۱، صد ۲۴۸

http://mujahid.xtgem.com

ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء او فی بعضہا نوعاً من الحیٰوۃ قدر مایدرک الم العذاب ولذۃ النعیم وھذا لا یستلزم اعادۃ الروح الیٰ بدنہ ولا یتحرک ویضطرب۔[۱]

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی لذت پا سکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملۃً) لوٹے اور نہ ضروری ہے کہ وہ حرکت کرے اور ہلے جلے۔

یعنی عذاب قبر کے لیے مطلق حیات چاہیئے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے۔

یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں۔ مگر علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی لکھتے ہیں :۔

ان الحیٰوۃ للمیت لیست کحیٰوۃ غیرہ باعادۃ الروح فی الجسد اعادۃ کاملۃ۔[۲]

ترجمہ۔ میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جسد میں کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادہ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح و بدن کے تعلق کی ایک جدی نوع ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں :۔

ھذہ الحیٰوۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ۔[۳]

ترجمہ۔ قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے

لا تشبہ حیٰوۃ الدنیا۔ وہ حیات دنیوی زندگی کی سی نہیں۔[۴]

---

[۱] شرح عقائد للتفتازانی ص ۹۲ [۲] نبراس ص ۳۲۳ [۳] فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۳ [۴] ایضاً جلد ۳ ص ۳۶

http://mujahid.xtgem.com

الحیٰوۃ فی القبر للمسئلۃ لیست الحیاۃ المستقرۃ للمعھودۃ فی الدنیا التی تقوم فیھا الروح بالبدن وتدبرہ وتصرفہ وتحتاج الی ما یحتاج الیہ الاحیاء بل ھی مجرد اعادۃ لفائدۃ الامتحان الذی وردت بہ الاحادیث الصحیحۃ۔[1]

ترجمہ: قبر میں سوال وجواب کے لیے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں عادی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندے محتاج ہوتے ہیں (جیسے غذا اور نشوو نما) بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعادہ روح ہے جس سے سوال وجواب کا وہ فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) امام قونوی سے نقل کرتے ہیں:۔

قال الامام القونوی اختلفوا فی انہ یخلق فیہ حیٰوۃ مطلقۃ کحیٰوۃ قبل الموت او حیٰوۃ بقدر ما یحس الالم والصحیح ھذا۔[2]

ترجمہ: علامہ قونوی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا کر دی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی ہے جس سے وہ عذاب قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں:۔

ولکل روح بجسدھا اتصال معنوی لا یشبہ الاتصال فی الحیٰوۃ الدنیا بل اشبہ شیٔ بہ حال النائم وان کان ھو اشد من حال النائم اتصالاً وبھذا یجمع بین ما ورد ان مقرھا فی علیین او سجین

---

[1] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ [2] مسامرہ شرح مسایرہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶

http://mujahid.xtgem.com

وبين مانقله ابن عبدالبر عن الجمهور انها عند افنية القبور[1]

ترجمہ: اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے، وہ سونے والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقر علیین میں یا سجین میں ہے اور اس میں جو ابن عبدالبر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت سے کہتے ہیں:۔

در قبر احیاء اماتت حقیقیہ نیست...... کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمے باشد۔[2]

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں۔ اس قبر کی زندگی میں نہ بدن کو یہاں کی غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشوونما ہوتی ہے۔

اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے۔ لیکن صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر الم یا راحت کا ادراک ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے۔ جس میں روح نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اس عالم میں رد الروح الی الجسد اسی درجہ میں ہے نہ کہ کاملاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی

---

[1] مرقات جلد ۴ صفحہ ۲۵ [2] تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۸۲

http://mujahid.xtgem.com

بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا۔ اس لیے اس کو بعض علماء نے حیاتِ برزخی دُنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیاتِ دنیوی نہیں، برزخی ہے۔ یہاں نہیں عالم برزخ میں ہے۔ یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

نہایت تعجب سے دیکھا اور سُنا گیا کہ بعض علماء ان دلوں ایسا پیرایہ بیان اختیار کیے ہوتے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذاللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرامؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا۔ کیا یہ حضورؐ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے۔ اگر آپؐ زندہ ہوتے تو صحابہؓ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ

جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ وعظ کر رہے ہیں۔ یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب! آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

(۲) ——— اگر صحابہؓ حضورؐ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابیؓ نے یہ کیوں نہ کہا چلو حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں۔ معلوم ہوا وہ آپ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ

یہ مشورہ لینا اور دینا اس دُنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں۔ حیاتُ النبی کے

http://mujahid.xtgem.com

قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں ــــ اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرفیت دنیوی نہیں ہے۔ اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

(۳) ــــ حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ کی آواز سنائی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ

یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ اگلے جہان کی آواز یہاں سنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ تمہارا یہ سوال ان لوگوں سے تو ہوسکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقالِ دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

(۴) ــــ یہ میں کار میں بیٹھا ہوں۔ شیشے بند ہیں۔ میں باہر کے منظر کو دیکھ تو رہا ہوں سن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سنتے ہوں گے۔

تبصرہ

شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان کے داخلی فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

http://mujahid.xtgem.com

آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور کو اس دُنیا میں رہنے والا مانتے ہیں ــــ نہیں. علمائے دیوبند آپ کے انتقالِ دارین کے قائل ہیں. حضورؐ کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے. شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:۔

> آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے ــــ اور از قبیل حیات دُنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر [1]

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں لیکن آپ کے اپنے حق میں وہ حیات حسی جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دُنیا کا تھا. البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لیے مدرک اور مشاہد نہیں. الّا یہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھا دے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپورٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دُنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں ــــ حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں. اس پہلو سے آپ کی حیاتِ دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہل سنت کا مذہب نہیں ہے.

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے

> حیاتِ دنیوی ظاہری کا تو دُنیا میں کوئی بھی قائل نہیں. قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے ؛ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص۱۳ امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئيات. سو یہ ادراک گر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

ہی کے قائل ہیں۔[1]

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اُسے حیاتِ دُنیوی نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیاتِ برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا ملزم نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ حضورؐ کو اس دُنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقالِ دارین کا قائل نہیں۔ (استغفراللہ) ایسا شخص اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے۔ وہ ہرگز اہل حق سے باہر نہیں۔ قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جا سکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل محض اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات النبی میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیاتِ برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو انہی معنی میں سمجھا جائے جو علماء دیوبند اس سے مراد لیتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقالِ دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیرِ طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہئیں جنہیں ہم ابھی مختصر تبصروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشغیب عوام کا سبب تو ہو سکتی ہیں لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں وکفیٰ باللہ شہیدا۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دُنیوی زندگی کہا جا سکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی

---

[1] منقول از رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی صفحہ ۳۲ ماہ جنوری ۱۹۶۰ء

http://mujahid.xtgem.com

بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

یثبت اللہ الذین اٰمنوا منکم بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ۔ (پ ۱۳: ابراہیم: ع ۴ آیت ۲۷)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطا فرماتا ہے [1]

یہ قبر کے سوال اور ایمان پہ ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال و جواب ہے۔ قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیاتِ دنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے۔ سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے یہ ایک کھلی دنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دنیوی زندگی ہے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دنیوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں :۔

الحیٰوۃ الدنیا من السوال فی القبر والاٰخرۃ السوال فی القیامۃ۔ [2]

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے۔

تفسیر خازن میں ہے :۔

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ جلد ۲ صفحہ ۶۸۲ [2] تفسیر زاد المسیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۱

http://mujahid.xtgem.com

الحیوٰۃ الدنیا معنی حیاۃ فی القبر عند السوال[1]

ترجمہ یہاں حیات دنیا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال وجواب کو وفی الآخرۃ سے متعلق کہا ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دیوبند نے ہی کیا ہو۔ بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔

قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر (حیوٰۃ دنیا میں) یا ادھر (حیوٰۃ آخرت میں) دونوں طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔[2]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے مواطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے۔[3]

برزخ صغرے چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور رشنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد۔

ترجمہ برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف لوگوں کے اعتبار سے بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے حدیث الانبیاء احیاء یصلون فی قبورھم سنی ہوگی اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

---

[1] تفسیر خازن جلد ۳ ص۸، قرطبی جلد ۹ ص۳۶۳ [2] تفسیر عثمانی ص۳۲۵ [3] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۱۲ ص۲۹

http://mujahid.xtgem.com

بر سرِ مطلب آمدیم

اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذابِ قبر پر بحث کر رہے تھے حیاتِ نبی کا مسئلہ ضمناً آ گیا، کیونکہ یہ حیاتِ طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ عذابِ قبر اور نعیمِ قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدنِ عنصری سے ہے محض بدنِ مثالی سے نہیں۔ وہ جتنے بھی ہوں مقدورِ باری ہیں لیکن حکمتِ الٰہی اسی میں ہے کہ عذابِ قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو (یا اس کے ذرات منتشرہ ہوں) جو کامل صورت میں آخرت میں معذب ہوگا ــــ دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے۔ عذابِ برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہیئے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر ہو۔ عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں ــــ جمہور اہل السنۃ کا مختار یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے۔ یہ حقیقت اعادۂ روح سے قائم ہو یا تعلقِ روح سے۔ اسمیں دونوں طرف اہلِ حق کی تصریحات ہیں۔ محدثین اعادۂ روح کے قائل ہیں اور متکلمین معتزلہ، کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لیے وسعتِ تعبیر کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیاتِ برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پا سکتا برزخ میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔ بایں ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں، جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں۔ گو یہ برزخی زندگی بھی بعض پہلوؤں سے موطنِ دنیوی میں سے ہو۔

http://mujahid.xtgem.com

حیاتِ برزخی کا دُنیوی پہلو

یہ دُنیا دارالعمل ہے موت پر زنجیرِ عمل کٹ جاتی ہے۔ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیاتِ برزخی کا دُنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

فنبی اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورھم یصلّون تسرد فی ذکر الحیٰوۃ افعالھا لا اصلھا او راد مع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض[1]

ترجمہ: سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں۔ افعال حیات کے بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمالِ حیات مراد ہوں یا اجسادِ حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالمِ برزخ عالمِ تکلیف نہیں۔ یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین (پ۱۴ حجر آیت ۹۹) حکمِ الٰہی ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہے جب تک موت نہ آجائے۔

سو عالمِ برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں۔ قربِ الٰہی میں اور بڑھنے کے لیے ہے۔ یہ ذوقِ عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جسد کی سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

---

[1] تحیۃ الاسلام ص۳۶

http://mujahid.xtgem.com

اعمالِ طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے. انبیاء کی حیات برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جسد کی سلامتی انہیں اس لیے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں پکڑتا. انبیاء وہاں اپنی نقل و حرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے. یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سن سکتے ہیں. الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھادیں یا سنادیں.

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں. اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے. آپ یہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ انک میت و انھم میتون پورا ہوتا اور آپ پھر براہِ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدون برزخ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی.

برزخ کی کلی نفی اور حیاتِ دنیوی کا امتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امتدادِ حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا. آپ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیاتِ دنیوی پر ترجیح دی. حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں. حضور نے مجھے فرمایا:-

ولاحمد ایضا من حدیث ابی مویھبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اوتیت مفاتیح خزائن الارض والخلد ثم الجنۃ فخیرت بین ذلک وبین لقاء ربی والجنۃ فاخترت لقاء ربی والجنۃ.[1]

مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں. پھر آگے جنت ہے مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کی راہ کو لوں. میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے.[2]

---

[1] دیکھیے صحیح بخاری ص ۲۴۱ ج ۲ [2] فتح الباری جلد ۸ ص ۱۱۲ عن احمد

http://mujahid.xtgem.com

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں:۔

انہ لم یقبض نبی حتی یری مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر فلما نزل بہ و رأسہ علی فخذی غشی علیہ ثم افاق فاشخص بصرہ الی سقف البیت ثم قال اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ فقلت اذا لا یختارنا وعرفت انہ الحدیث الذی کان یحدثنا وھو صحیح۔[۱]

ترجمہ: کوئی نبی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے (کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ ہمارے پاس نہ رہیں گے۔ میں نے جان لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کرتے تھے کہ نبی کو (دنیا میں رہنے کا) اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پالیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو بھی ایسا ممکن تھا اور قواعدِ شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کی دنیوی زندگی کا امتداد تھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قربِ الٰہی میں اور آگے بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں تسلسل ہے اور یہ برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے گو یہاں کی آنکھوں سے استتار ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو یہ عین ممکن تھا۔ اس صورت میں آپ صفۃ امکانی میں انک میت و انھم میتون کا وعدہ

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۴۱

http://mujahid.xtgem.com

پورا کرتے اور صعقہ ثانیہ پر پھر اُٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے۔ اس صورت میں آپ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ پہ وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قربِ الٰہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں۔ وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور ذوقِ حیات کے لیے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے۔ جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا وضوء (جو انبیاء کو بعد الوفات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے) قیامت تک کی نمازوں کے لیے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطف ہے۔ اس اعتبار سے آپؐ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتوارث کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک پہنچی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیئے گئے ہیں انبیائے کرام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور اُن کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا سا جسد ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دُنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر بھی کرا دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لیے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضورؐ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے اُن کی برزخی آوازیں نہ سُنی تھیں؟ کیا اعمالِ برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں۔

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آرہی ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

انبیاء کا سلسلۂ عمل رکا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلۂ عمل رُکا نہیں۔ ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پُل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلنے پھرنے کا جہاں یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھیے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ شہداء کے لیے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء کے لیے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں:۔

سرنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال ای واد ھذا فقالوا وادی الازرق فقال کانی انظر الی موسیٰ فذکر من لونہ وشعرہ شیئاً۔[1]

ترجمہ۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے۔ ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق۔ آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسےٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۹۵

http://mujahid.xtgem.com

حضورؐ کا حضرت موسےٰ کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے. عارضی اور مثالی ابدان کے حلیے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں.[1]

صحیح بخاری میں ہے:-

اما موسی کانی انظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی.[2]

ترجمہ. موسےٰ کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں. آپ وادی میں اترتے لبیک کہہ رہے ہیں.

یہ لبیک کہنا اعمال عمرہ و حج میں سے ہے. ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے. حمد و ثنا کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے. لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں. حضرت موسےٰ علیہ السلام کا لبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں اُن کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے. انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں. لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے.

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری دوسری حدیث فاذا موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:-

فان حقیقة الصلوٰة وهی الاتیان بالافعال المختلفة انما تکون بالاشباح لا بالارواح فقط.[3]

ترجمہ. نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجالانا ابدان

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۴۷ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ [3] مرقات جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۴

http://mujahid.xtgem.com

سے ہوتا صرف ارواح سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد المدت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجون قال القرطبی حببت الیھم العبادۃ فھم یتعبدون بما یجدون من دواعی انفسھم۔[1]

ترجمہ: انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے ــــــ تو یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر وادیٔ عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے گزرنے کی خبر دی۔ آپؐ نے کہا:-

مرّ بہ ھود وصالح علیھما السلام علی بکرات خطمھا اللیف ازرھم العباء وارد یتھم النمار یلبون یحجون البیت العتیق۔[2]

ترجمہ: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے گزرے ہیں۔ ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی ــــ ان کی لنگیاں ــــ عبار ــــ اور چادریں ــــ اون کی تھیں۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف کرنے جارہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:-

اسنادہ حسن۔[3]

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۳۳۰ [2] رواہ ابو یعلی والطبرانی ایضاً [3] البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۸

http://mujahid.xtgem.com

محدث شہیر حافظ ابو یعلیٰ (م ۷،۳۰ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔[1]

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آنکلتے ہیں۔ تاہم ان کا جہاں عالم برزخ میں رہتا ہے نہ کہ یہ جہان معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سُرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ اس عالم (برزخ) میں ـــــ نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور ـــــ کبھی فرماتے کانی انظر الیہ۔ گویا میں انہی کو دیکھ رہا ہوں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:۔

ولقد اٰتینا موسی الکتٰب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔

(پ ۲۱، السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکہ یا نظر بندی نہیں۔[2]

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کو دیا گیا اور لیلۃ الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔

جب آپؐ کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری جماعت انبیاء سے بھی ہوئی۔ مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ نے حضرت موسیٰؑ کو ہی پایا تھا۔

---

[1] دیکھئے البدایہ جلد ا صفحہ ۱۱۹ [2] تفسیر عثمانی صفحہ ۵۴۰

http://mujahid.xtgem.com

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

ان کثیراً من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالأذان والاقامۃ عند الدارمی و قراءۃ القرآن عند الترمذی[1]

ترجمہ۔ بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیاتِ انبیاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اراد بالحیٰوۃ فعل الاعمال و اکثر من فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین[2]

ترجمہ۔ حدیث میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے (زندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا) اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال تعطل میں ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں ملا علی قاریؒ تصریح فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں ہو سکتے اور ان اعمالِ حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں :۔

الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح[3]

ترجمہ۔ یہ مختلف قسم کے افعال بجالانا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے ۔۔۔ صرف ارواح سے نہیں۔

حیاتِ شہداء کی بحث میں حیاتِ انبیاء کی یہ بحث ضمناً آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیاتِ انبیاء ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے

---

[1] فیض الباری جلد ۳ ص ۱۸۳ [2] تحیۃ الاسلام ص ۳۶ [3] مرقات جلد ۱ ص ۱۵۷

http://mujahid.xtgem.com

یہ کرم فرما معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے۔ فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء سے ملاقات

ہم حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پردے میں زمین پہ آنا اور حضورؐ کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ ان میں موسےٰ علیہم السلام کی ملاقات بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت سے کہا گیا ہے:۔

فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔ (پ ۲۱: السجدہ، آیت ۲۳)

ترجمہ: آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح الشہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پہ آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء نے حضورؐ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پا سکتا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے۔

جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں متجسد ہوتی ہیں۔ انبیاء کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متجسد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ تھی۔

محدثین نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہو سکتا ہے انبیاء کرام اپنے اجسادِ اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح و اجسام دونوں سے ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

واما الذین صلوا معہ فی البیت المقدس فیحتمل الارواح خاصۃ ویحتمل الاجساد بارواحہا۔[1]

[1] فتح الباری جلد، ص ۱۴۷

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ وہ انبیاء جنہوں نے اس رات حضورؐ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو سکتا ہے کہ وہاں صرف روحیں متجسد ہوئی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آئی ہوں۔

ان ارواحهم تشكلت بصورة اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقاة النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشريفاً و تكريماً و يؤيده حديث عبدالرحمن بن هاشم عن انس نفيه و بعث له آدم و من دونه من الانبياء[1]

ترجمہ۔ ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں ایسا حضورؐ کی تشریف و تکریم کے لیے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے لیے حضرت آدم اور دوسرے سب انبیاء اٹھائے گئے (حاضر کئے گئے)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام حضورؐ کے اعزاز و اکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تختِ بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آ پہنچنا مان سکتے ہیں۔ وہ قدرتِ ایزدی سے ان انبیاء کے یہاں آنے اور جانے پر کبھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ آمد تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پا سکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبور سے آئیں بھی اور باذنِ الٰہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں —— اللہ

---

[1] فتح الباری جلد ۷، ص ۱۴۸

http://mujahid.xtgem.com

یہ فاصلہ اور آنا جانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس و مشاہد نہ ہو. جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے.

انبیاء کا اصلی اجساد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے لسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو. جو لوگ ان حقائق کو استہزا سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لیے تیار رہیں. یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے تھے ۔۔۔۔۔ اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے ۔۔۔۔ تو ان میں سے کوئی بات خلافِ عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے.

صلوتھم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لایرده العقل وثبت به النقل فدل ذلک علی حیاتھم[1]

ترجمہ. ان کی (بیت المقدس میں) نماز اور وقتوں میں تھی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں.

ملاقاتِ انبیاء پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں. ارشاد ہوتا ہے :۔

واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا أجعلنا من دون الرحمٰن الٰھة یعبدون. (پ ۲۵ : زخرف. ع ۴ آیت ۴۵)

ترجمہ. اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا کیا ہم

---

[1] فتح الباری کتاب الانبیاء پ ۱۳ صہ مصر مت ۲۷۸ دہلی

http://mujahid.xtgem.com

نے بنائے ہیں رحمٰن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضورؐ کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لاکر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء سے پوچھنا مطلوب نہیں۔ ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کسی پیغمبر نے بھلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کیے ہیں:۔

یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا اُن کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں اُن کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔[1]

http://mujahid.xtgem.com

اول معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اُنہی کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد اُن سے یہی بات پوچھی[2] ـــــ ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہر معنی کہا گیا ہے:۔

قیل ھو علی ظاھرہ بان جمع له الرسل لیلة الاسراء وقیل المراد امم من ای اھل الکتابین۔[3]

ترجمہ۔ کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لیے معراج کی رات

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۶۲۹ [2] دیکھیے تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۹۴ [3] تفسیر جلالین ص ۶۵۱ مصر

http://mujahid.xtgem.com

جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر صریح لفظوں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے۔

فلا تکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراء[1]

ترجمہ۔ سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (حضورؐ اور حضرت موسیٰ) لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وفی الجلالین قیل ھو علی ظاھرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراء[2]

ترجمہ۔ اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کی رات آپ کے لیے تمام پیغمبر اکٹھے کیے گئے تھے۔

پرانے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہیئں۔ شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

والسوال ھٰھنا مجاز عن النظر فی ادیان الانبیاء[3]

ترجمہ۔ انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھیئے۔ امام فخرالدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:۔

القانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقتہ الا اذا قامت دلالۃ عقلیۃ قطعیۃ توجب الانصراف عنہ ومن لم یعرف شیاء لم یخض فیہ[4]

---

[1] تفسیر جلالین صفحہ ۵۵ [2] جلد صفحہ ۷۹ [3] تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۹
[4] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۵

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا اسے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے اس کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیسے اترے گا۔

علامہ البغوی ؒ (۵۱۶ ھ) لکھتے ہیں:۔

فلما فرغ من الصلوٰة قال له جبریل اسئل یا محمد من ارسلنا فکذا قول الزهری و سعید بن جبیر و ابن زید قالوا جمع له الرسل لیلة الاسراء وامران یسأل۔[1]

ترجمہ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول ہیں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔ زہری، سعید بن جبیر، ابن زید کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لیے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

عن سعید بن جبیر قال لیلة اسری به لقی الرسل وفیه ......
واسئل من ارسلنا۔[2]

ترجمہ۔ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحب ؒ (۱۲۲۵ ھ) بھی یہی معنی کرتے ہیں:۔

---

[1] معالم التنزیل جلد صہ [2] درمنثور صہ ۱۹

http://mujahid.xtgem.com

عن ابن عباسؓ قال لما اسریٰ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث اللہ لہ آدم واولادہ من المرسلین الی ان قال جبریل تقدم یا محمد فصلّ بہم فلما فرغ من الصلوٰۃ قال جبریل سل یا محمد من ارسلنا[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی سیر کرائی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے کے تمام انبیاء بھیجے گئے یہاں تک کہ جبریل نے کہا حضورؐ! آگے بڑھیں۔ پس آپ نے انہیں نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے حضورؐ سے کہا۔ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے:-

واسئل من ارسلنا..... الآیۃ قال الزہری وسعید بن جبیر وابن زید ان جبریل قال ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لما اسریٰ بہ فالمراد سوال الانبیاء فی ذٰلک الوقت عند ملاقاتہ بہم صلی اللہ علیہ وسلم وبہ قال جماعۃ من السلف[2]

ترجمہ۔ اور آپ پوچھ دیکھیں ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا زہری۔ سعید بن جبیر اور ابن زید کہتے ہیں جب حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو جبریل نے حضورؐ سے یہ بات کہی سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے وقت آپ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت نے کی ہے۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۸ ص ۳۵۱ [2] فتح القدیر ص ۵۵۷

http://mujahid.xtgem.com

اخرج الطبرانی وابن مردویہ وایضاً فی المختارۃ بسند صحیح عن ابن عباس انہ قال فی الاٰیۃ ای من لقاء موسٰی واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیہ انہ قال کذٰلک فقیل لہ او تقی علیہ الصلوٰۃ والسلام موسٰی قال نعم الا ترٰی الٰی قولہ تعالٰی واسئل من ارسلنا.... ارادبذٰلک لقاءہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاہ لیلۃ الاسراء کما ذکر فی الصحیحین و غیرھما وروی نحو ذٰلک عن قتادۃ وجماعۃ من السلف وقال لہ المبروحین امتحن الزجاج بھٰذہ الاٰیۃ وکان المراد من قولہ فلا تکن فی مریۃ من لقائہ علٰی وعدہ تعالٰی بتبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلقاء موسٰی وتکون الاٰیۃ نازلۃ قبل الاسراء۔[۱]

ترجمہ طبرانی اور ابن مردویہ حضرت ابن عباسؓ سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت موسٰی علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی حاتم ابو العالیہ (۹۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسٰی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مبرد کی رائے بھی یہی ظاہر ہوئی۔ جب آپ نے زجاج کا اس آیت میں امتحان لیا اور یہی مراد الٰہی ہے اور اس آیت میں فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر رہے گی) اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کو موسٰی سے ملاقات کرانے کا وعدہ دیا تھا۔ یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی (سو یہ ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا)۔

---

[۱] روح المعانی جلد ۲۱ ص ۱۳۷

http://mujahid.xtgem.com

عن قتادة قال مسألهم ليلة اسرى به لقى آدم وخازن النار قلت هذا هو الصحيح فى تفسير هذه الآية۔[1]

ترجمہ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان انبیاء سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا۔ آپ آدم علیہ السلام سے ملے

میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ ھ) سعید بن جبیر (۹۵ ھ) زہری (۱۲۴ ھ) ابوالعالیہ (۹۰ ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۴۱ ھ) امام بخاری (۲۵۶ ھ) امام مسلم (۲۶۱ ھ) وغیرہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی صدی کے امام طحاوی (۳۲۱ ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ ھ) بغوی (۵۱۶ ھ) امام نسفی (۵۳۷ ھ) امام رازی (۶۰۶ ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ ھ) قرطبی (۶۷۱ ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ ھ) اور حافظ ابن کثیر (۷۷۴ ھ)

نویں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ ھ)

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ ھ) شوکانی (۱۲۵۵ ھ) اور علامہ آلوسی (۱۲۷۰ ھ)

---

[1] تفسیر کبیر امام رازی جلد ۷ صفحہ ۴۳ مدارک صہ قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۹۴

http://mujahid.xtgem.com

اور چودھویں صدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ[له]

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلنا کے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی صراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کی یہ اقتداء اور حضورؐ سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح و اجساد سے بھی اور برزخ میں ان کے اجسادِ کریمہ پیرایۂ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجازی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہیئے کہ اگر انبیاء کرام اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ اس رات حضورؐ سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس مُوقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ توحید ہی قائم نہ ہوتا ہو۔ اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ توحید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر اے چیرہ دستاں الحذر

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے حاضری کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جراءت وہمت نہیں کرتے ؛ محض اس لیے کہ کہیں اُن کے معتقد ان سے بگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) کا پیرایۂ بیان ملاحظہ

[له] ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائه قال قد کان قتادہ یفسرها ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قد لقی موسی لیلة الاسراء . . . . ووافقه علیه جماعة منهم المجاهد والکلبی والسدی۔ (فتح الملهم جلد ا صفحہ ۳۲۹)

http://mujahid.xtgem.com

فرمائیں. کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کیئے. ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

قال الحافظ السیوطی استشکل رؤیۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرہ فی قبورھم واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم اذا حضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ تشریفا و تکریما لہ[1]

ترجمہ. حافظ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں (حضورؐ کی) ان انبیاء کرام کی آسمانوں پہ ملاقات پر ایک اشکال وارد ہے. ان کے اجساد عنصری تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان سے آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے ان کی ارواح خود ان کے اجسام کی صورت میں متشکل ہو گئی ہوں یا ان کے اجساد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے اور آپ کی تشریف و تکریم کے لیے (ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں.

کیا یہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟ پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

الذین صلوا معہ فی بیت المقدس ..... ثم اجسادھم کارواحھم لطیفۃ غیر کثیفۃ فلا مانع لظھورھم فی عالم الملک والملکوت علی وجہ الکمال بقدرۃ ذوالجلال ..... فان حقیقۃ الصلوۃ وھی الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح[2]

ترجمہ. جن حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس رات نماز پڑھی ..... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کثیف نہیں ہو یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں اللہ ذوالجلال کی قدرت سے اس کامل پیرایہ میں (روح و بدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں ..... نماز کی حقیقت

---

[1] مرقات جلد ۱۱ صفحہ ۵۶

http://mujahid.xtgem.com

اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے شفاھًا ملاقات تھی یہ کوئی خواب کی بات نہیں حضورؐ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی (ماسوائے حضرت عیسیٰ کے) اور یہ قدرتِ خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات جو دوسرے انبیاء سے ملاقات ہوئی اس میں آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام سے کوئی اور ملاقات بھی ہو گی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء سے اس طرح کی ملاقات ہو گی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی یہ ملاقاتیں ان کی قبور پہ ہوں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیبِ احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

حافظ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

فکذلک عیسیٰ اذا نزل الی الارض یری الانبیاء ویجتمع بھم ومن جملتھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ عنہ ما احتاجہ الیہ من احکام الشریعۃ[1]

ترجمہ۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

---

[1] الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱

http://mujahid.xtgem.com

ہیں. سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضورؐ سے مُلاقات

حافظ ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ[1]

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) بھی اسے حافظ ابو یعلیٰؒ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

انہ علیہ السلام یاخذ الاحکام من نبینا صلی اللہ علیہ وسلم شفاھًا بعد نزولہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف واید بحدیث ابی یعلیٰ والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد لاجیبنہ۔[2]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر آپ سے مواخذہ احکام کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محدث ابی یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے۔ پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور (سلام کہیں)

---

[1] مسند ابی یعلیٰ جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ الحاوی جلد ۲ صفحہ ۲۹ [2] روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۵

http://mujahid.xtgem.com

یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضورؐ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

فلیسلکنّ فج الروحاء حاجًا او معتمرًا فلیقفن علی قبری فلیسلمن علی ولأردن علیه۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ روحاء کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پہ بھی ضرور ٹھہریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پہ سلام لوٹاؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ فج روحاء سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے۔

لیهلن ابن مریم بفج الروحاء حاجًا او معتمرا او لیثنیهما[2]

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ فج روحاء کے مقام سے حج یا عمرے کا (احرام باندھیں گے) تلبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قران کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برزخی زندگی میں ـــــــ البتہ لیلۃ الاسراء کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات اپنی دنیوی زندگی میں تھے ـــــــ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس رات شرف صحابیت بھی پاگئے۔ کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (جب کہ آپ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے) ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسراء میں حضورؐ کو دیکھا تھا ـــــــ مگر آپ چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پہ چلے گئے اس لیے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہی رہا۔

---

[1] الحاوی جلد ۲ صفحہ ۲۹ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۰۸

http://mujahid.xtgem.com

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے چھینتے نہیں. ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دور محمدی ہے اور قانون شریعت محمدی —— حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی طور پر قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیا دینی حکم نہ ہو) نہ آسکے گی. یہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء اور حضور خاتم الانبیاء سے ہوں گی اور حضور ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی —— لیکن کب؟ جب اللہ چاہے ان کی دنیوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حنفیہ کا ہی موقف نہیں. فقہ شافعی کے جلیل القدر امام علامہ یوسف الاردبیلی (م ۷۷۹ھ) فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں۔

وکان صلی اللہ علیہ وسلم یوخذ عن الدنیا عند تلقی الوحی ولا تسقط عنہ الصلوٰۃ وغیرھا ومن یراہ فی المنام فقد راٰہ حقًا ولکن لا یجب العمل بما یسمعہ الرای منہ لعدم ضبطہ ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد۔[1]

---

[1] کتاب الانوار جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ مصر ۱۳۶۲ھ۔

http://mujahid.xtgem.com

جب برزخ مواطنِ دینوی میں سے ہے تو عالمِ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں۔ انبیاء کرام کا آسمانوں پہ جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حضورؐ سے ملے کوئی امر بعید نہیں ہے۔ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امرِ مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے۔ اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اُتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید۔

ان اعمال کو (جو ان حضرات کے عالمِ برزخ میں جاری ہیں) ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزل مواطنِ دینوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

برزخِ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطنِ دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند وحضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد[۱]

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطنِ دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف درجوں کے لوگوں میں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے حدیث الانبیاء احیاء یصلون فی قبورھم سنی ہوگی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

---

[۱] مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۲۹/۳۰ نمبر ۱۲

http://mujahid.xtgem.com

ہائے ہم کس کے سامنے یہ داغ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے اندازِ گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (پ ۱۴ الحجر آیت ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم برزخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں یہ حضرات انبیاء تلذذاً مصروف عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شانِ ارتقائی ہے۔ یہ قرب عالم خلق کے قبیل سے ہے۔ قرب عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لیے ہے تو پھر یہ جنت میں یادِ الٰہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یادِ الٰہی کا ثبوت

http://mujahid.xtgem.com

وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔ (پ ۸ : الاعراف : ع ۵ آیت ۴۳)

ترجمہ۔ اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشی۔

وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض (پ ۲۴ زمر آیت ۷۴)

ترجمہ سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

ولہ الحمد فی الاخرہ۔ (پ ۲۲ : السبا۔ ع۔ ا آیت ۱)

ترجمہ۔ اور اسی ذات کے لیے آخرت میں حمد ہے۔

دعواھم فیھا سبحانک اللھم۔ (پ ۱۱ : یونس : ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ۔ اُن کی پکار جنت میں ہو گی سبحانک اللھم وبحمدک۔

وقیل الحمد للہ رب العلمین۔ (پ ۲۴ : زمر : ع ۸ آیت ۷۵)

ترجمہ۔ اور وہاں آواز سُنی جائے گی الحمد للہ رب العلمین۔

http://mujahid.xtgem.com

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ حمد باری کی صدائیں ہوں گی یا ذکرِ الٰہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذّت ضرورت ہے اور مقربین اینہ دی وہاں بھی قرب الٰہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سبحانک اللّٰھم بھی پڑھیں الحمد للہ رب العٰلمین بھی پڑھیں ستحیات سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوقِ عبادت کے لیے نہیں پڑھی جا سکتیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح و تحمید پر لگایا جائے گا۔

یلھمون التسبیح و التحمید[1]

ترجمہ۔ ان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں۔

عالمِ برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الٰہی میں مزید سبقت کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں امت کے لیے استغفار بھی جاری ہے۔

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیٔ استغفرت اللہ لکم۔[2]

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو اچھے ہوں۔ ان پر میں حمد باری بجا لاتا ہوں جو بُرے ہوں۔ ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا آپ کی وفات ایک امرِ آنی نہیں بلکہ ایک پورا موطن ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔

یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوباً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لیے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں، برابر امت کے لیے دعائیں فرماتے ہیں۔

---

[1] رواہ مسلم ج۲ ص۳۷۹ [2] رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم جلد ۱ ص۱۳

http://mujahid.xtgem.com

انبیاء کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی۔

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال ہو۔ اس پہ بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی۔ موت پر انبیاء کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہوئے محفوظ رہے اور ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہوتا تھا جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامۂ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال اُن کے اس دُنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ اُن کا اپنا صدقہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ان کا سلسلۂ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی مِلک پہ ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پہ باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملکِ یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ توریث ہوگی نہ تملیک۔

ان کی ازواج ہوں تو اُن کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدتِ وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا[1]۔ اس پہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے الفاظ میں پڑھیئے :-

> آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن

---

[1] لا عدة علی ازواجہ لانہ حی فتزوجھن باقیہ (زرقانی علی المواہب جلد ۵ ص ۳۳۲) لا عدۃ علیھن لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وکذلک سائر الانبیاء (مرقات جلد ۱ ص ۲۵۶)

http://mujahid.xtgem.com

کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان نبی اللہ حی یرزق۔[1]

یہ نکاح اس لیے ناجائز نہیں کہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے ورنہ ازواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا ـــــ حالانکہ انہوں نے تاحیات احاد امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا جا سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اوروں کی وفات جیسی نہیں ـــــ آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیاۃ انبیاء میں کریں گے

انبیاء کے برزخی اعمال اور ان کی برزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آچکی ہے اب ایک سوال یہ اُبھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ارواح شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ کبھی زمین پر سُنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیم رح (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

جمعہ کے دن مومنین کی روحیں اُن کی قبروں کے قریب آتی ہیں[2]

حافظ ابن تیمیہ رح (۷۲۸ھ) بھی اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں:۔

جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا تو اسے وہ روحیں پہچان لیتی ہیں۔

اس پہ علامہ سمہودی رح (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

جب احاد مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا[3]

---

[1] تعظیم الشعائر صفحہ ۱۸ [2] زاد المعاد جلد ا صفحہ ۱۴۴ [3] وفاء الوفاء صفحہ ۱۳۵

http://mujahid.xtgem.com

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی ـــــ برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے املاک ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے املاک ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

اتصال روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مانی جا سکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:۔

لیس المراد بالحیّ ھھنا ما یعاد فیه الروح و یصدر عنه الافعال الاختیاریة بل ما یدرك الالم واللذة فاذا خلق الله فیه ادراکًا ..... یکون حیًا لا جمادًا۔[1]

ترجمہ: یہاں زندہ سے ایسا زندہ مراد نہیں جس میں روح (کاملۃً) لوٹائی گئی ہو اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی مراد ہے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحت قبر پا سکے۔ سو جب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہوگا زندہ ہوگا (گو کسی درجے میں زندہ ہو)۔

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے اور حدیث براء بن عازبؓ گو علماء اہل سنت کے ہاں تواتر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تواتر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ متکلمین نے اعادۂ روح کی بجائے اتصال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پہ حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ھذا جواب اشکال اوردہ المعتزلہ۔[2]

ترجمہ: یہ ایک اشکال کا جواب ہے جو معتزلہ پیش کرتے ہیں (یہ صورت جواب الزامی ہے)۔

---

[1] عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸ [2] نبراس علی شرح العقائد ص ۲۲۲

http://mujahid.xtgem.com

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

بسیارے از اشاعرہ و حنفیہ در اعادہ روح تردد کردہ اند و تلازم روح و حیات را منع نمودہ ؎

ترجمہ. بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لیے روح کا عود کر آنا ضروری ہے۔

اعادۂ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادۂ کاملہ نہیں یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے یہ اعادہ مستمرہ نہیں، اتنا ہے کہ الم و لذت کا ادراک ہوتا ہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادۂ روح کے خلاف پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پ۲۴ الزمر آیت ۴۲ میں ہے:۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہا الموت و یرسل الاخری الی اجل مسمی۔

ترجمہ. اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کی کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنا ٹھہرایا اور دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کرتا ہے موت والے کی روک کے رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے. موت والے کا تعلق بدن سے کٹ جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لیے دو چیزیں لازم ہوئیں۔ ۱. روح کا بدن سے نکلنا اور ۲. آثارِ حیات

؎ جذب القلوب صفحہ ۱۸۶ نقلاً عن المسائرہ

http://mujahid.xtgem.com

کا باقی نہ رہنا ـــــ نیند والے سے آثارِ حیات منتفی نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔[1]

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دُنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منتفی نہ ہوں تو یہ ایک جدی قسم کی موت ہوگی کہ موت آگئی روح بدن سے جُدا ہوئی مگر آثارِ حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃً زائل بھی نہ ہوئی اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ روکے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے روکے رکھنا) قیامت تک کے لیے ہے۔ سو قبر میں تعاد الی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہریہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

---

[1] تفسیر عثمانی ص۶۱۲

http://mujahid.xtgem.com

جواب اہل سنّت

① ——— قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دُنیا) کے اعتبار سے ہے. امساک (موت والے کی روح روک کے رکھنا) اور ارسال نیند والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا دونوں اسی جہان کے عمل ہیں. جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے. یہ حالتیں اسی دُنیا کی ہیں قبر میں روح کا لوٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دُنیا کے حالات میں سے نہیں.

عالم آخرت میں روح کا بدن میں لَوٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مسلّم ہے. سو امساک اُن کے ہاں بھی ہمیشہ کے لیے نہیں. فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنّت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں ——— پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال و جواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے.

② ——— موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کٹتا ہے اور اسے وہ زندگی نہیں ملتی جو اسے پہلے اس دُنیا میں حاصل تھی. قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا. یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنّت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں. حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

ای یقبضھا عن الابدان بان یقطع تعلقھا تعلق التصرف فیھا عنھا.[1]

ترجمہ. اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ارواح کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ و تنمیہ کی صورت نہیں ہوتی.

---

[1] روح المعانی جلد ۲۴ ص ۷

http://mujahid.xtgem.com

حضرت مولانا تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔[1]

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادۂ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تواتر کے درجے کو پہنچتی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

فامساکه سبحانه التی قضی علیها الموت لا ینافی ردها الی جسدها المیت فی وقت ما ردًّا عارضًا لا یوجب له الحیٰوة المعهودة فی الدنیا واذا کان النائم روحه فی جسده وهو حی وحیاته غیر حیاة المستیقظ فان النوم شقیق الموت فهکذا المیت اذا اعیدت روحه الی بدنه کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتامل هٰذا یزیح عنك اشکالات کثیرة۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی ——

اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی

---

[1] بیان القرآن جلد ۱۰ص [2] کتاب الروح ص۵۲

http://mujahid.xtgem.com

بھی ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں لوٹائی جائے تو اس کا حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل ہے —— اس پر غور کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات زائل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کو لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں یہ عامہ اموات دفن ہوتے ہیں۔ ان کی اصل ضد انبیاء کی قبور سے ہے۔ ان کے مزارات کو جہاں زائرین حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضہ جنت ماننے کے لیے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر (جو مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھیئے وہ کس قدر جد و جہد اور جوش و ولولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں —— اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر نہیں وہ عالم بالا میں کسی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آ گیا —— جب یہ بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی قبر ہے —— اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ کرتے —— یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے برتر و افضل ہے اور یہی وہ جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

قبر کی وسعت و فسعت کو اس ظاہری قبر سے کلیۃً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے متصل نہ ہونے دینا یہ ایک اصلی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے دعا کیجیئے اللہ تعالیٰ حق سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے معتزلہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمالیں۔

http://mujahid.xtgem.com

معتزلہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو اقرار کر لیتے ہیں کہ میت کی قبر میں برزخی زندگی برحق ہے اور اس پر الم و راحت کی کیفیتیں بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لیے یہاں کھودا جاتا ہے۔ یہ کوئی عالم برزخ کا مقر ہے یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی قبر کہاں ہے ——— سو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار ——— متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے ——— اثبات شریعت کے لیے فقہاء و محدثین ہی امت کے امناء ہیں ——— ہم کوشش کریں گے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن و حدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلک محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے۔

اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتائے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لیے متکلمین اٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی۔ قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ اس کے ایک پردے کی پہلو کی خبر مزید تھی۔

افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسالک العلماء کے مدعی ہوتے۔

حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے معتزلہ اور کرامیہ کو لاجواب کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔

http://mujahid.xtgem.com

قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں۔

۱۔ واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا (پ۲۵ الزخرف) ۲۔ ولقد آتینا موسی الکتب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (پ۲۱ السجدہ)

۳۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات (پ۲ البقرہ) ۴۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون (پ۴ آل عمران)

یہ آیات گو اس موضوع پر عبارۃ النص نہیں لیکن ان میں اس پر دلالۃ النص موجود ہے۔

پانچ باتیں معلوم ہوئیں:۔

(۱) قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام علاوہ زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالۃ النص سے ثابت ہے

(۲) انبیاء کرام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لیے کافی ہے

(۳) انبیاء کی یہ حیات بعد الوفات ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سب علماء حق قائل گزرے ہیں۔

(۴) جن علماء نے قرآن سے حیاۃ الانبیاء ثابت کی ان کے لیے دعا ہے زادھم اللہ شرفاً ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔

(۵) ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں (لا تشعرون) نہ کہ ان کے لیے پرندوں کی سی زندگی پہ غور کریں۔

http://mujahid.xtgem.com

قبر کی حقیقت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

قبر کا شریعت نے اس کی دلالتِ لغوی کے وراء کوئی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا، یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے[1]. لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا جس میں میت اُتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت وفسحت بتائی جو اس دُنیا سے پردۂ غیب میں ہے۔ سو اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جانے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں[2] اس میں آپس میں ٹکرائیں تو یہ قبر اس میت پر تنگ ہو چکی۔ ورنہ یہی گڑھا عالم غیب[3] میں ایک پورا باغ ہے ـــــ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے شریعت کی[4] اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دُنیا سے بھی اور برزخ سے بھی۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ ص ۳۱۵ [2] فیقال للارض التئمی علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیہا معذباً حتّٰی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذٰلک رواہ الترمذی جلد ۲ ص ۱۲۷ [3] القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران [4] حضرت شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ والمراد بالقبر عالم البرزخ وھو عالم بین الدنیا والاٰخرۃ لہ تعلق بکل منہما (تنقیح اللمعات جلد ۱ ص ۱۸۹) قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ آں گڑھی کہ مردہ را درو گور کنند۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۴۱) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دُنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو

http://mujahid.xtgem.com

صلوٰۃ (نماز) کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے۔ زکوٰۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ حج کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی تخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی تخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے ــــ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں، قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں۔ ہاں اس کی وسعت و فسحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفون (یا اس کے ذراتِ منتشرہ) سے اشراف و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں قبر کسے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے، ملنگوں کی طرح دُور کے چکر دینا ــــ دُور ــــ دُور ــــ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات باطنی فرقے کے لوگوں کو توجچتی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام اطلاقات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھو جائیں۔ جب شریعت نے قبر کی وسعت و فسحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء صادقین کو ملنگ بننے

دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی۔ جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مرتبط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارا دوسرا ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مرتبط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مُردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جا سکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب اسی غیر محسوس قبر میں ہو گا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ لیس المراد به الحفرة التی یدفن فیه المیت فرب میت لا یدفن کالغریق والمحروق والماکول فی بطن الحیوانات یعذب وینعم۔ (تنقیح اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۸۹)

http://mujahid.xtgem.com

کی کیا ضرورت ہے۔

آئیے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ کبھی کہیں کسی اور غیب کی وادی پہ بھی بولا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک آنیوالے وقت کی خبر دی گئی ہے ـــــ فرمایا:۔

اذا القبور بعثرت۔ (پ ۳۰: الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کُرید دی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان لے گی۔ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔

مُردے قبریں کھُلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھُلنے کے بعد۔ یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مُردے زندہ کرکے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اوپر آجائے گی۔ سب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالمِ غیب کی کسی وادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پہ حاضری دیتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پہ بھی یہ بات کہی:۔

اذا بعثر ما فی القبور۔ (پ ۳۰: العادیات آیت ۹)

ترجمہ: جب اُٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مُردے کو کہاں پہ دہ ملتا ہے؟

قرآن پاک میں ہی دیکھئے:۔

فاماته فاقبره۔ (پ ۳۰: عبس آیت ۲۱)

ترجمہ: پھر اُسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مُردے کو پردے میں کیا جاتا ہے۔ یہ

http://mujahid.xtgem.com

یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہوں —— وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کی جائے ۔

لاتصل علی احد منھم مات ابدا ولاتقم علی قبرہ ۔ (پ۱ : التوبہ آیت ۸۴ ع ۱۱)

اور یہی اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس کی قبر پہ کھڑے تھے۔

وقام علی قبرہ ۔[1]

ترجمہ۔ اور آپ اس کی قبر پہ ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پہ کبھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کر سکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جا سکیں۔

قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پہ آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ، اس کی وسعت وفسحت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قبر اسی کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا آگے اس کی ایک برزخی وسعت ہے۔

مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں۔ کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے ؟

بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ بدعت نہیں تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا برزخی کنارہ اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی دوسرے حصے پہ پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا انکار کیسے نکل آیا ؟ برزخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام کے مشاہدات پہ عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے ؟

---

[1] سنن ابن ماجہ صد ۱۰۹

http://mujahid.xtgem.com

قبر احادیث کی روشنی میں

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔[۱]

ترجمہ: میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اب کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا:-

ان المیّت اذا وضع فی قبرہ[۲]

کہ میت جب قبر میں اُتاری جائے ..... الحدیث

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے ——— یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ علیین کی جگہ کے لیے ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقعہ پر فرمایا:-

یھود تعذب فی قبورھا۔[۳]

یہاں قبور کیا انہی گڑھوں کو نہیں کہا گیا ہے ——— کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی۔

(۴) آپ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی؟

ان اولئك اذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجدا۔[۴]

ترجمہ: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پہ (کے پاس) جائے عبادت بنا دیتے۔

---

[۱] سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۱۴ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ [۳] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۸۶

[۴] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۱

http://mujahid.xtgem.com

(۵) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دیکھئے صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۴۴۶ کا باب، ما بین قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنبرہ ــــ الفاظ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں :-

ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ متفق علیہ[1]

ترجمہ۔ جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں۔

(۶) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے :-

قاتل اللہ الیھود اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔[2]

ترجمہ۔ اللہ یہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

(۷) ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

(عن ابن عمر مرفوعًا) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔[3]

ترجمہ جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پہ فرمایا گیا ہے جس پہ ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا۔ اس کی ضرورت ہے۔ مگر کس لیے ؟

---

[1] متواتر السراج المنیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۶ [2] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۶۲ صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۰۱ [3] رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱

http://mujahid.xtgem.com

لقبورنا و بیوتنا "ہماری قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے"[۱]

یہاں قبور انہی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن کیا جاتا ہے نہ کسی پڑے کے جہان کو۔

(۹) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے:۔

یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم وانتم سلفنا ونحن بالاثر۔[۲]

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سوا نہی قبروں کے پاس ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

(۱۰) ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پہ بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا:۔

لا تؤذ صاحب القبر ولا یؤذیك۔[۳]

ترجمہ۔ تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ رہے ہیں تو اور اس سے کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اعلیٰ علیین میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذاء رسانی کے لیے جا سکتا ہے؟

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر۔[۴]

ترجمہ۔ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۸۰ [۲] رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴ [۳] رواہ الطحاوی جلد ا صفحہ ۲۹۶
[۴] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶

http://mujahid.xtgem.com

(۱۲) آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لسانِ شریعت میں قبریں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں۔ یہی گڑھے ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا۔[1]

ترجمہ۔ تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

اذا وضعتم موتاکم فی قبورھم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔[2]

ترجمہ۔ جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔

بھلا کیا اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کرو کیونکہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفر اللہ

(۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے:۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔[3]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں جائے عبادت بنانے والے مردوں اور ان دیئے جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائراتِ قبور پہ لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی بستی میں زیارتِ قبر کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ ان ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

(۱۵) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۵ [2] مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۶۶ [3] رواہ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۰۵ سنن نسائی جلد ۱ ص ۲۲۲ طیالسی ص ۳۵۷ اولہ فی المشکوۃ ص ۱۵۴ وتمامہ فی ص ۷۱

http://mujahid.xtgem.com

بعد نزول وفات پاکر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے لفظ قبر سے کون سی جگہ مراد لی تھی یہی مدینہ منورہ کا روضۂ اطہر یا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی ـــــ اس پہ کبھی فرصت میں غور فرمالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکرؓ وعمرؓ۔[1]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد بھی ہوگی پینتالیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس میرے ساتھ دفن ہوں گے۔ میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے اور ہم دونوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے مابین ہوں گے۔

(۱۶) ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ہے :-

لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری ...... لاجیبنه۔[2]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پہ (سلام کے لیے) ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

(۱۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ قبر کسے کہہ رہے تھے؟

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یصلّی الیه فانه اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔[3]

ترجمہ: اے اللہ! میری قبر کو معبود نہ بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں۔ اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جائے عبادت بنا لیا۔

---

[1] مشکوٰۃ ص۴۸۰ [2] روح المعانی جلد ۲۲ ص۳۵ الحاوی للسیوطی جلد ۲ ص۲۹ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ ص۴۰۶ وبنحوه فی جلد ۸ ص۴۶۴

http://mujahid.xtgem.com

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔[1]

ترجمہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لیے کہا جا رہا ہے۔ یہی نا کہ جسے ہم روضۂ رسول کہتے ہیں

(۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟

الارض کلها مسجد الا القبر والحمام۔[2]

ترجمہ کل صفحۂ زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔

(۱۹) پھر آپ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ نے اعلیٰ علیین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اس کا مشاہدہ کیا تھا؟

مررت علی موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره۔[3]

ترجمہ جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میں قبر موسےٰ پر گزرا ہوا وہ سرخ ٹیلے کے پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ رکھ کر خود بھی بھٹکے اور اوروں کو بھی بھٹکا رہے ہیں اللہ اُن پہ رحم کرے۔

(۲۰) حضورؐ کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرما دیتے ہیں۔[4]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کی روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جماد محض کو روشنی اور اندھیرا دونوں برابر ہیں۔ پھر حضورؐ نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

---

[1] رواه البزار والدارقطنی عن ابن عمر مرفوعاً. قال القاری فی شرح الشفاء صححه جماعة من ائمة الحدیث جلد ۸ صفحہ ۴۶۴

[2] المصنف جلد ۱ صفحہ ۴۰۵ [3] سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ [4] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۴۶

http://mujahid.xtgem.com

قبر کا اطلاق ــــ صحابہ کرامؓ کے بیانات میں

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اسی گڑھے پر رکھی تھی یا عالمِ غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر ـــــ اس پر غور فرمائیں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں. حدیث میں صاف طور پر انہیں قبر کہا گیا ہے. سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:-

مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لیعذبان۔[1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے. آپ نے فرمایا. ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے (یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں).

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ اُحد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت فرماتے ہیں:-

کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد۔[2]

ترجمہ: حضورؐ تین تین اور دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے رہے۔

(۳) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:-

القبر القبر۔[3] یہ سامنے قبر ہے قبر ہے

یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ:-

---

[1] مشکوٰۃ ص۴۲ صحیح بخاری جلد ا ص۲۵ صحیح مسلم جلد ا ص۱۴۱ [2] مستدرک حاکم جلد ا ص۳۶۵ [3] صحیح بخاری جلد ا ص۶۱

http://mujahid.xtgem.com

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادخل رجلاً قبرہ لیلاً واسرج فی قبرہ۔[۱]

ترجمہ۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اُتارا اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

(۵) حضرت بریدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پہ کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ:۔

واوصی بریدۃ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریدا۔[۲]

ترجمہ۔ حضرت بریدۃ الاسلمیؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھ دینا۔

یہاں قبر سے اُن کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھا یا کچھ اور۔

(۶) حضرت عمرو بن عاصؓ (د ۴۷ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور میری قبر پہ مٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا ٹھہرا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جا سکتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں۔ آپ نے فرمایا:۔

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی۔[۳]

ترجمہ۔ پھر تم میری قبر کے گرد ٹھہرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو جائے میں تم سے (اس دوران) مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

من السنۃ ان تاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ وتجعل ظھرک الی القبلۃ وتستقبل القبر بوجھک۔[۴]

---

[۱] سنن ابن ماجہ ص۱۱۰ جامع ترمذی جلد ا ص۱۲۵ [۲] صحیح بخاری جلد ا ص۱۸۱ [۳] صحیح مسلم جلد ا ص۷۶ [۴] مسند امام اعظم ص۱۲۶

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر قبلہ کی طرف سے آؤ پھر تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور تمہارے چہرے کا رُخ قبر کی طرف رہے۔

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قبر امرأۃ بعد ما دفنت۔[1]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ) پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی زندگی کے ہیں جو اس عالم دُنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین برزخ ہے۔ اس کی بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ فتختلف اضلاعہ۔[1]

ترجمہ: پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اس پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر نہیں آرہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں۔ لسانِ شریعت کے ان عام اطلاقات کا کھلا انکار اور تواترامت سے ایک کھلا ٹکراؤ ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہر شریعت کا انکار کر رہے ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پڑے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۱ صہ ۱۲۷

http://mujahid.xtgem.com

معنیٔ قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آیئے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے سُن لیں صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے. آپ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) سے منقول ہے:۔

عن ابی حنیفة ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلة ۔[1]

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) حاضری دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں. حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں. حدیث و فقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے. دین کلام میں متوازی نظریات کا رد امدِ استدلال میں عقل و امکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے. قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں ہیں اور متکلمین جب معتزلہ کے امکانی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں. اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے. ان مُردوں کے لیے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پتہ دینا ہوتا ہے. اس موقعہ پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے. یہ عالم برزخ کی ایک منزل ہے. محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، نہ یہ کہ یہ حدیث و فقہ کی اصطلاح ہے:۔

ولیس المراد به الحفرة التی یدفن فیه المیت فرب میت لا یدفن کالغریق والمحروق والماکول فی بطن الحیوانات یعذب وینعم ویسأل ۔[2]

ترجمہ. قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا جیسے جنگل کے حیوانات

---

[1] العرف الشذی صفحہ ۲۰۲ [2] تنقیح اللمعات جلد ا صفحہ ۱۸۹

http://mujahid.xtgem.com

کھالیں اور وہ ان کے پیٹ میں ہو اسے بھی تو عذاب قبر ہوتا ہے اور سوال و جواب کی نوبت آتی ہے۔

قاضی شمس الدین صاحبؒ بھی اقرار کرتے ہیں :۔

اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محفور فی الارض کو ہی عرف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب الجنائز میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محفور فی الارض ہے۔ مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب، حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے [۱]

ہمیں متکلمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں۔ اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث و فقہ کے سہارے کون لوگ چل رہے ہیں اور کون لوگ متکلمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تشریح کے درپے ہیں۔ حدیث و فقہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضورؐ کے بہت بعد ہوا ہے۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون الفاظ حدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کون سا انصاف ہے اور کون سی شان علم ہے۔

شہداء احد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضورؐ گزرے اور فرمایا :۔

اللھم ان عبدک ونبیک یشھد ان ھؤلاء شھداء وانھم من زارھم او سلم علیھم الی یوم القیمۃ ردوا علیہ [۲]

ترجمہ۔ اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے اور) جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

---

[۱] مسالک العلماء ص ۶۶ [۲] وفاء الوفاء ص ۹۳۲

http://mujahid.xtgem.com

پھر آپ حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر ٹھہرے اور فرمایا :-

اللّٰھم ان عبدک و نبیّک یشھد ان ھؤلاء شھداء فأتوھم و سلموا

علیھم فلن یسلم علیھم احد ما قامت السموات والارض الا ردوا علیہ[1]

اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں. لوگو! ان کے پاس آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو. جب تک زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں.

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ. عالم برزخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین نہ تھی. اعلیٰ علیین یا سجّین نیکوں اور بُروں کے قبرستان نہیں ہیں. یہ تو ملأ اعلیٰ کے دفتر کا نام علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لیے حاضری دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں.

قبر اعلیٰ علیین یا سجّین کا کوئی مقام نہیں. یہ اسی زمین کی جگہ اور مٹی کا گھر ہے. جسے متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں. احادیث نبویہ اطلاقات صحابہؓ اور امام ابو حنیفہؒ کی شہادت آپ کے سامنے ہے. اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سُن لیں. وہ کیا کہتی ہے. حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ تمام لذّتوں کو مٹا دیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی :-

انا بیت الغربۃ وانا بیت الوحدۃ وانا بیت التراب وانا بیت

الدود رواہ الترمذی[2]

ترجمہ. میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کیڑوں کی زد میں ہوں.

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح کے مسکن ہیں ——— یاد رکھیئے قبر آخر قبر ہے. اور وہ یہی ہے

---

[1] وفاء الوفاء ص ۹۳۱ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۷

http://mujahid.xtgem.com

معنیٔ قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ کے سامنے یہ تحریر لکھی۔ اور حضورؐ کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے:۔

وفات کے بعد نبی کریم کے جسدِ اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں[1] محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہوگیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی واردات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں۔ وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے، جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لیے دعا کرنا کس لیے ہے؟ وہاں تو مرنے والا نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لیے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں، ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے لگائی ہے۔ تذکیر آخرت سے ہمیں

---

[1] دیکھئے ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص۵۳ ماہ اگست ۱۹۶۲ء

http://mujahid.xtgem.com

انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن کیا مرحوم کے فائدے کے لیے وہاں جانا اور اس کے لیے دُعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑ پڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پہ ایلام وتنعیم کی کیفیات گزرتی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لیے دعا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے۔

قبر پہ دُعا کے لیے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے:۔

ولا تصل علی احد منہم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ۔

(پ ۱۰ : التوبہ : ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پہ کبھی دعا کے لیے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پہ کھڑا ہونا نمازِ جنازہ کے علاوہ ہے —— کس لیے؟ دُعا کے لیے ——
حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پہ دُعا کی —— یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ علی منافق ولا قام علی قبرہ حتی قبضہ اللہ [1]

سیدنا حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ التثبیت فانہ الان یسئل [2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پہ کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پوچھا جا رہا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ [2] سنن ابی داؤد ، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶

http://mujahid.xtgem.com

اگر یہ سوال و جواب اسی قبر میں نہیں تو اس قبر پہ کھڑے ہو کر اس کے لیے دُعا کیوں؟

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ ذوالجنادین کے جنازہ میں موجود تھے۔ آپ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اُن کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رُخ ہوئے اور مرحوم کے لیے دعا فرمائی۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعًا يديه[1]

ترجمہ: جب آپ اس کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑا ہے تو فاتح مصر سیدنا حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے جلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے دفن سے فارغ ہو جاؤ، تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا۔ تاکہ میں تمہاری حاضری سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر و نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب دے سکوں:۔

ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى استانس بكم واعلم ماذا اراجع به رسل ربي۔[2]

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی کس قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر پر جس میں لوگوں نے اس وقت آپ کو اتارا ہے۔ یہ سوال و جواب جس پر پورا اترنے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ علیین میں یا اس قبر میں ـــ اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھا ہے تو خدا را انصاف کیجیے حضرت عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کر کے کس طرح ان سے مانوس ہونے کے طلب گار ہیں۔

---

[1] رواہ ابوعوانہ. فتح الباری جلد ۱۱ ص ۱۲۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۷۶، مسند احمد جلد ۴ ص ۱۹۹

http://mujahid.xtgem.com

سوال وجواب اسی قبر میں

قبر کا سوال وجواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں. سو اس سے سوال کہاں ہو گا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے (اذا اسئل فی القبر) لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے لفظ قبر کی تخصیص اس لیے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اُتاری جاتی ہیں. سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بنا پر ہے. ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے مچھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہو گی اور وہیں اس سے سوال ہو گا. ملا علی قاری لکھتے ہیں:-

اذا سئل فی القبر التخصیص للعادۃ او کل موضع فیہ مقرہ فھو قبرہ[1]

ترجمہ. جب قبر میں سوال ہو قبر کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا ہر وہ جگہ جہاں اس میت کا مقر ہے وہی اس کی قبر ہے (وہاں یہ سوال وجواب ہوتے ہیں).

یہاں لفظ او (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادتِ عام میں قبر دکھائی نہ دے.

افسوس کہ بعض نادان اس عبارت کو سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے اس سے علیین اور سجین کے مقامات مراد لے لیے. کاش! کہ یہ لوگ اسی صفحہ پہ ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال وجواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے. آپ اس بحث میں لکھتے ہیں:

(وفی الآخرۃ) ای البرزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السوال وھو الصحیح کما وقع بہ التصریح[2]

---

[1] مرقات جلد ا صـ۱۹۷ [2] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: آخرت سے مراد عالم برزخ یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا برزخ یہ قبر اور یہ سعد کی بات صحیح ہے۔
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبل ہمیشہ ضعف مقولہ کے لیے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لیے ثابت قدمی کی دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

فیه مشروعیة الاستغفار للمیت عند الفراغ من دفنه وسوال التثبیت له لانه یسئل فی تلك الحال وفیه دلیل علی ثبوت حیاة القبر وقد وردت بذلك احادیث کثیرة بلغت حد التواتر وفیه ایضاً دلیل علی ان المیت یسئل فی القبر وقد وردت به ایضاً احادیث صحیحة فی الصحیحین وغیرهما وورد ایضاً ما یدل علی ان السوال فی القبر مختص بهذه الامة کما فی حدیث زید بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة تبتلی فی قبورها وبذلك جزم الحکیم الترمذی۔[1]

ترجمہ: اس میں میت کے لیے دفن سے فراغت کے بعد مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہوتا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت سے سوال و جواب قبر میں ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلاء کا سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) اسی کے قائل تھے۔

---

[1] نیل الاوطار جلد چہارم صفحہ ۱۳۹

http://mujahid.xtgem.com

مقر اموات بھی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پہ واقع ہوتے ہیں. یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

قرآن کریم میں ہے :-

الم نجعل الارض کفاتا ○ احیاءً و امواتا ○ (پ۲۹ المرسلات آیت ۲۵-۲۶)

ترجمہ. کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا ؟ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو.

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پہ راحت و تکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر اترتی ہے. عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے. قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لیے اٹھنا ہو گا.

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں :-

زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں. انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا ...... جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے. کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا.[1]

جب انسانوں کی تکلیف و راحت اسی زمین پہ ہے اور آخرت کی نجات و ہلاکت بھی اسی زمین پہ واقع ہو گی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی)

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۵۵

http://mujahid.xtgem.com

کیا اس زمین سے جُدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظر راحت قبر ہو یا عذاب قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا۔ جسے اس دُنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سُن سکیں۔

آپ ارواح کے مقر علیین یا سجین کو ٹھہرالیں آپ کو کون روکتا ہے لیکن ابدان یا ابدان کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اُسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لیے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں اُن کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدان ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبریں دی گئی ہیں کیا مرنے کے بعد یہی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لیے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نے نہیں کیا؟

منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى

ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اُٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقاعدہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت و الم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے مابین ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے، مگر بعض خاصان خدا کے لیے وہ کبھی کرامتہً اٹھتا بھی ہے یہ یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کی کوئی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

عالمِ برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

احبابِ گرامی قدر! تم اس برزخی زندگی کے لیے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں کھو گئے۔ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لیے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی تمہیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لیے اس کا ماننا مشکل ہے کیا یومنون بالغیب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن و حدیث چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لو گے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے۔

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں۔ اگر کسی جلنے والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرئی صورت میں بھی کہیں نہیں؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے، اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لیے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہراً کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

قرآن و حدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے۔ کسی فوق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعویٰ یہ ہو:-

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر۔

(پ ۲۷، القمر آیت ۱۷)

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ. قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے ہم نے آسان کر دیا ہے. سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ ـــــ کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا لیکن اس کے اصول ہدایت بہت آسان ہیں.

دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیتہً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آ سکے. اللہ تعالیٰ نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت آسان کر دیا ہے. سو اس کے الفاظ انہیں معنوں پر محمول ہوں گے. جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے. اگر کچھ باتیں اس سے ورا ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشاندہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے.

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں.

بلغنا انه من وقف عند قبر النبی صلی الله علیه وسلم فتلا هذه الاٰية[1]

ان الله وملٰئكته يصلون على النبی يا ايها الذين اٰمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما.

ترجمہ. ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور یہ آیت پڑھے. اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو.

پ ۲۲ الاحزاب آیت ۵۶

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ منورہ کا روضۂ اطہر ہی آئے گا. یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقام علیین تک اڑے گا. آخر کچھ تو سوچیے کہاں تک بہکے چلے جاؤ گے.

---

[1] قال القاری فی شرحه رواه البیهقی وابن ابی حدیك وثقه جماعة واحتج به اصحاب كتب الستة ومعنی قوله بلغنا،

http://mujahid.xtgem.com

یعنی قبر پر سعودی پیشوا امام عبدالعزیز اوّل کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بیانات سے نقل کر آئے ہیں اس دور متاخرین میں بھی علماء اسلام نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے۔ نجد کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اوّل لکھتے ہیں:۔

> صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لیے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے۔ صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔[۱]

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی نا کہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضراء میں ہے اور پھر اس کے ساتھ صرف کا یہ کہنا کہ حضور کو قبر میں حیاتِ برزخی حاصل ہے۔ کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء نجد کے عقیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسدِ اطہر میں پڑے میں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا علماء اسلام میں سے آپ کی اس قبر میں حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ اسی حیات سے (اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے میں ہونے کے باعث برزخی کہیں) قبر پہ آنے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پہ ہے کہ ہمارے مخالفین حضور کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ مانتے ہیں نہ حیاتِ برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مبارک

---

[۱] رسالہ مذکور ص۴۱ مترجم مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۲۷ء مطبوعہ امرتسر

http://mujahid.xtgem.com

بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم — جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ کو برزخی حیات بھی ہرگز حاصل نہیں ولم یقل بہ احد من السلف و الخلف من علماء اھل السنۃ والجماعۃ۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے امام عبداللہ کی شہادت

اور حضور کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر منصوص ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں[1]

اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے۔ آپ زائرین کے صلوٰۃ و سلام کو کہاں سُن رہے ہیں۔

سرخیل علماء نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبداللطیف کا تھا اس سے اہل علم ناآشنا نہیں آپ نے مسئلہ عذاب قبر اور مقامِ قبر بڑی وضاحت سے لکھا ہے :-

(۱) شہادت در بارۂ عذاب قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یہ کہ جسموں میں روحوں کو ڈالا جائے گا ایمان لاتے ہیں[2]

(۲) شہادت در بارہ مقامِ قبر اور حیاتِ قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ — اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے — اور آپکی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں[2]

---

[1] دوسرا رسالہ مذکورہ بالا ص ۶۵ مرقومہ ۱۲۸۱ھ [2] چوتھا رسالہ از رسائل مذکورہ ص ۱۱۹

http://mujahid.xtgem.com

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم ہمیں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولو تریٰ اذ الظالمون فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم۔ (پ۷ الانعام ع ۱۱ آیت ۹۴)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھرتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔

فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے:۔

یضربون وجوھھم وادبارھم۔ (پ۱۰ الانفال ع ۷ آیت ۵۰)

ترجمہ۔ فرشتے پیٹتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا۔ اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور سہہ بھی رہا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آ رہے۔ مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملاء اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ یہیں مدینہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کا اختصام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

http://mujahid.xtgem.com

عالم بالا اور کرّہ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہلِ زمین ملاء اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا وہاں آنا جانا نہیں ہوتا ہم جب تک اس دُنیوی زندگی میں ہیں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذنِ الٰہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اُونچے درجے کے اولیاء کیا وہ بھی ملاء اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں ـــــ اُن سے اللہ تعالیٰ نے بارہا یہ پردے ہٹائے ہیں۔ انہیں اس ملاء اعلیٰ سے ایک خاص اُنس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اُتر کر بھی اُن سے مل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملاء اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخل الملئکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ یرید صورۃ التماثیل التی فیہا الارواح۔[1]

ترجمہ۔ فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذوی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سُنی تو باہر نکلے:۔

فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو بجبریل قائم علی الباب فقال ما منعک ان تدخل قال ان فی البیت کلبا وانا لا ندخل بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل دروازے پر کھڑے ہیں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵ [2] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۶۰

http://mujahid.xtgem.com

آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ محاذ خندق سے واپس آئے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا:

اتاہ جبریل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیہم قال فالیٰ این قال ھھنا واشار الیٰ بنی قریظہ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہم[1]

ترجمہ: آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ نے کہا کدھر حضرت جبریل نے کہا۔ ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہو گئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کاملین کے لیے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے جنگِ احد کے دن حضورؐ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے۔

رایت یوم احدٍ عن یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن یسارہ رجلین علیہما ثیاب بیض یقاتلان عنہ کاشد القتال ما رأیتہما قبل ولا بعد[2]

ترجمہ: میں نے جنگ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت جنگ لڑ رہے تھے۔ میں نے انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۰ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۸۰ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۲

http://mujahid.xtgem.com

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں :۔

فرشتہ اپنی اصل ہیئت و صورت میں سامنے آجائے تو اس کی ہیبت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ . . . . دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکلِ انسانی آتے رہے[۱]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

وانهم قد يظهرون لافاضل الادميين فيبشرونهم و ينذرونهم[۲]

ترجمہ۔ اور فرشتے اس زمین پر اونچے درجے کے لوگوں کے لیے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارت اور کبھی نذرات کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں :۔

اذا بهم اجتماعات كيف شاء الله وحيث شاء الله[۳]

اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے۔ اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فوراً عذاب اترتا ہے ——— اس لیے الٰہی حکمت متقضی ہوئی کہ خدا کا پیغام انسانوں پہ اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی ادا میں۔

وقالوا لولا انزل عليه ملك ط ولو انزلنا ملكا لقضى الامر ثم لا ينظرون ٥ ولو جعلناه ملكا لجعلناه رجلا وللبسنا عليهم ما يلبسون ٥ (پ: الانعام ع ۱ آیت ۹)

ترجمہ۔ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اترا اس پہ کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ

---

[۱] معارف جلد ۳ صہ ۲۸۷ [۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صہ ۳۰۹ [۳] ایضاً صہ ۵۹

http://mujahid.xtgem.com

اُتارتے تو اسی وقت منقطع ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پا سکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرفِ طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ملاءِ اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ پہ ملاءِ اعلیٰ کے کچھ جلوے اُتار دیئے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالمِ برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہانوں کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن جسدِ اطہر ایک برزخی پیرایے میں فائزِ حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کونسا علم و دانش کا تقاضا ہے۔ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں یوحیٰ الیّ کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ وکفیٰ باللہ شہیدا۔ برزخ کے بعد عالمِ آخرت ہے۔ اور یہ بھی نبی پاک کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۱۶۶

http://mujahid.xtgem.com

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا ـــــ ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں حقائق و معانی حسبِ حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں۔

عالمِ مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالمِ ارواح[1] کے سوا حیاتِ انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے یہ عالمِ عنصری نہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں:۔

دلت احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالماً غیر عنصری یتمثل فیہ المعانی باجسام مناسبۃ لہا فی الصفۃ[2]

ترجمہ: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں۔ اس میں معانی صفات اور اعراض اُس اُس صورتِ اجسام میں متمثل ہوتے ہیں جو صفات میں اُن کے مناسب ہو۔

یہ گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالمِ شہادت[3] کی وہ چیزیں جو جاندار

---

[1] سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران کا قیامت کے دن آنا اعمال کا، جو اعراض میں متجسد ہونا، دنیا کا بوڑھی عورت کی شکل میں آنا موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳ مصر

[3] عالمِ شہادت اور عالمِ غیب ایک دوسرے اعتبار سے عالم کی تقسیم ہے۔ ان دونوں کو عالم الغیب والشہادۃ (پ۲۸ الحشر آیت ۲۲) ہی جانتے ہیں۔ عالمِ شہادت ہمارے سامنے ہے اور عالم الغیب کی چابیاں تو ہیں اسی کے پاس ـــ اس نے خود جن جزئیات کا پتہ دیا۔ ان کے سوا ان کی خبر غیب بھی کسی کے سوا نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

یا مجسم material body نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں Modes میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مرئی visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی Evil ایک کریہہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالمِ مثال کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ دُنیا کا ایک بُوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا، اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں کبھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں جضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ صورت لی الجنۃ والنار[1] اسی قبیل سے ہے۔ جنت وجہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں۔

عالمِ مثال کا لفظ معانی کی تصویروں کے لیے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لیے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لیے جو اُس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت و دوزخ جو حضورؐ کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبرئیل جو ملاءِ اعلیٰ سے اس جہان میں وحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں۔ جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا، تو یہ عالمِ مثال کی باتیں نہیں معجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعلِ خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الامتؒ عالمِ مثال کو عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کی ایک برزخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالمِ ملکوت اور عالمِ جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ برزخ اس برزخ سے جُدا ہے جو عالمِ دُنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴

http://mujahid.xtgem.com

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات ، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جا سکتی ہے۔[1]

معراج کی رات حضورؐ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہو سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرتِ الٰہیہ وہاں لا جمع کئے گئے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے۔ جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے۔ جو علماء وہاں اصل اجساد کی حاضری کو قدرتِ خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزاء منظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں۔[2]

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ‏ میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ہاں آپؐ نے اُس رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ ان کے سامنے رکھا اچھا صاف ستھرا گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔ یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جا رہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل لٹکی تھیں۔ یہ سب واقعات[3] بے شک ان اشخاص و اعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کو نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اُس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات مل رہے تھے۔ لنریه من آیاتنا انه هو السمیع البصیر کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھیئے ہو سکتا ہے اجساد اصلیہ ہوں اور ہو سکتا ہے

---

[1] سیرت النبی جلد ۳ صفحہ ۲۴۰ [2] و تمثیل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام له (تفسیر بیضاوی صفحہ ۲۸۳ مصر) مثل لی النبیون فصلیت بھم (تفسیر مظہری جلد ص) [3] ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲ میں سے دیکھیئے۔

http://mujahid.xtgem.com

مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس برزخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تو اب وہ جسد عالم برزخ میں کیوں روح کے حکم میں نہیں (معاذ اللہ) بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاں یہ ایک عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپؐ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص طاری کیئے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال و صور میں مشاہدہ کرائے گئے آپ نے متعدد حقائق و معانی اور مجرمین و منعمین کو مختلف اشکال و صور میں دیکھا۔ لیکن یہ سو فی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیرِ برزخی میں اپنے اصلی جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں تھا۔ اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پہ تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

کل ذلک لجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الیقظۃ ولکن ذلک فی مواطن ھو برزخ بین المثال والشھادۃ جامع لاحکامھما فظھر علی الجسد احکام الروح[1]

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفرِ معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالم شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ کے ہیں۔ اس میں عالم شہادت اور عالم مثال دونوں جمع تھے اور جسدِ اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔

آپ کی یہ سیرِ معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسدِ اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جاتے جبریل کے نوری پر جلتے تھے۔ یہ خاکی جسدِ اطہر اس سرحد کو ایک

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۰۶ جلد ۲:

http://mujahid.xtgem.com

آن میں پار کر گیا۔ اب وُہ جسدِ اطہر جب مدینہ میں مختفی ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلاء نہیں کہ روحِ اقدس کے تعلق سے فائزِ حیات ہو وہ تاقیامت قبر میں بے جان و حس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ نے کیا اس کے لیے وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ کی بشارت نہ دی تھی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہو گی۔

ہم نے اس تمہید میں عالمِ ارواح، عالمِ دُنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالمِ مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالمِ مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو اُن کے ہاں عالمِ ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالمِ ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا اُن کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

اما عند علماء الشرع فلیس هناك الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجسام وقد یخطر بالبال ان ما سماه الصوفیة عالم المثال هو الذی سماه اهل الشرع عالم المثال . . . . ولم یبق فرق الا فی التسمیة واما ما سماه الصوفیة الارواح المجردة فلم یبحث عنه العلماء۔[1]

ترجمہ۔ لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں، عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالمِ مثال رکھتے ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالمِ برزخ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجردہ رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

---

[1] فیض الباری جلد ۲

http://mujahid.xtgem.com

اسلام میں ابدانِ مثالیہ کا تصوّر

جو مہربان کوائف برزخیہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالمِ غیب کی کسی چھپی وادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے. حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:۔

دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہِ نظر و عنایت بحال رہتا ہے..

... بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔[1]

اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذابِ قبر کے لیے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے. اب انہیں اس بدن مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پا رہا ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کئے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے —— یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو رد کرنے کے لیے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر اشاعتِ توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی.

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، یہ آپ ان سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی. شریعت میں عالم ارواح اور عالمِ اجساد کے ورا، ہمیں کسی مثالی دنیا کا پتہ نہیں ملا. مثالی صورتیں تو ملیں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے. معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدانِ معذبہ کی مثالی صورتیں تھیں. اصل عذاب قبرِ اصلی (وہ ایک جگہ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو ہو رہا تھا.

---

[1] تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۶۹

http://mujahid.xtgem.com

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لیے بتایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے وہ اپنے کشف سے دیا ہے۔ حضرات صوفیۂ کرام کے ان نظریات کی بنیاد اُن کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں۔ کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر۔ لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لیے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس جسد عنصری کو نہایت احتیاط سے بچا لیا ہو۔

سُنا ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پہ وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شُد پنبہ کجا کجا نہم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کرام کی حیات برزخی کو پرندوں کی صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو ــــــ روح متجسد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجسادِ مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجسد ہو تو یہ عالم ارواح کی ایک صورت ہو گی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہو گا ــــــ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجسد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے بعض اولیاء جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض اُن کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

http://mujahid.xtgem.com

یہ مشاہدات اور عجائب وکوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ گو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بنا، دلائل قطعیہ پر ہونی چاہیے صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بنا بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہیے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر ـــــ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں :۔

> صوفیہ کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں ہے ہمیں اتنا کافی ہے کہ ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اس میں امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ اور ابو الحسن نوریؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص وسرود دین وملت میں داخل کر لیا ہے اور اسی کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں۔[1]

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات جو کتاب وسنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بنا صوفیہ کے مشاہدات اور ادراک مثالیہ پر رکھنا اور اشاعت توحید وسنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم برزخ کا عذاب وثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اُسے صحیح سمجھا ہو۔

صرف انبیاء کرام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو اُن کی خطا اور بقاء علی الخطا سے حفاظت کرتا ہے۔ مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطا سے حفاظت موعود ہو۔ جب وہ گہرائی میں اُترتا ہے تو بات کبھی درست بیٹھتی ہے اور کبھی خطا ـــــ عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پا لے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] مکتوبات حضرت امام ربانی دفتر اول صـ ۲۰۲

http://mujahid.xtgem.com

عارف جامی لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور برزخ کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے —— وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پہ اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے جھونکے یا راحت کی لہریں پہلے روح پہ ہی اتریں اور چونکہ جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ ہے اس لیے وہ بدن پہ آکر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پہ ہوتی ہیں۔ سو کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہو رہا ہے۔ تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی —— عزیزانِ گرامی اس صورتِ حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پہ اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متألم ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذابِ قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پرندے کی صورت میں متجسد ہو اور اس پہ عذاب یا راحت اترے (گو اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسدِ برزخی کو ہو رہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شکوہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاقات کے انکار کا زینہ تو نہ بنائیں۔

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

عذابِ قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ کتب حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے باب بندھے ہیں۔ جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے اَلم د

http://mujahid.xtgem.com

راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں. کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے. عذاب و راحت دونوں پر چلنے تو وہ ہمارے ہاں منکرینِ عذاب قبر میں سے نہیں ہے. بدن یکجا نہ ہو، ذراتِ منتشرہ میں منقسم ہو اور ان پر ایک باریک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اسے بھی منکرینِ عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے. بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لیے شرط نہیں ہے.

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لاتعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پہ ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے ـــــ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی ـــــ محض ضد و عناد سے معتزلہ کرامیہ شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے تمسک کرنا سخت نا عاقبت اندیشی ہے.

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی

کرامیہ کا اصل اختلاف حیاتُ النبی کے موضوع پر تھا. وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے، آپ کی حکمی رسالت کے قائل تھے. اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں ابتدار سے روح و بدن کی لاتعلقی کی ضرورت تھی. عذابِ قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے، شہدار کی حیات مانی تو صرف پرندوں کے قالب میں ـــــ الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا. یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑتے گئے.

ہمارے عہد میں بھی اختلافِ عقیدۂ حیات النبی سے شروع ہوا. یہ حضرات ابتدار میں عذابِ قبر سے منکر نہ تھے. لیکن مسئلہ جب اطراف و جوانب میں پھیلا تو انہیں بھی عذابِ قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا.

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کر لیں تو پھر ہمیں شہدار کی بھی حیاتِ جسمانی کا اقرار کرنا پڑے گا. اس لیے ہم ابتدار سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں.

http://mujahid.xtgem.com

کہ عامہ اموات کے لیے عذابِ قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہمیں انتہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔

جب کسی نے گڑھے میں گرنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ اختلاف ہو تو حل ہو سکتا ہے ضد اور عناد کا کوئی علاج نہیں۔

یہ گمراہی جس ترتیب سے اُٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں پہلے اسلام کے عقیدۂ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے۔ اس کے ضمن میں مسئلہ عذابِ قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیات الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیات انبیاء پر عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اُتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔

احباب سے گذارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک اُتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہوگی۔ وھو المستعان و علیہ التکلان۔

یاقوم الیس منکم رجل رشید۔

عالم ارواح، عالم دُنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور اُن کی صفات آپ کے سامنے ہیں ان میں عالم برزخ میں قبر کے اَلم و لذت کی کیفیت اور اس کا ادراک اُس چھپے جہان (برزخ) کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدرِ مشترک اسے تواتر کا درجہ دیتی ہے۔ لیکن اسے یہاں پوری طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لیے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

http://mujahid.xtgem.com

عذاب القبر

(۱)۔ ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایہ۔[1]

ترجمہ۔ میرے نزدیک قبر کا سوال وجواب روح وجسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۲)۔ یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنۃ او النار و یحس اللذۃ والالم۔[2]

ترجمہ۔ یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح وجسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح وجسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت والم کا ادراک کرتا ہے۔

(۳)۔ ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیات عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیہ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ لا یدرکھا البصر۔[3]

ترجمہ۔ عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت والم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لیے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں، بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جا سکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اُسے نہ پا سکیں۔

---

[1] فیض الباری مولانا السید انور شاہ صاحبؒ جلد ۲ صد ۱۸۲

[2] مظہری جلد ۱۰ صد ۲۳۵ [3] رد المحتار شامی باب الیمین فی الضرب والقتل جلد ۳ صد ۲۰۱

http://mujahid.xtgem.com

۴— واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللّٰہ تعالیٰ یخلق فی المیّت نوع حیاۃ فی القبر قدر ما یتألم او یتلذذ۔[1]

ترجمہ۔ یہ جان لیجئے کہ اہلِ حق (اہلِ سنّت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میّت میں بحالتِ قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ (معاملاتِ قبر میں) اَلم یا لذّت کا ادراک کر سکے۔

۵— ان مذهب سلف الائمة وائمتها ان المیّت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذلك یحصل لروحه و بدنه۔[2]

ترجمہ۔ سلفِ امّت اور ائمہ اہلِ سنّت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میّت کے لیے نعیم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذّت و اَلم کا) یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

۶— ان النّعیم والعذاب لا یکون الّا علی الروح وان البدن لا ینعم ولا یعذب وھذا تقوله الفلاسفة المنکرون لمعاد الابدان وھؤلاء کفّار باجماع المسلمین ویقوله کثیر من اهل الکلام من المعتزلة وغیرهم الذین یقرون بمعاد الابدان لکن یقولون لا یکون ذلك فی البرزخ وانما یکون عند القیام من القبور لکن ھؤلاء ینکرون عند البدن فی البرزخ۔[3] فقط

ترجمہ۔ قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ اُن فلاسفہ کا قول ہے، جو "معادِ ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں۔ معتزلہ کے متکلمین کا جو "معادِ ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۱ [2] کتاب الروح ص۶۳ [3] ایضاً ص۶۲

http://mujahid.xtgem.com

حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر صرف روح سے متعلق ہے۔ بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

⑦ — بدنِ اوّل را از حصولِ احکامِ برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثوابِ قبر گزیر نہ ...

.... افسوس، ہزار افسوس، ایں قسم بطالاں خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہلِ اسلام گشتہ ضلوا و اضلوا۔[1]

ترجمہ۔ اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکامِ برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدنِ اوّل کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کاروں پر جو شیخ ہونے کی مسند بچھائے ہوئے ہیں مسلمانوں کے مقتداء بنتے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تنقیح المبحث

مختلف ادوارِ حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے مشتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزاء کو عالمِ برزخ میں روح سے کلی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لیے اس کے مقام کے مطابق روح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات شریفہ وارد ہوئی اور طریانِ موت سے "کل نفس ذائقۃ الموت" کا وعدہ پورا ہوا۔ آپ کے لیے جس قسم کی وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا، اور آپ نے یقیناً اس عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضۂ منورہ برزخ کا محل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر دوم صـ ۱۱۶

http://mujahid.xtgem.com

حسب ہدایت کل نفس ذائقة الموت اور انک میت و انھم میتون
تمام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی
نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔[1]

بالجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے[2]
اس پر بھی پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے کہ حضورؐ کے پردۂ قبر میں جانے کے بعد
پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات لوٹا دی گئی۔ دخولِ روح سے اس دنیا والے
جسمِ عنصری میں اعادۂ حیات ہوا یا تاثیرِ روح سے آپ کے جسدِ عنصری میں حیات
لوٹ آئی؟ اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا، لیکن انجامِ کار سب کا اتفاق
ہے کہ آپؐ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ فائز الحیات
ہے۔ آپؐ کی یہ حیاتِ قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق
روحانی اور باعتبارِ تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل بحث مطلق حیات نہیں، بلکہ حیات بعد الوفات ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوتِ وفات سید الکائنات کا استدلال ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیر بحث میں انہیں بار بار دہرانا اور محلِ نزاع بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہلِ سنت کا عقیدۂ حیاتُ النبیؐ کے مسئلہ میں یقیناً "حیات بعد الوفات" کا ہے۔ پہلے وفات کا ورود بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبۂ صدیقی صرف ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کے طریانِ موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ طریانِ موت کی کیفیت میں تو اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن ورودِ موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت اُن کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم کی وفات آپؐ کے لیے مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی۔ اور وعدۂ الٰہیہ حضورؐ پر بھی پورا ہوا۔

---

[1] لطائفِ قاسمی ص۲ مطبع مجتبائی [2] آبِ حیات ص۲۱۹

http://mujahid.xtgem.com

طریانِ موت اور اعادۂ حیات کے احتمالاتِ ثلٰثہ

صورتِ واقعہ ــــ کچھ بھی ہو

روضۂ منوّرہ کی حیاتِ جسمانی پھر بھی قدرِ مشترک ہے

احتمالِ اوّل

آپؐ کی وفاتِ شریفہ یعنی ابانة الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روحِ مُبارک جسدِ اطہر سے جُدا ہونے اور رفیقِ اعلیٰ اور علیین کی سیر کرنے کے بعد[1] پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر

---

[1] اعلیٰ علیین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کرکے پھر روح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضورؐ کو اس عالم کی سیر کرائی تھی۔ اور حضورِ اکرمؐ نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے ظاہر ہے کہ آپؐ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا بلکہ آپ محض سَیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل نے کہا تھا۔ انه بقی لك عمر لم تستکمله فلو استکملت اتیت منزلك (بخاری کتاب الجنائز جلد ا صفحہ ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ جب آپ اس کی تکمیل فرمالیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے۔ جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ استکمالِ عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسّر ہوگا وہ بھی بطورِ سَیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہوگا۔ بعد میں کیا ہوگا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ کہیں نہیں مل سکے کہ آپ استکمالِ عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعیٰ فعلیه البیان۔ بہرحال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصودِ کلام نہیں۔ ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

http://mujahid.xtgem.com

میں لوٹا دی گئی۔ روحِ اقدس کا اعلیٰ علیین سے تعلق بھی رہا اور روضۂ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر میں بھی حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ویسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں تھا بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیاتِ دنیوی رزقِ مادی کی محتاج ہے۔ لیکن اس عالمِ برزخ کی حیاتِ عنصری جسمانی اس دنیا کے رزقِ مادی پہ مبنی نہیں۔ اس کا تقوم رزقِ روحانی پہ ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمالِ دوم

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہی ہے لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخولِ روح سے نہیں، اتصالِ روح سے ہے۔ روحِ مبارک جسدِ اطہر سے جدا ہو کر رفیقِ اعلیٰ اور خطیرۂ قدسیہ میں پہنچی پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر پہ پڑنے لگا۔ اس سے جسدِ عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیاتِ جسمانی قائم ہوئی اور روضۂ منورہ پہ عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

احتمالِ سوم

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ بمعنی قبضِ روح ہے انقباض الروح فی القلب سے روحِ اقدس سارے جسد سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلبِ مبارک میں مستور ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہٹ گیا۔ آثارِ حیات قلبِ منور سے پھر پھیل گئے اور روحِ مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیات ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور "روح بمعنی حیات" کا کلی انقطاع نہ ہوا۔ گو انقباض الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم

http://mujahid.xtgem.com

میں روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثارِ حیات سلب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلافِ دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا۔ اور قاعدہ ہے حریمِ اسرار میں بغیر آئینِ دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے ورودِ وفات پر صحابہ کرام رضؓ نے آپ کو دفن کر دیا اور روضۂ منورہ میں پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دُنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازمِ حیات وہاں صرف وہی ہیں۔ جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے۔ اس دُنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ: طریانِ موت اور اعادۂ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محلِ نزاع نہیں اور نہ اُن میں سے کسی ایک کے امرِ واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے۔ بحث و تحقیق وہیں ہونی چاہیئے، جہاں ترتبِ احکام مختلف کروٹیں لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدرِ مشترک ایک ہی ہو اور ترتبِ آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں اُلجھ کر رہ جانا خود ایک اندازِ جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریانِ موت اور اعادۂ حیات کے لیے جس صورت کو امرِ واقع قرار دیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشا ترتبِ آثار و احکام ہو سکے[1]

> گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔[2]

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود

---

[1] آبِ حیات صہ ۲۸ [2] لطائف قاسمیہ صہ ۵ مطبع مجتبائی

http://mujahid.xtgem.com

دوسروں کو حق دیا ہے، تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرتؒ سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدرِ مشترک ہی کا کہ روضۂ منورہ میں جسدِ اطہر محض بے حس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیات عنصری بہر صورت کیفیت بموت موجود ہے، انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورتِ موت کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہلِ سنت کے مسلک سے گریز پائی ہو گئی۔

روحِ مبارک نے علیین سے پرتو ڈال کر جسدِ اطہر میں حیات لوٹائی ہو یا قدرتِ ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہو چکی ہو یا قلبِ منور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو، مآل کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی تمام احتمالات اور مسالکِ مذکور کی قدرِ مشترک ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری سے زندہ ہیں یا جسدِ اطہر محض بے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ:-

(۱) ——— حضورؐ پر وفاتِ شریفہ کا ورود ہوا تھا یا نہیں یا

(۲) ——— یہ طریانِ موت انقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبضِ روح کے معنی میں یا

(۳) ——— روحِ مبارک کا مستقر مقامِ علیین ہے اور وہ وہاں سے روضۂ منورہ میں رکھے گئے۔ جسدِ اطہر پر پرتو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جسدِ اطہر میں داخل ہے۔

اور رفیقِ اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیرہ ذٰلک من المدارک۔ ان کیفیات کو موضوع بنا لینا یقیناً خروج من البحث ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطۂ اشتراک ہیں قبر شریف کی حیاتِ عنصری کے عوارضِ ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالاتِ ثلٰثہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلافِ واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

http://mujahid.xtgem.com

اصل مبحث حیاتُ النبیؐ

باعتبار تعلق بالبدن ــــــ حیاتِ جسمانی	}	مشترک مفاد حیاتِ جسمانی برزخی ہے۔
باعتبار تعلق بالعالم ــــــ حیاتِ برزخی		
باعتبار تعلق بالرّزق ــــــ حیاتِ رُوحانی		

(ولولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ)

حیاتِ جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخولِ روح سے، خواہ اتصالِ روح سے۔ فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی ــــــ روح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے۔ جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی رُوح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں اور نہ اُسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے، اس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:-

(۱) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتٌ بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون۔

(پ۲ البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور تم اُنہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، مُردے نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احیاء اُنہی کو فرمایا، جو من یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے قتل کا محل

http://mujahid.xtgem.com

جسم ہے نہ کہ روح ــــــ پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح ــــــ اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مُردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی۔ تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جسدی طور پر زندہ ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرما دیا تھا ــــــ ولکن لا تشعرون" لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا" ــــــ اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسدی حیات ہے

قاضی شوکانی ؒ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین۔[۱]

ترجمہ۔ نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور یہ کہ اُن کی حیاتِ جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا ہو) پس انبیائے مُرسلین کی حیاتِ اطہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔

(۲) واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی۔

(پ۳ البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا۔ اے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ کس طرح مُردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ "موتی" کہا گیا ہے اور ظاہر ہے رُوح ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور "موتی" اجسام ہی کو کہا گیا ہے۔ پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۱۱ مصر

http://mujahid.xtgem.com

③ فاماته الله مائة عام (پ۳ البقرہ ع ۲۵ آیت ۲۵۹)

ترجمہ۔ حضرت عزیرؑ کو سو سال تک موت سے رکھا

اس میں بھی اماتت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ روح۔ حضرت عزیرؑ کی روح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

④ انّی یحی هٰذه ——— میں بھی محلّ حیات جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر روح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیاتِ روحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے، اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ریب اپنے مرثیے میں کہتا ہے۔ ؎

ولمّا تراءت عند مرو منيتي

وحلّ بها جسمي وحانت وفاتيا

ترجمہ۔ اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آپہنچی۔

لہ پیشِ نظر رہے کہ جس طرح جملہ بنی آدم پر فعلِ اماتت محض ایک آنی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔ بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیرؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پہ وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔ پس جب موت سابقہ سے انتقالِ دارین کا تحقق نہ تھا۔ تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں مائۃ عام کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر فعلِ امات کے بعد معاملاتِ برزخ جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موتِ انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی خطا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

حیاتِ برزخیہ

نہایت افسوس ہے کہ انبیاء کرام کی حیات عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہ نوعیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیاتِ برزخی سے مراد حیات فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالم برزخ میں حیات جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے، اُن کی مراد روضۂ منورہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیاتِ روحانی کے الفاظ استعمال کیئے۔ ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبارِ تعلق بالرزق وہ رُوحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم رُوحانی بھی ہے۔ اندریں صورت حیاتِ رُوحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المرام یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محل بحث بنانا اصل موضوع کو اُلجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوعِ تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنی ہوئی ہے۔ پس اصل مبحث یہ ہے کہ :-

"سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسدِ اطہر محض بے حس وشعور پڑا ہے۔" (معاذ اللہ)

رُوح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں

http://mujahid.xtgem.com

(۱) وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدانِ مادیہ۔

(۲) وہ جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے، جنہیں صوفیاء "اجسام مثالیہ" کہتے ہیں۔

(۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیاء "ارواح" یا حکماء "جواہر مجردہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

جمہور اہل شرع جس کو رُوح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدنِ مثالی" سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدنِ مادی سے کبھی جُدا ہو جاتی ہے اور اس جُدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؓ کے قول کے مطابق، جو بغویؒ نے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت رُوح خود علیحدہ رہتی ہے، مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔[1]

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

الحیٰوۃ فی اللغۃ شیء مغائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیٰوۃ ولیس کذٰلک[2]

ترجمہ۔ حیات اور روح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ حیات روح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے۔ بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ رُوح ہی نفسِ حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:۔

---

[1] فوائد القرآن للعلامۃ العثمانیؒ ص ۶۰۷ [2] تحیۃ الاسلام ص ۳۶

http://mujahid.xtgem.com

بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادۂ روح تردد کردہ اند و تلازم روح وحیات را منع نمودہ[1]

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ (حیات فی القبر کے لیے) اعادۂ روح کے بارے میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح کے تلازم کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیاتِ جسمانی کے لیے اعادۂ روح ضروری نہیں، محض تعلقِ روح سے بھی وہاں حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقتِ بدن کے بعد رُوح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ "رُوح مفارقتِ بدن کے بعد بھی جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئيات۔[2]

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہیئے کہ نفس انسانی بدن سے جُدا ہونے کے باوجود ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع "اعادۂ روح" بھی نہیں، بلکہ "ثبوتِ حیات بعد الوفات لسید الکائنات" ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گذارشات کرنا چاہتے ہیں۔ عودِ رُوح کی بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیاتِ شہداء کا بیان بھی صرف اس لیے ہے کہ ان کی حیاتِ جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ کے درجہ میں ہے اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدلالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ ازمۃ التحقیق۔

---

[1] جذب القلوب ص۱۸۶ از مسائرہ [2] المطالب العالیہ مقالہ ۱۲ فصل ۵ مطبوعہ مصر

http://mujahid.xtgem.com

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق بایں قدر کہ عذابِ قبر یا اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے۔ جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم:۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا ـــــ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیثِ متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں[1]

لیکن حیاتِ شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارۃً مذکور ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالۃً ثابت ہو رہی ہے۔ حیاتِ انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوعِ سخن حیاتِ شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارۃ النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اس کا سمجھ میں نہ آنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی

---

[1] معارف القرآن جلد ۵ ص ۲۳۶

http://mujahid.xtgem.com

مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر منتج ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم حیات شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفس حیات پر کچھ گذارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔

ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

والحیاۃ جنس تحتہا انواع وکذلک الموت فاثبات بعض انواع الحیاۃ لا یزیل اسم الموت کالحیاۃ البرزخیہ واثبات بعض انواع الموت لا ینافی الحیاۃ کما فی الحدیث الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا استیقظ من النوم قال الحمد للہ الذی احیانا بعد اماتنا والیہ النشور۔[1]

ترجمہ۔ حیات ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا ورود موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیات برزخی میں ہوتا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد وثنا اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اُٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھاٹی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو۔ ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔

○ ——— ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذاب قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے قدرے تعلق بھی ہے۔

---

[1] الصارم المنکی ص۱۸۵

http://mujahid.xtgem.com

(۲) ـــــــــ ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلقِ تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تنمیہ ہے۔ نہ اس کے لیے پانی اور ہوا لازمی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پہ جسمانی زندگی محسوس کریں۔

(۳) ـــــــــ ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرفِ تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اس میں آب و ہوا کے خارجی اثرات نشو و نما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دُنیا کی زندگی ہے۔

(۴) ـــــــــ ایک زندگی روح اور بدن عنصری کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف اتنا ہے کہ پُورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس عالم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالمِ غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام سُنا دیتے ہیں۔ یہ انبیاء کرام کی حیاتِ برزخی ہے۔

(۵) ـــــــــ چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالمِ آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھریں گے اور اہلِ جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے اپنی اپنی برات کا رزق ہو گا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لیے ذکر کر دیئے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حقیقتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے۔ کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواعِ حیات کے الفاظ ملیں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

جواب : ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ تفتازانیؒ (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں

ویجوزان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع اجزاء البدن او فی بعضھا نوعاً من الحیٰوۃ قدر مایدرک الم العذاب ولذۃ النعیم۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) برزخ میں روح لوٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں :۔

لان ذلک الرد نوع اخر غیر المعھود۔[2]

ترجمہ۔ یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح و بدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا والے تعلق سے مختلف ہے۔

اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :۔

ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق فی المیت نوع حیٰوۃ فی القبر[3]

ترجمہ۔ سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اس نوعِ حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی اپنی تخلیق ہے :۔

ان اللہ تعالیٰ یخلق فیہ ادراکاً بحیث یسمع ویعلم ویلذ ویألم۔[4]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے۔[5]

---

[1] شرح عقائد ص ۔ [2] کتاب الروح ص ۸۹ [3] شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰ [4] فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۲ [5] روح المعانی جلد ۲۲ ص ۵۷

http://mujahid.xtgem.com

یہی بات علامہ ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

نوع حیاۃ برزخیہ۔ [1]

ترجمہ۔ حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کلیتہً اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے خلق الموت والحیاۃ (پ۲۹ : الملک) قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی شئے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوۃ جنس تحتہ انواع وکذالک الموت

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات کی سی موت نہیں سمجھتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔ قرآن کریم میں حضورؐ کے میت ہونے کو اوروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت میت ہونے کے ان میتون میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا:۔

انک میت وانہم میتون (پ۲۳ الزمر) یہ نہیں کہا انک وانہم میتون۔ اس سے پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمیع وجوہ سے اوروں کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

> حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت حس اور شعور کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔ [2]

امام الحرمین (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منتفی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبد الحق

---

[1] الصارم المنکی صـ ۱۹۸ [2] مدارج النبوت جلد ۲ صـ ۵۸۶

http://mujahid.xtgem.com

حضورؐ کے املاک حضورؐ کی ملک ہیں باقی تھے۔ صدیق اکبرؓ حضور کی نیابت میں ان میں تصرف کرتے تھے۔ صدیق اکبرؓ جانتے تھے کہ حضورؐ کا ملک حضورؐ کے املاک پہ باقی ہے جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے[1]

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبریٰ جلد ۷ ص۶۴ پر یہ باب باندھا ہے:۔

باب کان مالہ بعد موتہ قائماً علیٰ نفقتہ و ملکہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مستمر تھی اس کا حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود محض ساتر حیات ہو مزیل حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبرؓ، امام بیہقیؒ، امام الحرمین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تفرد نہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پہ ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ[2]

ترجمہ۔ ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

حضورؐ کی وفات، جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی۔ ضروری نہیں کہ ہم اس کی کنہہ پائیں ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی تفرد ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسب حال تھی۔

---

[1] مدارج النبوت جلد ۲ ص۱۷ [2] وفاء الوفا جلد ۴ ص۱۳۵۴ اعلاء السنن طبع قدیم جلد ۱۰ ص۳۳۰

http://mujahid.xtgem.com

ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیات شہداء ہے۔ اس کے بعد حیات انبیاء کی بحث آئے گی۔ جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کچھ موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔ یہ اثبات حیات شہداء حیات انبیاء کے لیے بمنزلہ تمہید سمجھیے۔

حیاتِ شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

(پ ۲: البقرہ۔ ع ۱۹۔ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مُردے ہیں۔ نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہند؟ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے[1]

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون ہ فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ہ یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المومنین ہ (پ ۴ : آل عمران۔ ع ۱۷۔ آیت ۱۶۹)

ترجمہ۔ اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے۔ خوشی کرتے ہیں اس پہ

---

[1] پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی ان اللہ مع الصابرین یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

http://mujahid.xtgem.com

جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے۔ اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

صحابہؓ کے سامنے بدر اور اُحد کے نقشے تھے۔ شہیدوں کی یادیں تھیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مُردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو کہ وہ مُردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب کیسے کہا۔ ماماتوا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے ـــــ کیا کل نفس ذائقة الموت سے وہ مستثنیٰ ہیں ؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا۔ ماماتوا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا ماقتلوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں یعنی اب وہ مُردے ہیں ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا ـــــ بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان کا کفن دفن برحق۔ لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

ماماتوا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قتلوا (وہ مارے گئے) تم کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے ہاں ھم اموات۔ یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں

http://mujahid.xtgem.com

رد کا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

ان آیات میں بَل اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے۔ یہاں بَلْ قُتِلُوْا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قتلوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ھم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا آنا بھی برحق اور اگلے جہان میں حیاتِ جسمانی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قُتِلوا کا مورد بنے تھے۔ اختلاف زمان سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں۔ بل کا اضراب ھم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادقہ یہ ہے کہ ھم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے قد افلح من تزکّٰی میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پا نہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں بل اضرابیہ کے ساتھ بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا فرمایا۔ اس نے تمہارے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قصرِ قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مُردہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مُردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کیا گیا۔ یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون (کہ تم شعور نہیں رکھتے) کہہ کر اس تذبذب کو رفع کر دیا گیا۔

http://mujahid.xtgem.com

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ ما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ۔ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا بلکہ جس بدن کے وہ موردِ قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا ہے رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کے مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر و احد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے۔ انہی شہداء کے بارے میں اس کا ابطال کیا گیا کہ وہ مُردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا۔ اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا ؟ جسم —— زخمی کون ہوا ؟ جسم —— تلواریں اور تیرے کن پر چلے؟ جسموں پر —— نہ روح زخمی ہوئی۔ نہ کسی جسدِ مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ انہی اجسام کی خبر ہے جو میدانِ جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا۔ شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بات ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسدِ مثالی مرا تھا۔ سو فعلِ قتل جس سے متعلق ہوا حالتِ حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدۂ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اُس جہان میں میسّر ہیں۔ بل احیاء نے ھم اموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی مراد ہوتی تو لا تشعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مُردے ہیں۔ یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آ رہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لا تشعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے بالا تھی۔ اس نارسائی سے جو بے چینی تھی اسے لا تشعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔

فرمایا یرزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسدِ مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے

http://mujahid.xtgem.com

جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہو گئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسد سے نہیں۔ جسد مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ۔ خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں۔ یہ احساسات روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرح زندوں کی صفات میں سے ہے مُردوں کے حالات میں سے نہیں۔

یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم۔ اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چمڑوں میں محسوس ہو رہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشرہ میں (چہرے میں) محسوس کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھال اور چمڑے انہی ابدان کے ہیں، ابدانِ مثالیہ کے نہیں دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ لواحۃ للبشر (پ ۲۹ المدثر) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرہ۔ (پ ۳۰: عبس۔ آیت ۳۹)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یستبشرون کا فاعل ابدان ہیں۔ الذین لم یلحقوا بھم سے بھی وہ پورے انسان ہیں جو انہیں آملیں گے۔ یہاں ضمیر ھم کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لیے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

سوال

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیات حسی کا مشاہدہ نہ کر سکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں فائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

http://mujahid.xtgem.com

الجواب

اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کاملین کے لیے یہ اعادۂ اشراف ہے اعادۂ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت کالموج المکفوف لا یهزها ارادة متجددة وداعیه سانحه ولکن النفوس اللتی هی دونها تلتصق بالهمة نورًا وهیئة مناسبة للارواح[1]

ترجمہ: کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج کی طرح ہو جاتی ہیں جو رکی ہو۔ انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن نچلے طبقے والے نفوس اپنی ہمت سے ان سے ملصق ہو کر نور اور ایک ہئیت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے نچلے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کاملین کے ہوں تو وہ ارواحِ عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے۔ جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:-

وهی المکنی عنه بقوله علیه السلام ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی فارد علیه السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصی فی مجاورتی المدینه سنة الف ومائة واربع واربعین[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الاذکار ص۷۔ [2] ایضاً ج ۲ ص۷۔

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضورؐ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اُدھر لوٹا چکے ہوتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام لوٹاتا ہوں ۔ ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلک قبر مبارک کے جسدِ اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضۂ نبویہ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ ——— کیا روحِ انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسدِ اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی شان عالمِ برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالم برزخ میں جسدِ اطہر کی شان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج عالمِ برزخ کی ہی ایک سیر تھی۔ اس رات آپ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال وصور میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفاصیل ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور یہ خواب نہیں بیداری کا واقعہ تھا جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں آچکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

کل ذٰلک بجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الیقظۃ ولکن ذلک فی موطن ہو برزخ بین المثال والشہادۃ جامع لاحکامہما فظہر علی الجسد احکام الروح۔[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۲۰۶ ج۲

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اور یہ دونوں کے احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پہ روح کے احکام چل رہے تھے۔

آپ کی سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطف مقام پر آچکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی سیر سے گزارے گئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ آگئے اور اس پر اتمام نعمت کی دولت پا گئے (ماکان موعوداً فی قوله تعالیٰ ويتم نعمته عليك) تو اب یہ جسد اطہر کس شان اور لطافت پہ ہوگا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ اب انک میت و انهم میتون کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آگیا تھا کہ اب تا قیامت اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے احکام طاری تھے۔ وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی زندگی میں ہی جلاء تام بخش دی تھی وہ اب تا قیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم —— کیا یہ عقیدہ انحطاط آیت وللآخرة خیر لك من الاولیٰ سے نصاً متصادم نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے ۱۱۴۴ھ کے مشاہدات میں روضۂ انور کی حاضری میں یہ جلوے دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحت عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حق یہ ہے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں حضورؐ کی رویت بصری اور قوت سمعی صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آتا

http://mujahid.xtgem.com

دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ کبھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے۔ جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے سیاحوں کے اس بیان کو بھی مان لیجیے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیتہً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض ان پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں :۔

باش تا مرغ از قفس آید بروں
تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبوں[1]

ترجمہ۔ انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جا سکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراف و اشراق صرف اس جسد اطہر کے لیے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؟ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے زائرین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لحظہ بندھا ہے؟ یا اس بدن اطہر میں وہ انجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو۔

آیئے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجیے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں :۔

یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔[2] یہ اس لیے کہ دنیوی حیات کے بہت سے حجابات اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں۔

---

[1] مثنوی دفتر ص ۴۲۵ [2] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ص

http://mujahid.xtgem.com

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی
اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر[1]

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پا لیتے ہیں جسے وہ حسًّا محسوس کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے کاملین کی ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ادراک کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔ اصل موضوع ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے۔ اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت تجسد بھی ملتی ہے۔ روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے وہ کسی دوسرے جسد میں بطریق حلول نہیں اترتی یہ تناسخ ہے (جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں) یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تناسخ کا کوئی شائبہ نہیں۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۱۸ ھ) کہتے ہیں:۔

بلغنا ان ارواح الشہداء فی صور طیر بیض تاکل من ثمار الجنۃ۔[2]

ترجمہ۔ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے۔

ان ارواح الشہداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنۃ۔[3]

ترجمہ۔ بے شک شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں میں اترتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ا صفحہ ۱۳۰ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۵ صفحہ ۲۶۳ [3] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۱۹۷

http://mujahid.xtgem.com

ان نسمة المومن طائر فی شجرة الجنة حتی یبعثہ اللہ الی جسدہ یوم القیمة۔[1]

ترجمہ۔ مومن کی روح باغ جنت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسد میں قیامت کے دن (کاملة) لوٹا دے۔

روح الامین بھی دحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور صورت میں تجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وان شئت قلت بتمثل الروح نفسها صورة لان الارواح فی غایة اللطافة وفیها قوت التجسد کما یشعر بہ ظہور الروح الامین علیہ السلام بصورة وحیہ الکلبی۔[2]

ترجمہ۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہو گئی کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوت تجسد بھی ہے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس کا پتہ دیتا ہے۔

روح کے اس کمال لطافت اور تجسدِ صورت کے باوجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی سے ہو یا قبر کے بدن عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشراف کے لیے کوئی دلیلِ منع شریعت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

لامانع من تعلقہا ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الکثیف۔[3]

ترجمہ۔ روح کا تعلق کسی اور برزخی بدن سے بھی ہو جو اس بدن کثیف کے علاوہ ہو شریعت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی

---

[1] سنن نسائی جلد ا ص ۲۹۲ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۱ [3] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اشد انداز سمجھی جا سکتی ہے تو قبر کے بدنِ عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو ۱۱۴۴ھ کو روضہ نبوی پہ بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پہ اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سو یاد رکھیئے روح کاملین کے اس درجہ لطافت اور تجسد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ ارواح شہداء کو جو بدنِ عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالمِ دنیا) میں اپنے ابدانِ عنصریہ میں لوٹنے کی گذارش تھی۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدانِ جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ ان کی تمنا عالمِ برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ تھی۔ عالمِ برزخ میں تو ان کے وہ بدن از روئے نصِ قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دار الجزا ہے۔ دار العمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالمِ دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالمِ برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالمِ دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پہ دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدانِ عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا ولہ ما علی الارض من شیء
الا الشہید یتمنّی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرّات[1]

ترجمہ: کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر، مگر شہید وہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صـ ۳۹۵

http://mujahid.xtgem.com

پھر وہ دنیا کو جائے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے کی روایات مختلف ہیں، پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا حواصل طیور میں اس طرح اُڑتی ہیں جیسے سوار سواری لے لے۔ الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی ہے۔ امام نووی نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بات وہیں کی وہیں رہتی ہے:۔

قال القاضی قال بعض المتکلمین علی ھذا الاشبہ صحۃ قول من قال طیر او صورۃ طیر او اکثر ما جاءت بہ الروایۃ ......
و استبعد بعضھم ھذا و لم ینکرہ اخرون و لیس ما فیہ ینکر و لا فرق بین الامرین بل روایۃ طیر او جوف طیر اصح معنیً [1]

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آتے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو۔ اور دونوں اقوال میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جا کی روایت زیادہ صحیح ہے

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اسے آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر ان روایات میں

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۶

http://mujahid.xtgem.com

کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواحِ شہدار کو ان پرندوں سے کیسے رہائی ملے گی۔ جب وہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے حشر کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبا بدلیں گے۔ اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں ارواحِ مجردہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواحِ متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے۔ سوا سے حیات شہدار کی تفسیر قرار دینا یہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت ولکن لا تشعرون کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

ولا مانع من تعلقہا ببدن برزخی مغائر لہذا البدن الکثیف۔[1]

ترجمہ۔ روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

مغائر لہذا البدن الکثیف بدن برزخی کی تشریح ہے۔ اس میں اس بدن عنصری سے تعلق کی نفی کا دعوے نہیں ہے۔ جو علمار اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔

ان میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صراحۃً مذکور ہے۔[2]

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لہذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدنِ عنصری سے تعلق کی نفی نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فواحسرتا علی ضیعۃ العلم۔

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ اُن کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے جس پُرعظمت پیرایہ اور پُرشکوہ الفاظ میں شہدار کا بعد قتل زندہ ہونا

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صد ۲۱ [2] مسالک العلمار صد ۳۷

http://mujahid.xtgem.com

بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (ولکن لا تشعرون) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں بس یہی ان کی زندگی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔

کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتلائیے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں۔ یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیئے۔ اگر نہیں تو ہمیں ولکن لا تشعرون کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیئے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرامؓ لا تشعرون پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی جواب میں آیت ولکن لا تشعرون نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپ نے آیت ولکن لا تشعرون کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواحِ شہداء کو سبز پرندوں میں اتارا جاتا ہے اور ارواحِ کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں —— فرق ہے تو یہ کہ:۔

(۱) سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔

(۲) سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔

(۳) سبز پرندوں کی روایات اونچی کتابوں میں اور سیاہ کی نچلی کتابوں میں۔

یہ سب فرق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے۔ کیا زندگی

http://mujahid.xtgem.com

زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور تڑپنا یہ نعیم و عذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے — ہاں وہ حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیاتِ شہداء کی کیفیت اور لا تشعرون کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ آپ ارشادِ الٰہی ولکن لا تشعرون کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت النار یعرضون علیہا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

آلِ فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے[1]

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

فاما حصول ذلك للجسد فی البرزخ وتالمه بسببه فلم یدل علیه الا السنة فی الاحادیث المرضیة[2]

یعنی۔ قرآن و حدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے..... اور آلِ فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص۳۶ پر کہہ آئے ہیں۔

ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا:۔

---

[1] تفسیر معارف القرآن جلد ۷، ص۶۰۳ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۴، ص۸۱

http://mujahid.xtgem.com

ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلتے دیکھے ہیں جن کے پروں پر سفیدی تھی اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم) سے نکلتے ہیں اور بحرِ غربی کے کنارے جاتے ہیں۔ پھر جب تیسرے پہر کا وقت ہوتا ہے تو ویسے ہی سیاہ پرندے آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔

اس پر امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے فرمایا:۔

ان پرندوں کے حواصل میں آلِ فرعون کی روحیں ہیں جو صبح و شام جہنم پر پیش کی جاتی ہیں۔۔۔۔ یہ آلِ فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے[1]

علامہ نسفیؒ (۵۰۸ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں:۔

واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعة[2]

ترجمہ۔ اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سو اگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی پرندوں کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجسد کا بیان ہے ان کی حیات کی تفصیل نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح و تقدیس اور اللہ کی یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روحیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد

---

[1] مواہب الرحمٰن جلد ۷ پ۲۴ ص۱۵۹ [2] نقلاً من شرح الصدور ص۱۰۴

http://mujahid.xtgem.com

ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کمانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یرزقون بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ یرزقون ان کی دلیلِ حیات کے طور پہ بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ القرطبی (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:۔

بل احیاء دلیل علیٰ حیاتھم وانھم یرزقون ولا یرزق الا حی۔[1]

ترجمہ۔ بل احیاء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیاتِ شہداء بنص قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذابِ قبر کو بدن سے متعلق نہیں مانتے وہ بھی مانتے ہیں:۔

بل احیاء لدلالۃ الکلام علیھا قولہ تعالیٰ یرزقون کسائر الاحیاء یاکلون ویشربون وھو تاکید لکونھم احیاء وصف حالھم التی ھم علیھا۔[2]

ترجمہ۔ وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام یرزقون کی دلالت اسی پہ ہے جیسا کہ دوسرے سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس کی دوسری ہو۔ ابنِ رسول صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے بتلایا کہ ابراہیمؓ کے لیے اگلے جہان میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یرزقون کی شان شہداء سے خاص نہیں۔

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۲ ص ۲۷ [2] تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۴۲۹

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراھیم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لہ مرضعاً فی الجنۃ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت براء کہتے ہیں جب حضور کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اس عالم کا تھا جو ضروری نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال

اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہان والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیاتِ جسمانی سے فائز الحیات ہیں وہ اس جہان کے رزق سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

الجواب

کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی غیبی رزق سے متمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صوم وصال (روزے جوڑ کر رکھے) تو بعض صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضورؐ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھول دی:۔

لست کاحدکم انی یطعمنی ربی ویسقینی۔[2]

ترجمہ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے

حضورؐ کا یہاں کا جسدِ اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا۔ سو شہداء

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱۴ جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۶۳

http://mujahid.xtgem.com

بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسبِ حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی ابدان کا اس عالمِ غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہلِ حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اللہ رب العزت نے اور اس کے رسولِ برحق نے جو کچھ فرما دیا اس پر بے چوں و چرا ایمان لائیں۔

آیت حیاتِ شہداء کے تقاضے

آیت حیاتِ شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لا تشعرون۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیاتِ شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لا سکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لیے نہیں؟ یہ کرم فرما کہتے ہیں کہ یہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لیے تھا جب تک حضور نے ارواحِ شہداء کے حواصلِ طیور میں آنے اور جنت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی۔ جب آپ نے امت کو حیاتِ شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لا تشعرون منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہو گی۔ ان کی بھی حیات روحانی اور ان کی بھی حیات روحانی ــــــ آیت حیاۃ شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا ــــــ اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف اور کیا ہو گی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ہم قادیانیوں کو بارہا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم۔ پ۶ النساء ع۲۲) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بل رفعہ اللہ الیہ میں بل اضرابیہ ہے۔ یہود کا جس چیز کے قتل کا

http://mujahid.xtgem.com

دعوے ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعویٰ ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ لمن یقتل فی سبیل اللہ میں جو زیر قتل آئے انہی کے بارے میں بل احیاء الیٰ الیہ وارد ہے کہ وہ اموات نہیں۔ انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لا تشعرون کے تحت قبول کر لو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تعبیر بنا رکھی ہے وہ بل احیاء پہ نظر رکھنے والوں اور لا تشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ:۔

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روحیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آ سکتی"۔

جب وہ پرندوں کی شکل میں آ گئے تو سمجھ تو آ گئی۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا۔ پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا بھی تم شعور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں ——— کچھ تو سمجھاتے کہ ان میں ایک لا تشعرون کے تحت ہیں اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

ے کچھ تو کہیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بالا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

http://mujahid.xtgem.com

ارواح کا مقر علیین میں مان کر کیا تم بہ تعلق روح ابدانِ مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لا تشعرون کے تحت ہمارے ایمان میں ہے۔ حدیث طیور کی بے شک تصدیق کرو لیکن ابدان شہداء کو ہرگز مُردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس جہت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالۃً بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور عوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالۃ بتانا اس سے بڑھ کر عوام سے فریب کاری کیا ہے؟ جو مفسرین آیت ولا تزر وازرۃ وزر اخری کو قبر سے متعلق قرار دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیاتِ جسمانی کا انکار کرسکے۔

ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔[1]

اب ہم ایسی تعبیرات کو کس طرح تسلیم کرلیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے مقابلہ میں ان کے ابدانِ مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کرے روح کے کوائف سُن کر ابدانِ مقتولہ کی زندگی جو نصِ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار ہمیں تو گوارا نہیں۔

بل احیاء

حیاۃ الشہداء ثابتۃ فی الآیات والاحادیث وقد اختلفوا فیہا و ذہب کثیر من السلف الی انہا حیاۃ حقیقیۃ بالروح والجسد و لکن لاندرکہا ولا نعلم حقیقتہا ولانہا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیہا[2]

---

[1] مسالک العلماء ص ۲۵ [2] مدارک التنزیل جلد ۲ ص ۲۹

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے، اور (کرامیہ جیسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ والجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیات حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کرپاتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ برزخ کے احوال میں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

ان الشہداء بعد موتہم وقتلہم احیاء عند ربہم یرزقون فرحین وھٰذہ صفۃ الاحیأ فی الدنیا واذا کان ھٰذا فی الشہداء کان الانبیاء بذلک احق واولی۔[1]

ترجمہ: بیشک شہداء اپنی موت اور قتل ہونے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعت اہلحدیث کے بزرگ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

معنی الآیۃ عند الجمہور انہم احیاء حیاۃ محققۃ ثم اختلفوا فمنہم من یقول انما ترد الیہم ارواحہم فی قبورہم فیتنعمون وقال مجاہد یرزقون من ثمر الجنۃ وذھب من عدا الجمہور الیٰ انہا حیاۃ مجازیۃ والصحیح الاول والمراد بالرزق المعروف فی العادات علی ماذھب الیہ الجمہور۔[2]

ترجمہ: اور آیت حیات شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی روحیں قبروں میں ان کی

---

[1] سفارینی جلد ۲ ص ۲۹ [2] تفسیر فتح القدیر جلد ۱ ص ۱۳۹

http://mujahid.xtgem.com

طرف اڑائی جاتی ہیں اور وہ وہاں ادراک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور (اہل السنۃ والجماعۃ) کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے مراد وہی رزق ہے جسے عادۃً رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہوا کہ ابدانِ شہداء میں روحیں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا۔ جب حضورؐ نے حیاتِ شہداء کی تفسیر پرندوں کی سیر سے کر دی ہے۔ اب تم ان بدنوں کو کیوں زیرِ بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لیے حیاتِ حقیقی کیوں ثابت کر رہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم سے ——— قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیاتِ جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات رفیعہ کا بھی، وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔

قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انھم احیاء یرزقون و ان الحیٰوۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین[1]

ترجمہ: قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلیدِ سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تائیدِ سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

---

[1] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۴۸

http://mujahid.xtgem.com

یہ غیر مقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک مقلد بزرگ سے بھی سن لیجئے۔ ان سے تمسک کئے بغیر آپ چودھویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں :۔

واختلف فی ھٰذہ الحیاۃ وذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکھا فی ھٰذہ النشأۃ واستدلوا بسیاق قولہ تعالیٰ عند ربھم یرزقون۔[1]

ترجمہ: اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسلاف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عند ربھم یرزقون سے استدلال کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے جمہور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا تردد باقی رہ گیا۔

یرزقون لکونھم احیاء ..... والقول بان ارواحھم تتعلق بالافلاک والکواکب فتلتذ بذٰلک وتکتسب زیادۃ کمال قول ھابط الی الثریٰ ولا اظن القائل بہ قرع سمعہ الروایات الصحیحۃ والاخبار الصریحۃ بل لم یذق طعم الشریعۃ الغراء ولا تراک ـــــ لہ منھج المحجۃ وخبر القنادیل لا ینور کلامہ ولا یزیل ظلامہ ظلمری ان حال الشھداء وحیاتھم وراء ذلک[2]

شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صـ۲۰ [2] ایضاً جلد ۴ صـ۱۲۲، صـ۱۲۳

http://mujahid.xtgem.com

اور کمال بڑھ جاتے ہیں۔ یہ انہی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے جن کے کان میں صحیح اور صریح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی، بلکہ ایسے لوگ شریعت غرا کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو محجۃ بیضا کی راہ نہیں دکھلائی گئی۔ اللہ کی قسم شہدار کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے ——— پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

ان الآیۃ دلت علی عرض الارواح علی النار غدواً و عشیاً فی البرزخ ولیس فیہ دلالۃ علی اتصال تالمہا باجسادھا فی البرزخ اذ قد یکون ذلک مختصاً بالبرزخ فاما حصول ذلک للجسد فی البرزخ و تالمہ فلم یدل علیہ الا السنۃ فی الاحادیث المرضیۃ الاُتی ذکرھا[1]

شہدار کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ سبز یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہدار کے دنیوی اجساد سے اس قدر اتصال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر رکھی ہے

یہ شہدار کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہدار کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاۃ جسمانی حاصل ہے۔ تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لیے برزخ کے یہ پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہدار یا انبیار کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا اس دنیا سے پردے میں ہے۔

پردہ اُٹھنے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں نعیم صالحین اور عذاب مجرمین

[1] روح المعانی جلد ۲ صـــ

http://mujahid.xtgem.com

دونوں پردے میں ہیں. حضورؐ سے پردے اُٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں پایا. حضرت موسےٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا.

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اُس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور اُس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فرحین بما اٰتاھم من فضلہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی نکبت اور تکلیف میں ہوں گے۔

الجواب : آیت حیات شہداء کا جملہ ولٰکن لاتشعرون (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے. ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آتے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہو گی ـــــ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ولٰکن لاتشعرون. اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے مابین ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابو بکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں :-

فیہ اخبار باحیاء اللہ تعالٰی الشہداء بعد موتھم ولا یجوز ان یکون المراد انھم سیحیون یوم القیٰمۃ لانہ لوکان ھٰذا مرادہ لما قال ولٰکن لاتشعرون لان قولہ ولٰکن تشعرون اخبار بفقد علمنا بحیاتھم بعد الموت ولوکان المراد الحیاۃ یوم القیٰمۃ لکان المومنون قد شعروا بہ وعرفوا قبل ذالک فثبت ان المراد الحیاۃ الحادثۃ بعد موتھم قبل

http://mujahid.xtgem.com

یوم القیمٰہ واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل
یوم القیمٰۃ وھم المنعمون جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبون
وھٰذا یبطل قول من ینکر عذاب القبر[1]

ترجمہ۔ اس آیت میں شہدار کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد
قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے ولکن لا تشعرون
کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو اس دن ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور پہچان لیں گے پھر لا تشعرون کیا؟

سو بات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور جب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے۔ اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب قبر کوئی شئے نہیں۔ نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ماقبل سے جُدا اور مابعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدۂ برزخ کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کھلی نفی ہے۔ انسان انبیار ہوں یا شہدار موت کا پل عبور کر کے ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے گو یہ ہمارے شعور اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کھلی حیات ہوگی۔

---

[1] احکام القرآن جلد ۱ ص ۹۳

http://mujahid.xtgem.com

برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعد (عالم آخرت کی کھلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالم برزخ میں مردے نہیں کہا جا سکتا۔

انبیاء کرام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں ——— مرے ہوئے نہیں زندہ ہیں ——— ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پہ ہے جس منہاج پر ہم نے حیات شہداء پہ استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ ان دنوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں۔ حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی۔ ایسا ہوتا تو یوں فرماتے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ انہم ماتوا لیکن ایسا نہ کہا۔ بلکہ فرمایا انہیں اموات (مُردے) نہ کہو انہیں مُردے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی۔ اس کا فیصلہ من یقتل کو دیکھ کر کریں زندگی کا حکم اسی پہ ہے جس پہ فعل قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مُردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

بل اضرابیہ الطالیہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا ہے یہاں بل سے شہداء کے مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے اور وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں۔ گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ ولکن لا تشعرون اس پر قرآنی شہادت ہے۔

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ۔ مجاہدؒ حسن بصریؒ اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں —— لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اتری ہوئی ہیں —— صورتِ حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کا ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

ولا یعجز اللہ تعالیٰ ان یحل بہ حیٰوۃ تکون سبب الحس والادراک وان کنا نراہ رمۃ مطروحۃ علی الارض لا یتصرف ولا یری فیہ شئ من علامات الاحیاء فقد جاء فی الحدیث ان المؤمن یفسح لہ مدی بصرہ ویقال لہ نم نومۃ العروس مع انا لا نشاھد ذلک اذا لبرزخ برزخ آخر بمعزل عن اذھاننا وادراک قوانا۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہداء کے دنیوی اجسام میں زندگی اتار دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سڑا دیکھیں اور حیات کے اثرات اس میں نہ دیکھ پائیں —— اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے لیے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں دلہن

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۲۰

http://mujahid.xtgem.com

کی نیند کی طرح سو جاؤ. حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

والذی یمیل القلب الیہ ان لہا تلک الابدان شبہا تاما صوریا بہذہ الابدان وان المواد مختلفۃ الاجزاء متفاوتۃ. اذ فرق بین العالمین و شتان ما بین البرزخین. ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیہ ہذہ الابدان الغضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتہا وذہابہا حیث شاءت بالطیر المخضر[1]

ترجمہ. اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے. اگرچہ دونوں کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لیے کہ دونوں جہانوں میں فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جسمانی کی دلیل نہیں بن سکتا. اس لیے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف شہداء کو کہا گیا ہے. سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جسمانی زندگی کی دلیل نہیں ہے. نیز اس رزق کو عند ربھم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لیے آتا ہے. سو جب رزق روحانی ہے تو ان کی زندگی بھی روحانی ہوگی. مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنھم اللہ رزقا حسنا. (پ ۱۷: الحج ع ۸ آیت ۵۸)

ترجمہ. اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۲۱

http://mujahid.xtgem.com

انہیں خاص رزق حسن عطا فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزقِ حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جانا زندگی کی دلیل ہے تو چاہیئے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

الجواب

اس آیت میں او ماتوا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مرے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لیے اس آیت میں وعدہ رزق ہے

یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ متوفّٰی فی سبیل اللّٰہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فضالہ بن عبید (۵۷ ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتیل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا :-

فامامن قتل فی سبیل اللہ ... فانه حي عند ربه یرزق .... واما من توفی فی سبیل اللّٰہ من مهاجر اوغیر مهاجر فقد تضمنت هذه الأية الكريمة مع الاحاديث الصحيحه اجراء الرزق عليه.[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجرِ شہادت ماجور ہیں اور حیاتِ جسمانی اور رزقِ حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پہ ما شاء اللہ وسیع نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ ۲۳۲، صـ ۲۳۹

(۱) ـــــ حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں:۔

جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آگئی وہ شہید ہے۔[1]

(۲) ـــــ حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ ھ) روایت کرتے ہیں:۔

جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقامِ شہادت چاہا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لیے مرتبہ شہادت ہے۔[2]

(۳) ـــــ حضرت عمرؓ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا:۔

لوگو! ایسا کہو جیسا حضورؐ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔[3]

(۴) ـــــ سہیل بن حنیف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں:۔

جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو۔[4]

مولانا اسمٰعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عند ربھم یرزقون کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے۔ حضرت مریم کے پاس جب بیت المقدس میں خلافِ موسم پھل آتے تو حضرت زکریا علیہ السلام اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریم نے بتایا۔ ھو من عند اللہ (پ ۳ آل عمران ع ۴) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا۔ حضرت مریم کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب دنیوی ـــــ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پہ خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہیئے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔[5]

---

[1] سنن کبریٰ جلد ۹ ص ۱۶۲ [2] ایضاً ص ۱۷ [3] ایضاً ص ۱۲۸ [4] ایضاً ص ۱۷ [5] تفسیر عثمانی ص ۷

http://mujahid.xtgem.com

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا:۔

فابتغوا عند اللہ الرزق۔ (پ۲۱ العنکبوت آیت ۱۷)

ترجمہ۔ تم اللہ کے ہاں سے رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربھم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ افسوس مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے

حیات شہداء کے شواہد

(۱) حضرت جابرؓ کہتے ہیں اُحد کے دن میرے والد نے مجھے کہا۔ شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضورؐ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیارا نہیں۔ میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے۔ اس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو ـــ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا۔ تاکہ آپ کو علیحدہ دفن کر دوں۔

فکان اول قتیل ودفنت معہ اخر فی قبرہ ثم لم تطب نفسی ان اترکہ مع اخر فاستخرجتہ بعد ستۃ اشھر فاذا ھو کیوم وضعتہ ھنیۃ غیر اذنہ[۱]

ترجمہ۔ آپ جنگ اُحد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں میں نے پھر چھ ماہ کے بعد آپ کو وہاں سے نکالا آپ اسی حال میں تھے جیسا کہ میں نے آپ کو دفن کیا تھا صرف ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمرو انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموحؓ دفنائے گئے تھے[۲]

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰ [۲] فتح الباری جلد ۳ ص کتاب الجنائز

http://mujahid.xtgem.com

(۲)۔ تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہر کظامہ کھودی گئی۔ اس کھدائی میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسد ملا۔ وہ اسی طرح تھا جس طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ بیلچہ انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وما وجد فی صدر ھذہ الامۃ من شہداء احد وغیرھم علیٰ ھٰذہ الصورۃ ولم یتغیروا بعد الدھور الطویلۃ لحمزۃ بن عبد المطلب فانہ وجد حین حفر معاویۃ العین صحیحا لم یتغیر اصابت الفاس اصبعہ فدمیت۔[۱]

ترجمہ: اور اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے لمبے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے دور میں ایک نہر کھودی تو انہیں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا بیلچہ آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔

(۳)۔ حضرت عمرو بن الجموحؓ اور عبد اللہ بن عمرو انصاریؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کیئے گئے:۔

فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس وکان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذٰلک فارسلت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت۔[۲]

ترجمہ: وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فوت ہوئے ہیں ان میں سے ایک احد کے دن زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن

---

[۱] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ [۲] مؤطا امام مالک صفحہ ۳۱۳ طبع جدید صفحہ ۱۷۱

http://mujahid.xtgem.com

کر دیا گیا میں نے آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پہلے تھا۔

(۴) حضرت عمرؓ کے زمانے میں بخران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبد اللہ بن تامرؓ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے:۔

فاذا اخرت یدہ عنہا تنبعث دمًا واذا ارسلت یدہ ردھا علیہا فامسکت دمہا۔[1]

ترجمہ۔ جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔

(۵) ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضورؐ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔[2]

(۶) حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں جب نہر کظامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تر و تازہ ہیں اور بال بڑھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔[3]

(۷) حضرت حذیفہ اور حضرت عبد اللہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریا زمین کاٹتا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومتِ عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی گیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی۔ ایک صاحب الطاف حسین جوان جنازوں میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے:۔

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۵ و تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۲۸ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۶
[3] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۹۳۹

http://mujahid.xtgem.com

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر رکھا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔[۱]

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں اسی طرح منقول ہے اور اس کا عنوان ہے:۔

ناقابل انکار صداقت

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے، زمانہ قدیم میں جس کا نام "مدائن" تھا۔ جہاں اکثر صحابہ کرامؓ گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمانؐ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسولؐ کے مزارات پہلے سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔

ہوا یہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس لیے کہ میرے مزار میں پانی اور جابرؓ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امور سلطنت کے باعث بھول گیا، تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت فرما کر کہا: ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نوری السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے

---

[۱] صدق لکھنؤ ۱۱، دسمبر ۱۹۴۴ء

http://mujahid.xtgem.com

ملے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوےٰ دے دیا تو یہ فتوےٰ اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروزِ عید قربان بعد نمازِ ظہر ان دونوں اصحابؓ رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ رئٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دُنیا میں پہنچا دیا۔ حسنِ اتفاق دیکھیے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لیے حرمین شریفین (مکے مدینے) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ وغیرہ ملکوں سے شاہ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی جنازوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز بڑھا دی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیشِ نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک پہنچنے نہ پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پاک میں جمع ہو گئے۔ دو شنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفۃ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آ چکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔

http://mujahid.xtgem.com

حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر، عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانیؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز میجسٹی شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پُراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟

بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایئے مفتی اعظم! ہاتھ بڑھایئے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس موقع پر ایک جرمن فلمساز کمپنی نے کمال کیا۔ کمال کیا کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقانِ دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر عین مزارات

http://mujahid.xtgem.com

کے اوپر دو سو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکرین لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی چھت سے ملحق چار سکرین لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس بٹر بونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لیے آتے تھے اور مطمئن شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ "چشم دید واقعہ" کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے ہر جگہ چرچے رہے ہیں۔ یہ مزارات گمنام افراد کے بھی نہ تھے۔ یہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جو اب بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔[1]

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں ذرا سی بھی شائبہ حق و انصاف ہے اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ان اصحابِ رسول کو یہ حیات برزخی جس نسبت سے حاصل ہوئی وہ مکین گنبدِ خضریٰ بھی اسی جسد اطہر سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔

---

[1] منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اشاعت اگست ۱۹۶۴ء

http://mujahid.xtgem.com

یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا کہیں عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور ان کے اجسادِ مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی کیا وہ انہی گڑھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجسادِ کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثارِ حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لا تشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات برزخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی یہ حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔

جو لوگ صحابہؓ پر برستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں ان کے ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلّم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:-

انھم مثل ھذہ الاقاویل خرجوا عن ربقۃ الاسلام ولذا رأم بعض اھل رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین علی صورۃ الخنازیر کما ھو مشروح فی الفتوحات المکیۃ للشیخ الاکبر وارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حکم بعض اھل اللہ تعالیٰ رضوان اللہ علیھم انھم یحشرون علی صورۃ الخنازیر[1]

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفیٰ من علم الاصول جلد ۲ صـ ۹۷ طبع منشورات الرضی بہ قم

http://mujahid.xtgem.com

حیاتِ انبیاء کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آ پہنچے

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :-

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روئے زمین۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

اس دن جب سب مردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا طویل بے ہوشی سے افاقہ ہوگا بصورتِ ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے۔ جواب اس نفخہ ثانیہ سے ہوش میں آ گئے۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افاقہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے :-

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون ○ واشرقت الارض بنور ربھا ووضع الکتاب وجیء بالنبیین والشھداء وقضی بینھم بالحق وھم لا یظلمون ○ (پ ۲۴ : الزمر ع ۷، آیت ۶۸)

ترجمہ۔ اور پھونکا جائے گا صور۔ پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

http://mujahid.xtgem.com

جگمگا اُٹھے گی اور لایا جائے گا نبیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہوگا لوگوں میں انصاف سے۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کرتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفخ صور ہوگا۔ پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مُردے ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے اُن کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مُردوں کی ارواح اَبدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے ..... اس وقت حق تعالیٰ کی تجلّی اور نُور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اُٹھے گی۔ حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔[1]

عربی میں صعق کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

صعق الرجل اذا غشی علیہ وصعق الرجل اذا مات۔

صور پھونکا جانے پر جو صعقہ ہوگا وہ موجود زندوں کے لیے پیغامِ موت ہوگا اور جو پہلے مر چکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لیے یہ صعقہ غشی کا ہوگا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے مر چکے ہیں وہ تو زیرِ زمیں تھے ہی۔ جو اب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حملہ العرش پر شاید اس نفخہ کا اثر نہ ہو اور وہ الا من شاء اللہ کا استثناء پالیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیاتِ بعد الوفات پا چکا اس پہ اس صعقہ کا اثر بے ہوشی کا ہوگا

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۶۰۴

http://mujahid.xtgem.com

نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہو گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جو موت کی آغوش میں گئے تھے۔ وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؛ مقامِ حیات ہے تو وہ بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مُردوں پر تو واذا النفوس زوجت کا عمل ہو گا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے

انبیاء کرام اس دن بیہوشی سے اُٹھیں گے۔ وہ موت سے حیات میں نہیں بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اُن کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہو گی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تخیروني على موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا موسى باطش بجانب العرش فلا ادري أكان فيمن صعق فافاق قبلي او كان ممن استثنى الله عزوجل [1]

ترجمہ۔ تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا جسے بیہوشی سے افاقہ ہو گا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا وہ بیہوش ہی نہ ہوئے تھے) ان میں تھے جنہیں اللہ عزوجل نے اسی آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہو گا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

اني اول من يرفع رأسه بعد النفخة الاخيرة۔ [2]

ترجمہ۔ میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۸۴، صفحہ ۴۲۵ [2] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۶

http://mujahid.xtgem.com

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا۔ کتنا ہوگا۔ اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے :-

ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون ۝ (پ ۲۴ : الزمر ع ۷ آیت ۶۸)

ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو سب اُٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور آخرت میں فرق ہے۔ برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور آخرت میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح احادیث میں نفخۂ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام کے لیے نفخۂ ثانیہ پر لفظ افاق من قبلی اور اول من یفیق کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرامؑ عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک بہشتی کی سی ہوگی جو نفخۂ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک کھلی زندگی میں آجائیں گے۔

یہ دوسرے نفخہ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا ؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے ———

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

فان الناس یصعقون یوم القیٰمۃ فاکون من تنشق عنہ الارض فاذا انا بموسیٰ آخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری کان فیمن صعق ام حوسب بصعقۃ الاولیٰ۔ [1]

ترجمہ۔ سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور پھونکا جانے سے) مرجائیں گے۔ اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی (کھلے گی اور میں نکلوں گا) کیا دیکھوں گا کہ موسےؑ عرش کا پایہ پکڑے

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ وفی روایۃ ام جوزی بصعقۃ الطور جلد ۱ صفحہ ۴۸۱

http://mujahid.xtgem.com

کھڑے ہیں، میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بیہوشی کافی ہوگئی۔ جو انہیں پہلے (کوہِ طور پہ) پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا بگل ہوگا اور دنیا کے سب انسان مرجائیں گے پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذراتِ منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نوبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: نفخۂ اولیٰ وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مرجائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔[1]

رہا انبیاء کرام کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہوجائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے۔ اچانک عرش پہ نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے نظر آئیں گے۔ معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پہ قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورتِ حال کیا بتارہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیلۂ میں آنا اور انبیاء علیہم کا بیہوشی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل بنی نوعِ انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد   ص   فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۹۸

http://mujahid.xtgem.com

روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا اور بات آپ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی ـــــ آپ فرماتے ہیں :۔

یخرج الدجال فی امتی فیلبث فیھم اربعین فیبعث اللّٰہ عز وجل عیسی ابن مریم ۔ ۔ ۔ ۔ فیطلبہ فیھلکہ ثم یلبث الناس بعدہ سنین سبعًا لیس بین الاثنین عداوۃ ثم یرسل اللہ ریحًا باردۃ من قبل الشام فلا یبقی احد فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان الا قبضتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ویبقی شرار الناس فی خفۃ طیر واحلام السباع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وھم فی ذلک دارۃ ارزاقھم حسن عیشھم ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی لہ[1]

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا وہ اس کے جھونکے سے مر جائے گا صرف اہل شرہ جائیں گے طیور کی طرح ان میں توہم، تغزل اور اضطراب ہو گا فسق و فجور کے دلدادہ اور فساد پہ آمادہ ہوں گے خیالات ان کے بُرے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے عقلیں ناقص ہوں گی اور علم و حلم سے خالی ہوں گے . قلت رحم . اہلاک . اتلاف غضب اور وحشت ان کی زندگی ہوگی . نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ بُرائی کو برائی مانیں گے . شیطان کے اُکسانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے رزق ان کا وسیع ہو گا . صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور پھونکا جائے گا .

ثم یرسل اللہ مطرًا کانہ الطل فتنبت منہ اجساد الناس ثم ینفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون قال ثم یقال یا ایھا الناس ھلموا الی ربکم وقفوھم انھم مسئولون ۔

[1] مسند امام احمد جلد ۲ حدیث ۶۵۵۵ الفتح الربانی ترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی جلد ۲۴ ص ۸۶

http://mujahid.xtgem.com

پہلے نفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مرجائے گا کوئی زندہ باقی نہ رہے گا سب مرجائیں گے. پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام اگ آئیں گے[1] ـــــ پھر دوسرا نفخہ ہوگا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ پر قائم ہوگی۔

قرآن کریم کہتا ہے:۔

ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذاھم قیام ینظرون ٥ (پ ۲۴: الزمر)

ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفخۂ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

اس صورتِ حال میں انبیاء کرام کا اپنی قبروں سے آنا بیہوشی سے افاقے کی صورت میں ہوگا موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے سے زندہ ہیں جو نفخۂ اولیٰ سے صرف بیہوشی میں جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے وہ ہوش میں آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۷۰ھ) فرماتے ہیں:۔

وھذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قدمات فکیف تدرکہ الصعقۃ و انما تصعق الاحیاء[2]

ترجمہ۔ یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے ہیں صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا

---

[1] قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے۔ بدن پھر سے بن جائیں گے

[2] شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۸

http://mujahid.xtgem.com

جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے برزخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)۔

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں:۔

قال القاضی فیحتمل ان ھٰذہ الصعقۃ صعقۃ فزع بعد البعث حین تنشق السموات والارض فتنتظم حینئذ الآیات والاحادیث و یؤید قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فافاق لانہ انما یقال افاق من الغشی واما الموت فیقال بعث منہ وصعقۃ الطور لم یکن موتا و اما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادری افاق قبلی فیحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم قالہ قبل ان یعلم انہ اول من تنشق عنہ الارض ان کان ھٰذا اللفظ علی ظاھرہ وان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اول شخص تنشق عنہ الارض علی الاطلاق۔[1]

ترجمہ: ہو سکتا ہے صعقہ سے مراد جب آسمان اور زمین پھٹ چکے ہوں گے صعقہ فزع مراد ہو۔ اس سے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضورؐ کا ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے کہا کہ موسےٰ افاقہ میں آئے تو یہ ایسے ہی کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے۔ موت سے جو اٹھایا جائے اسے بعث کہتے ہیں طور کی بیہوشی موت نہ تھی اور حضورؐ کا یہ کہنا میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش آئے ہو سکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو جب آپ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفخہ اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ (باستثناء من شاء منہ) مر جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے، وہ اس وقت نہ مریں گے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۸

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الذین یصعقون ھم الاحیاء واما الموتیٰ فھم فی الاستثناء فی قولہ تعالیٰ الا من شآء اللہ ..... ولا یعارض ما ورد فی ھٰذا الحدیث ان موسیٰ ممن استثنی اللہ لان الانبیاء احیاء عند اللہ وان کانوا فی صورۃ الاموات بالنسبۃ الیٰ اھل الدنیا وقد ثبت ذٰلک للشھداء ولاشک ان الانبیاء اعلیٰ رتبۃ من الشھداء وورد التصریح بان الشھداء ممن استثنی اللہ۔[1]

ترجمہ۔ جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں مریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں ..... اور یہ بات اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو مستثنیٰ کیے گئے کیونکہ انبیاء سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت میں ہیں اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء تو بلاشک شہداء سے کئی درجہ اعلیٰ ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔

سو نفخہ اولیٰ میں موت صرف زندوں کے لیے ہے اور جو پہلے سے مردہ ہیں وہ اس صعقۃ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں ہیں۔ تاہم (حقیقۃً وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء کے لیے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اوپر کے درجے میں ہیں۔

انبیاء کرام صعقہ اولیٰ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ نفخہ ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت آن

---

[1] فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۶

http://mujahid.xtgem.com

پر اس صعقہ سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہو گی. یہ صعقہ ان کے لیے صعقہ فزع ہے. جس سے سب سے پہلے آپ کو افاقہ ہو گا —— جو مُردہ ہیں وہ اس صعقہ ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم السلام جو پہلے اپنی قبور میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صعقہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے. پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی افاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب خدا کی طرف چل دیں گے.

حیاتِ انبیاء کی یہ ایک کھلی جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے عین مطابق ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ وہاں مصروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی.

قرآنِ کریم اور عقیدہ حیاتُ النّبیؐ

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہدا اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مُردہ نہ کہو. علماء کرام نے اس حیاتِ شہداء سے بدلالۃ النص حیاتِ انبیاء بھی ثابت کی ہے. ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے. پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لیے انہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے. حالانکہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے. پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو. اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے. قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

> قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں. ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل ھم احیاء ولکن لا تشعرون. اس سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زادہم اللہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا. دلالۃ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس سے بطور اولیٰ سمجھ میں آئے. اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس[1]

---

[1] مسالک العلماء ص ۲۹ معلوم نہیں قاضی صاحب نے بل ھم احیاء کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں.

http://mujahid.xtgem.com

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رکی ہے. کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی. مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہد بن کر قرآن کریم سے نئے سرے سے استنباط کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو بھول گئے اور دعویٰ کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے۔

① حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔

② قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔

③ جس طرح شہداء بعد الوفات زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفات بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔

④ جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لیے زادھم شرفاً کی دعا ہے۔

⑤ جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

ہمیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلے میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں. ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیاتِ انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں۔

① واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا. (پ ۲۵ الزخرف آیت ۴۵)

② ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ.

(پ ۲۱ : الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں احادیث صریحہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہؓ کا اس صورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش ہمارے نادان دوست اس مسئلے کو سمجھے ہوتے۔

http://mujahid.xtgem.com

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادت حیاتِ شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارۃ النص ہے جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔

اب آیئے دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے شہادت پائی۔ ھ میں خیبر کے دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔ روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضورؐ سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں میں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ اللہ کے رسول غالب آکر رہتے ہیں۔ ارادۂ خداوندی ہوا کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غارِ ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی کی ایڑی کو ڈسا تو اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا۔ حضورؐ آپ کو اللہ کی طرف سے ان اللہ معنا کا وعدۂ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضورؐ کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر رکا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیاتِ شہداء کے ایوان میں داخل ہوگئے۔

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابوبکرؓ زہر سے حضرت عمرؓ قتل سے شہید ہوئے۔[۱]

آنحضرتؐ کا مرتبۂ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہیں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس نے زہر ملایا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے چکھتے ہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرض الوفات میں فرماتے مجھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔[۲] سو آپ کا مرتبۂ شہادت برحق ہے۔

---

[۱] دیکھئے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۹ [۲] سیرت مصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۸۰

http://mujahid.xtgem.com

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پہ کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا۔ صرف روح کا تجسد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجسد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ حیاۃ انبیا میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالاً اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیۃ اموات غیر احیاء انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جا سکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے۔ کیونکہ ہمارے کرم فرما اوپر بس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں۔ ان کی بس یہاں رکی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔[1]

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

عزیزان من! حیاۃ الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

بزرگان من! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا ہے؟ کم از کم اتنا ہی ہمیں بتا دیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟ آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی کا اقرار جن واشگاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں۔

---

[1] مسالک العلماء، ص ۲۹

http://mujahid.xtgem.com

مسئلہ حیات النبی کا تعارف

آنحضرت بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النص کی رو سے زندہ ہیں اور بطور نبی اور رسول بھی آپ قرآن کی دلالۃ النص سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا بجا ہے کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں۔ انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحت سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالۃ النص سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء کو اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء کو احیاء کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تضعیف ہونی چاہیئے یا ان احادیث سے قرآن کی تائید ہونی چاہیئے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

http://mujahid.xtgem.com

حیات بعد الوفات لسیّد الکائنات

الباب الاوّل وفیہ خمسۃ فصول

حدثنا ھارون بن عبد اللہ اخبرنا حسین بن علی عن عبد الرحمٰن[1] بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔

سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۱۵۰، صفحہ ۲۱۳، سنن نسائی جلد ا صفحہ ۱۵۴، سنن ابن ماجہ صفحہ ۷۷، صفحہ ۱۱۹ سنن دارمی صفحہ ۱۹۵، مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۲۷۸، جلد ۴ صفحہ ۵۶۰، مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ سنن کبرےٰ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۴۸ والطبرانی کما فی نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۱۰، صفحہ ۲۱۱ واحمد کما فی التفسیر لابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۱۴ وابن خزیمۃ وابن حبان وسعید بن منصور فی سننہ وابن ابی شیبۃ فی مصنفہ کما فی شرح العلامۃ البوسنوی صفحہ ۵ مصر، المصنف جلد ۲ صفحہ دلائل النبوت لابی نعیم صفحہ ۴۹۶ مصر

---

[1] قال ابن حبان فی صحیحۃ حدثنا ابن خزیمۃ حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منہ (جلاء الافہام للحافظ ابن القیم صفحہ ۴۶ طبع امرتسر)

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن ان کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی قیامت کی بے ہوشی ہوگی بس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔

(۱) ——— صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپؐ پر کیسے پیش کیا جائے گا دراصل آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا۔

فان صلٰوتکم معروضة عليّ.

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ وسلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال یہ پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ وسلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا رہے گا۔ آنحضرت کا ارشاد فان صلٰوتکم معروضة عليّ جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہؓ نے جب اس استمرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا، تو آپ نے ہر دو میں فرق کرنے کے بجائے ایک اصولی بات بتادی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔ آپؐ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا۔

ارشاد ہوا۔

http://mujahid.xtgem.com

"زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔"

گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوٰۃ وسلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوٰۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام روح الجسد پر پورے ادراک و شعور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

(۲) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے" صرف ارمت (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوٰتنا علیک کے جواب میں ہے۔ یعنی ارشادِ نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ اُن پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اصل سوال یہ تھا:

كيف تعرض صلوٰتنا عليك وقد ارمت۔

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مُراد ہرگز نہیں کہ اجسامِ مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس و شعور پڑے ہیں، بلکہ منشائے رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔ اگر اجسادِ محفوظہ پر صلوٰۃ وسلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوٰۃ وسلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا، تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا اقتضاء یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے حس و شعور اکراماً محفوظ نہ ہو، اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔

(۳) ——— صحابہ کرامؓ کے سوال میں "ارمت"، اور اس کے جواب میں "اجساد الانبیاء" کے اطلاقات قطعاً اور یقیناً اس دُنیا والے جسدِ عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً

http://mujahid.xtgem.com

گنجائش نہیں کہ شاید اجسادِ مثالیہ مراد ہوں. پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ وسلام روضہ منورہ کے اسی جسدِ عنصری پر پیش ہو رہا ہے جس پر ورُودِ موت ہوا تھا اور جسے صحابہؓ نے دفن کیا تھا جسدِ اطہر وہاں مع الروح ہے، تو عرضِ صلوٰۃ وسلام کا محل بنا ہوا ہے. محض بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں. اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرضِ صلوٰۃ وسلام ہو سکے تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

کیف تعرض صلوٰتنا علیك وارمت.

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرضِ صلوٰۃ وسلام ہے، تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذراتِ بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے. پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے. فتفکر فان ذالك من مدارك الاذکیاء.

مولانا محمد بشیر قنوجیؒ تفہیم المسائل فارسی ص۸۵ پر اس حدیث حفظِ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں.

کثیفہ

بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لیے کہے یا سنے جاتے ہیں، تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں. ایسے لطائف اچھے جاسے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں. لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہا، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں. جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے. چونکہ اُسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پہ گرانی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کثیفہ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے.

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریب کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پُور جانا ہوا، وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سُننے کا اتفاق ہوا. ایک عالم نے اس حدیث پر بحث

http://mujahid.xtgem.com

کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبروں میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوت صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعی نبوت اور اور جھوٹے مدعی نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو، جھوٹے مدعی کی لاش گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ مذ زمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، سچے اور جھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لیے تھا۔ (معاذاللہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے، اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیانِ دلفگار صحیح ہے تو غور کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوّت کو مسخ کرنے کی کس طرح بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوت کو سیاق وسباق سے بے نیاز کر لے اور اُسے ایسا معنی پہنانے پر، جو آج تک کسی شارح حدیث کو نہیں سُوجھے، حیرت در حیرت ہوتی ہے ؎

الا یا قومنا انتبھوا فانا
نحاسب فی القیمۃ غیر شک

اگر چہ یہ ارشادِ نبوت اجسادِ انبیاء کی محفوظیت ——— ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے ——— اور ایسا صلوٰۃ وسلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفات ہوتا تھا یعنی روح وجسد کے مجموع پر ——— پر دلیل ناطق اور شاہد صادق ہے ——— تاہم تائیدِ مزید کے لیے یہ بھی سُنیئے :-

تائیدِ مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابُو الدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔[1]

---

[1] ابن ماجہ ص۱۱۹

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے، جو مضمون حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا:۔

فان صلوٰتکم معروضۃ علی ـــــ بنائے سوال کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت۔

ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ـــــ جواب برائے صورت عرض صلوٰۃ و سلام بعد الوفات۔

نتیجہ ـــــ بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظِ نبوت بن کر سامنے آگیا۔

فنبی اللہ حیّ یرزق ـــــ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

اس جزو کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعاء اور حکمِ ادراج کہاں تک صحیح ہے۔ یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کے محفوظ ہونے اور اُن پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہوتے رہنے سے، حیاتُ النبیؐ کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت میں بعینہٖ جزوِ حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راویِ حدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے تو بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیث لفظِ اجساد کا اس کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں مقامِ تعجب ہے کہ اجساد الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فنبی اللہ حیّ یرزق کا مطلب یوں بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیاتِ جسدی کا اس سے کوئی تعلق نہیں علمی دُنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ ؎

؎ کما یظھر من صنیع صاحب السیرۃ المحمدیۃ وراجع لہ صفحہ

http://mujahid.xtgem.com

والبغی یصرع اھلہ　　　والظلم مرتعہ الوخیم

حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت ایک اور سلسلہ اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔[1]

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ـــــ قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۳ ص ۳۹۸)

② العلقمی حاشیہ عزیزی شرح جامع صغیر ـــــ رجالہ ثقات (السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۹۰ مصر)

③ ملا علی قاریؒ ـــــ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفہ (مرقات جلد ۳ ص ۲۴۲)

④ قال الدمیری رجالہ ثقات۔ (فیض القدیر للمناوی جلد ۲ ص ۸۷)

⑤ رواہ ابن ماجہ برجال ثقات (زرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۶)

⑥ قال المنذری۔ اسنادہ جیّد (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۱۹۷)

⑦ علامہ سمہودیؒ ـــــ رواہ ابن ماجہ باسناد جیّد۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)

⑧ قاضی شوکانی یمنیؒ ـــــ اخرج ابن ماجۃ باسناد جیّد (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱۰)

⑨ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ـــــ باسناد جیّد۔ (عون المعبود جلد ۱ ص ۴۰۵)

⑩ تنقیح الرواۃ ص ۲۵۵ باسناد جیّد (وترکنا البقایا مخافۃ التطویل)

تلک عشرۃ کاملہ۔

---

[1] جلاء الافہام لابن القیمؒ ص ۵۰)

http://mujahid.xtgem.com

الفصلُ الاوّل

وفیہ ستّۃ من المباحث

المبحث الاوّل : احوالِ رُواۃ حدیث اَوس بن اَوسؓ

پہلا راوی جس پر تمام ائمہ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی ہے، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، پھر ابوالاشعث صنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علیؓ، عبدالرحمٰن اور ابوالاشعث کے مختصر تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی ——— ثقہ عابد۔ (تقریب ص۱۱۳، کشف الاستار ص۲۷)

عبدالرحمٰن بن یزید

عبدالرحمٰن بن یزید دو ہیں، ایک عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر۔ ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے، لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے۔ اس حدیث کے سلسلۂ اسناد میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں۔ بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبدالرحمٰن بن یزید تھا، اُسے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تضعیف کر دی۔ حالانکہ ابوداؤد اور نسائی

۱؎ قال ابوداؤد حدثنا ہارون بن عبداللہ اخبرنا حسین ابن علی (جلد ۱ ص۱۵۰) قال النسائی اخبرنا اسحٰق بن منصور قال حدثنا حسین ابن علی (جلد ۱ ص۱۵۴) قال احمد حدثنا حسین بن علی (ابن کثیر جلد ۳ ص۵۱۴) قال ابن ماجہ۔ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ حدثنا حسین بن علی (ص۱۱۹) قال ابن خزیمہ حدثنا ابوکریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبدالرحمٰن (جلاء الافہام لابن القیم ص۳۶)

http://mujahid.xtgem.com

کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ غلط ملط کر رہے ہیں جن لوگوں کی رسائی اصل کتبِ حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی ناواقفیت کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بچلے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) ضد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے ؎

وقد ترکتنی لا اعیٰ لمحدث
حدیثاً وان ناجیته و نجانی

سُنیئے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:۔

وقولهم ان ظن انه ابن جابر وانما هو ابن تميم وغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشتبه على حسين هذا بهذا انقده و علمه بهما و سماعه منهما۔[1]

ترجمہ بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن تمیم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہو گئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پہ ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبدالرحمٰن نامی راویوں کو ذاتی طور پہ جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔

رایت الدار قطنی قد ذکر ذلك نصاً۔[2]

ترجمہ میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے مکحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابو الاشعث، صنعانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سنیں اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، حسین بن علی الجعفی

---

[1] جلاء الافہام ص۴۵ [2] ایضاً ص۴۸

http://mujahid.xtgem.com

اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے بھی شیخِ حدیث تھے۔[1]

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔[2]

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمٰن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابو داؤد کہتے ہیں "ھو من ثقات الناس" اُن کے بیٹے ابو بجر نے کہا ہے "ثقة مامون" ابو حاتم کہتے ہیں "صدوق لا بأس به ثقة"[3]

وفات ۱۵۳ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابو اللیث الصنعانی کا اسم گرامی ذکر ہو چکا، یہی استاد اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابو الاشعث کا نام نہیں ملتا۔[4]

پیشِ نظر رہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمٰن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن تمیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابو اسامہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر عللِ رجال کے ماہر فن دارقطنیؒ نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راویِ حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقاتِ رواۃ اور عللِ رواۃ پر نظر نہیں رکھتے۔ از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھتے ہیں۔

ابو الاشعث الصنعانی ــــــ شراحیل بن آدہ

ثقة من الثانية شهد فتح دمشق۔[5]

---

[1] جلاء الافہام صہ ۴۷ [2] تہذیب جلد ۶ صہ ۲۹۸ [3] ایضاً جلد ۶ صہ ۲۹۸

[4] دیکھیے تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۲۱۵ [5] تقریب التہذیب صہ ۲۲۱

http://mujahid.xtgem.com

ثقہ راوی ہیں[1]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اُن سے احتجاج کیا ہے عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے[2]

المبحث الثانی

صرف راویوں کی ہی توثیق اور اُن کا باہمی اتصال نہیں۔ ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی اُن پر اعتماد کریں گے۔ ہر فن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اُسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سَو سے متجاوز ہے:۔

۱۔ امام احمد (۲۴۱ھ) ۲۔ امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) ۳۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) ۴۔ امام ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) ۵۔ ابن حبان (۳۵۴ھ) ۶۔ دارقطنی (۳۸۵ھ) ۷۔ امام بیہقی (۴۵۸ھ) ۸۔ حاکم (۴۰۵ھ) ۹۔ ابونعیم الاصفہانی (۴۳۰ھ) ۱۰۔ بغوی (۵۱۶ھ) ۱۱۔ نووی (۶۷۶ھ) ۱۲۔ ابن دحیہ (ھ) ۱۳۔ علامہ منذری (۶۵۶ھ) ۱۴۔ حافظ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) ۱۵۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) ۱۶۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ۱۷۔ حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ) ۱۸۔ خطیب تبریزی (۷۴۲ھ) ۱۹۔ حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) ۲۰۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ۲۱۔ حافظ عینی (۸۵۵ھ) ۲۲۔ حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) ۲۳۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) ۲۴۔ علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ) ۲۵۔ علامہ طیبی ۲۶۔ علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) ۲۷۔ امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) ۲۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ) ۲۹۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) ۳۰۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) ۳۱۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (۱۱۹۷ھ) ۳۲۔ حجۃ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ) وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

---

[1] کشف الاستار عن رجال معانی الآثار صہ ۱۱۹ [2] دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۴ صہ ۳۱۹

http://mujahid.xtgem.com

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم بعض عبارات پیشِ خدمت ہیں:۔

حوالجات از بعض حوالجات

① شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ

تلخیص المستدرک للعلامۃ الذہبی «علی شرط البخاری»[1]

② حضرت امام نوویؒ

روینا فی سنن ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ بالاسانید الصحیحۃ عن

اوس بن اوسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... الحدیث[2]

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے[3]

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو جاتی ہے۔ وللحدیث طرق جمعہا المنذری فی جزء فتعدد الطرق یشد بعضہا بعضاً۔[4]

علامہ نابلسی فرماتے ہیں حسن صحیح[5]

③ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

الف: ورد الامر باکثار الصلوٰۃ علیہ الجمعۃ من حدیث اوس بن اوسؓ وہو عند احمد وابی داؤد وصححہ ابن حبان۔[6]

ب: ورد الامر باکثار منہا یوم الجمعۃ فی حدیث صحیح کما تقدم۔[7]

ج: عند ابی داؤد والنسائی وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ عن اوس بن اوس رفعہ۔[8]

---

[1] تلخیص المستدرک جلد ۱ صـ۲۷۸، جلد ۴ صـ۵۶۰ [2] کتاب الاذکار کتاب الصلوٰۃ علی رسول اللہ صـ۹۸ [3] القول البدیع للسخاوی صـ۱۱۹ [4] تنقیح الرواۃ جلد ۱ صـ۲۵۵ [5] ترجمان السنۃ جلد صـ۲۹۷ [6] فتح الباری جلد صـ مصر پ۲۲ کتاب الدعوات صـ۱۳۵ دہلی [7] فتح الباری پ۲۶ صـ۱۸۷ [8] کتاب الانبیاء صـ۱۹۰ دہلی

http://mujahid.xtgem.com

④ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ

الف: صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام[1]

ب: وھو الیوم رای والحال انہ الیوم) کما وضع لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام[2]

⑤ حافظ ابن کثیرؒ

قد صحح ھذا الحدیث ابن خزیمۃ و ابن حبان والدار قطنی و النووی فی الاذکار[3]

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرام کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

⑥ حافظ ابن قیمؒ

ومن تأمل ھذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقۃ رواتہ وشھرتھم وقبول الائمۃ حدیثھم۔[4]

ترجمہ۔ اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اُسے اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہ رہا کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء . . . الی غیر ذلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۶ صہ ۶۹ [2] بنایہ جلد ۱ صہ ۱۹۶ [3] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صہ ۵۱۴

[4] جلاء الافہام صہ ۴۴

http://mujahid.xtgem.com

هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء۔[۱]

ترجمہ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی. ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

(۷) علامہ ابن عبد الہادی (۷۴۴ھ)

حديث صحيح لان رواته كلهم مشهورون بالصدق والامانة والثقة والعدالة ولذلك صححه جماعة من الحفاظ كابي حاتم بن حبان والحافظ عبد الغني النابلسي وابن دحيه وغيرهم ولم يات من تكلم فيه وعلله بحجه بيّنه۔[۲]

ترجمہ. یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق و امانت اور عدالت میں مشہور ہیں. حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا.

(۸) امام الحدیث والفقہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری

قال ميرك ورواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه وزاد ابن حجر بقوله وقال صحيح على شرط البخارى ورواه ابن خزيمة في صحيحه قال النووى اسناده صحيح وقال المنذرى له علة دقيقة[۳] اشار اليها البخارى نقله ميرك قال ابن وحية انه صحيح بنقل العدل

---

[۱] کتاب الروح ص۴۳ [۲] الصارم المنکی ص۱۷۶ [۳] یہ علت غالباً عبد الرحمن بن یزید کے ابن تمیم یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے. حق یہ ہے کہ یہ عبد الرحمن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں، جو محل جرح تھا. پس سند بالکل بے غبار رہی. واجاب الحافظ عما ذكر فيه من العلة وراجع لجلاء الافهام ص۲۵، ص۲۶

http://mujahid.xtgem.com

عن العدل ومن قال انه منکر او غریب بعلة خفیة فقد استروح لان الدار قطنی ردّها۔[1]

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو "منکر" یا "غریب ومعلل" کہا ہے، اس نے نہایت بچی بات کہی، کیونکہ امام دار قطنی جیسے ماہرِ فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔

⑨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

در حدیثِ صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روزِ جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوٰۃ شما معروض مے گردد بر من. ازیں جا معلوم مے شود کہ حیاتِ انبیاء حیاتِ جسمی دنیاوی است نہ بمجرد بقائے ارواح۔[2]

ترجمہ: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

⑩ حافظ عبدالغنی النابلسی

قال الحافظ عبدالغنی النابلسی انه حسن صحیح۔[3]

⑪ خاتم المحدثین حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیری

ومما کفر به الفقهاء الحجاج[4]......لان فی هذا الکلام تکذیبا لرسول الله صلی الله علیه وسلم نعوذ بالله من اعتقاد ذلك فانه صح عنه صلی الله علیه وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء رواه ابوداؤد۔[5]

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ مصر [2] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۹۲۰ [3] ترجمان السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۹۷ [4] وراجع له الکامل للمبرد جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ بحاشیہ الدکتور زکی مبارك جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، صفحہ ۱۵۴ بحاشیہ ابراهیم [5] خزائن الاسرار صفحہ ۱۹

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بناء پر حجاج کی تکفیر کی تھی، ایک اُن میں سے اس ارشادِ پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پہ حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پہ ثابت ہو چکی ہے اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

ابن عربی (۵۴۳ ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ اُن کے ذہن میں غالباً یہ بات ہو گی کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری اُسے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمٰن بن یزید کس سے روایت کر رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے ـــــ اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کے اساتذہ میں ـــــ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

دارقطنی نے امام بخاری پہ کئی تعقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے اُن کی تاریخِ کبیر سے لیا ہو گا۔ حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی، کہ اُن پہ اُن کا استاد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن جابر ہے یا ابن تمیم ـــــ امام دارقطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارحِ صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ ھ) بھی اس بحث میں دارقطنی کے ساتھ ہیں ـــــ حافظ سخاوی (۹۰۲ ھ) لکھتے ہیں:۔

http://mujahid.xtgem.com

لكن قد رد هذه العلة الدارقطني وقال ان سماع حسين عن ابن جابر ثابت والي هذا جنح الخطيب[1]

ترجمہ. لیکن اس علت کو دارقطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

المبحث الثالث

ان بزرگوں کی عبارات، جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روضۂ منورہ کی حیات یقین کیا ہے

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم جنید و شبلی و عطارہم مست

۱.شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ. ۲. حافظ ابن القیمؒ. ۳. علامہ طیبیؒ. ۴. علامہ سید جمال الدین ۵. علامہ سندھیؒ. ۶. امام ملا علی قاریؒ. ۷. شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ. ۸. قاضی شوکانیؒ ۹. شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ. ۱۰. حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہم من الاکابرؒ.

پیش نظر رہے کہ ان حوالجات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ ارشادِ نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے یہ اہلِ فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن کے مقابلے میں کسی احتمالِ ثانی کی گنجائش نہیں۔

(۱) آنحضرتؐ کے ارشاد پر کہ "تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"، صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ "بعد الوفات یہ کیسے پیش ہوگا"، اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پہ صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام امور کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو حل کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں :-

---

[1] القول البدیع ص۱۱۹

http://mujahid.xtgem.com

ویؤیدہ ما یرد فی الحدیث الثالث قولہ فنبی اللہ حی یرزق[1]

ترجمہ، حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

(۲) عمدۃ المحققین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء پر رقمطراز ہیں:۔

والجواب بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء کنایۃ عن کون الانبیاء احیاء فی قبورھم[2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۳) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ:۔

قال اکثروا علی من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علی فقالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت ای بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ویبلغ ذٰلک من البعید[3]

ترجمہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی بنانا زمین پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضورؐ نے یہی بات بتلائی ہے کہ آپ قبر کے قریب پڑھے جانے والے درود کو خود سنتے ہیں اور دور کا پڑھا ہوا درود (بتوسطِ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ ص۸۲ [2] حاشیہ نسائی جلد ۱ ص۱۵۵ دہلی [3] رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج ص۲۹۱ ج۱۲

http://mujahid.xtgem.com

تنبیہ

یہاں فاخبرانه يسمع الصلوٰة من القريب میں دو احتمال ہیں :-

اوّل یہ کہ یہ پہلی حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے درود کو خود سنتے ہیں مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔

ثانیًا ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابوہریرہؓ سے بالفاظِ اختلاف اصبہانیؒ، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلى على عند قبری .... الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پڑھنے کے احکام صراحت سے منقول ہیں۔ اس صورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فَاَخْبَرَ سے جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ حفظِ اجسادِ انبیاء والی روایت اور روضۂ اطہر کے قریب سے درود شریف خود سننے کی روایت مآل کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی ہے۔

(۴) شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ :-

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلى الله عليه وسلم فى الارض طرى مطرًا وقد سأله الصحابة كيف تعرض صلوٰتنا عليك وقد ارمت فقال ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء ولو لم يكن جسده فى صريحه لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عنه ان الله تعالىٰ وكل بقبره الملٰئكة يبلغون عن امته السلام وصح عنه انه خرج بين ابى بكر وعمر وقال هكذا نبعث هذا مع القطع بان روحه الكريمة فى الرفيق الاعلىٰ فى اعلىٰ عليين مع ارواح

http://mujahid.xtgem.com

الانبیاء۔۔۔۔ فالروح هناك ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیه وتعلق بحیث یصلی فی قبره ویرد سلام من سلم علیه وهی فی الرفیق الاعلیٰ۔ [۱]

ترجمہ: یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر بالکل تر و تازہ روضۂ منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسدِ اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب ارشاد نہ فرماتے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضۂ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

---

[۱] کتاب الروح ص۴۵ حیدرآباد [۲] یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ تونویؒ کا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسادِ مطہرہ، دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیئے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ علیین یا حظیرۂ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گویا انبیاء کرام کی حیاتِ جسمانی انہیں قبور میں نہیں ہوتی۔ بلکہ اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا حاصل یوں بیان کرتے ہیں، "پس محصل اختلاف در دوام و استمرار است در قبول سجیاتیکہ پیش از وفات بود" (جذب القلوب ص۱۸۷) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان یکون المراد به رفع اجسادهم مع ارواحهم (حیاتِ انبیاء امام بیہقی ص۴ مصر) حافظ ابن قیم اس نظریے کی احادیث کی روشنی میں تردید فرما رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو اُن کی قبور ہی میں حیاتِ جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہو اور اتصال جسدِ اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ [۳] اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرضِ صلوٰۃ وسلام روضے ہی پہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسدِ عنصری وہیں ہے، اگر اس پر فیضانِ حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

http://mujahid.xtgem.com

جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پہ ثابت ہے کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اُٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات قطعی ہے کہ آپ کی روحِ مبارک اعلیٰ علیین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواحِ مقدسہ ہیں پس رُوح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روضۂ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وبھذا التعلق رای موسیٰ قائماً یصلی فی قبرہ[1]

ترجمہ۔ روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبورِ شریفہ کے اجسامِ مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقومِ حیات کے لیے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

(۵) شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ:۔

صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء ... فتحصل من جملۃ ھذا القطع بانھم غیبوا عنا بحیث لاندرکھم و ان کانوا موجودین احیاء و ذلک کالحال فی الملئکۃ علیھم الصلوٰۃ و السلام فانھم موجودون احیاء لایراھم احد من نوعنا الا من خصہ

---

[1] زاد المعاد ص ۴۹

http://mujahid.xtgem.com

اللہ تعالیٰ بکرامتہ واذا تقرر انہم احیاء ... الخ [1]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم اُن کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم اُن کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پہ اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شُدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ اُن کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کا نہیں، اس احساس کا تھا کہ دُرود و سلام کس وجُودِ اقدس پہ پیش ہوا کرے گا۔ سو بدن اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدنِ طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اس پہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :۔

وھو الیوم (ای والحال انہ الیوم) کما وضع لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء علیھم السلام [2]

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت تھے جب آپ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبروں کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

(۶) حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری :۔

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعھا وفیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبیاء ای من ان تأکلھا

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۶ صد ۶۹ [2] بنایہ شرح ہدایہ جلد ۱ صد ۱۰۹۶

http://mujahid.xtgem.com

فان الانبیاء فی قبورھم احیاء ۔۔۔۔ فتحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم۔ تامل[1]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوگا) جواب میں یہ ارشاد فرمانا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جوان پر صلوٰۃ وسلام پڑھے، اُسے وہ خود سُن سکتے ہیں۔

آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم سألو ابیان کیفیۃ العرض بعد اعتقاد جوازان العرض کائن لامحالۃ لقول الصادق فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ لکن حصل لھم الاشتباہ ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد وجبوا ان جسد النبی کجسد کل احد فکفی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب۔[2]

ترجمہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (بعد وفات) آپ پر درود و سلام پیش ہونے کی کیفیت پوچھی، یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود وسلام تو ہر حال میں پیش ہوتا ہے۔ آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے انہیں اشتباہ اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہے یا اس روح پر جو متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؓ) یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح ہے سو آپ نے جو جواب دیا وہ درستگی (عقیدہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ [2] مرقات جلد ۳ صفحہ ۲۳۸

http://mujahid.xtgem.com

لاشك ان حفظ اجسادهم من ان ترم خرق للعادة المستمرة فكما ان الله تعالیٰ یحفظها منه فکذلك یمکن من العرض علیهم ومن الاستماع منهم صلوات الامة۔[1]

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عادت زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجساد کریمہ) پر درود پیش بھی ہو اور وہ امت کا درود بھی سن پائیں۔

علامہ عینیؒ کی طرح ملا علی قاریؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیاتِ انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں:۔

قال ابن حجر وما افاده من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بها یتعبدون ویصلون فی قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب کالملئکة امر لا مریة فیه۔[2]

ترجمہ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ تعبدی امور بجا لاتے ہوں اور اپنی قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔ (حاجت مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

امر لا مریة فیه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جا سکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجدد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے۔

(۷) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:۔

اس حدیث حفظِ اجساد انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ [2] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

۱۔ ازیں جا معلوم مے شود کہ حیاتِ انبیاء حیات جسمی و دُنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح[1]

۲۔ کنایہ است از حیات ..... و حیاتِ انبیاء متفق علیہ است. ہیچ کس را در وے خلافے نیست حیاتِ جسمانی دُنیاوی حقیقی ..... و دریں حدیث کہ فرمود، ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء اشارت است باں[2]

۳۔ کنایۃ عن حیاتہم کما یأتی من حدیث ابی الدرداءؓ والمذھب ان الانبیاء احیاء حیوۃ حقیقیۃ[3]

۴۔ بدانکہ در حیاتِ انبیاء علیہم السلام، و ثبوتِ ایں صفت مر ایشاں را و ترتبِ آثار و احکامِ آں ہیچ کس را از علماء خلافے نیست[4]

۵۔ انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، اُن کے واسطے وُہی ایک موت ہے، جو ایک دفعہ آچکی۔ اس کے بعد اُن کی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات اُن کو دُنیا میں تھی، وُہی عطا فرماتے ہیں[5]

(۸) مقتدائے فرقہ اہلِ حدیث فاضلِ جلیل قاضی شوکانی " لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیھا مشروعیۃ الاکثار من الصلوٰۃ علی النبیؐ یوم الجمعۃ وانہا تعرض علیہ وانہ حی فی قبرہ ..... قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ[6]

ترجمہ. احادیث سے اِن امُور کی شرعی حیثیت ثابت ہے. ۱. جُمعہ کے دن آپؐ پر درُود کثرت سے پڑھا جائے. ۲. دُرود شریف آپؐ پر پیش ہوتا ہے.

---

[1] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۰ طبع قدیم [2] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۶۱۳ [3] لمعات التنقیح صفحہ ۲۳۱
[4] جذب القلوب صفحہ ۱۸۲ [5] مکتوب ۵ تکمیل الایمان مترجم صفحہ ۵۸ [6] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۱۰، صفحہ ۲۱۱

http://mujahid.xtgem.com

۳. آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

⑨ پیشوائے اہلِ حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں:۔

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلها) فان الانبیاء فی قبورهم احیاء۔[1]

فان الانبیاء فی قبورهم احیاء۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اس ارشادِ نبوت کی بناء یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بذل میں ہے۔

کہاں یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے انبیاء کی حیاتِ قبریہ کا بیان ہو رہا ہے۔ یا محدث سہارنپوری ارشادِ نبوت کا منشا واضح کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور اُن سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقۂ اہلِ حدیث نے اس ارشادِ نبوت کا مطلب کیا سمجھا، اور کس وضاحت سے اس کا مدلول روضۂ اطہر کی حیاتِ عنصری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آیئے حنفیہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے:۔

⑩ صدر المحققین رئیس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابی داؤد میں تصحیح فرماتے ہیں:۔

ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن لا محالة لقول الصادق دفعًا للاشتباه ان العرض هل هو على الروح

---

[1] عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۴۰۵ [2] بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۱۹

http://mujahid.xtgem.com

المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبیؐ کجسد کل احد فکفٰی فی الجواب ما قالہ علٰی وجہ الصواب۔[1]

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد توقیفی تھا کہ درُود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ آپؐ یہ ارشاد فرما چکے تھے۔ پس اُن کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفاتِ شریفہ کے بعد یہ درُود صرف روحِ مجرد پر یا روحِ متصل بہ جسد پر اُس کا عروض ہوگا۔ حضور اکرمؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی نہیں ہوتے۔ اس سوالِ کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے اور رُوحِ مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے۔ یہ کہنا کہ قبرِ مبارک میں جسدِ اطہر بالکل بے جان اور بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہلِ بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کوئی حیاتِ انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرات قدسی صفات عرضِ صلوٰۃ وسلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لیے آپ ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں[2] طنز و استہزاء سے پڑھتے ہوں ان کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکرانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال۔

والی اللہ المشتکی وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

---

[1] حاشیہ ابی داؤد ص۱۵۷

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الرّابع

حدیث ابی الدرداءؓ واحوال رواته

حدثنا عمرو بن سعد[1] المصری ثنا عبداللہ بن وھب[2] عن عمرو بن الحارث[3] عن سعید بن ابی ھلال[4] عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسیّ عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علی

---

[1] عمرو بن سعد المصری ابو محمد المصری ثقۃ من الحادیۃ عشرۃ. ثقہ راویِ حدیث ہیں. (تقریب ص۲۹۲) [2] عبداللہ بن وھب بن مسلم مولاھم ابو محمد المصری الفقیہ ثقۃ حافظ عابد من التاسعۃ (تقریب ص۱۹۵) [3] ثقۃ فقیہ حافظ من السابعۃ (تقریب ص۲۹۸) [4] اللیثی مولاھم ابو العلاء المصری قیل مدنی الاصل قال ابن یونس بل نشاء بھا صدوق. (تقریب ص۱۹۵) صدوق راوی حدیث ہیں. ابن حزم سے پہلے کسی نے ان پہ جرح نہیں کی اور ابن حزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا اعتقاد تھا. وہ عذابِ قبر کے قائل نہ تھے اور اجسادِ قبریہ کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔ ابوداؤدؒ کی روایت جس میں قبر میں عودِ روح کا بیان ہے. اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو تھے، ان پہ بھی ابن حزم نے جرح کر دی تھی تنقیح الرواۃ ص۲۱۴ میں ہے. ولما رای ابن حزم حدیث المنہال رادا علیٰ معتقدۃ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورھا طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح. (جلد۱ ص۲۱۴) [5] زید بن ایمن روی عن عبادۃ بن نسی وعنہ سعید بن ابی ھلال ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ ابن ماجہ حدیثاً واحداً فی فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت رجالہ ثقات.

(تہذیب جلد۳ ص۳۹۸)

http://mujahid.xtgem.com

یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملٰئکۃ وان احدًا لن یصلی علی الا عرضت علی صلوٰتہ حتی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال و بعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔[1]

ترجمہ: عبادہ بن نسئی حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپؐ پر درود پیش ہوتا رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

عبادہ بن نسئیؒ

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوسؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث سُنیں۔ زید بن ایمنؒ اور سعید بن ابی ہلالؒ وغیرہما نے ان سے روایات لیں۔ امام احمدؒ، یحیٰی بن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابن سعدؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی اُن کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

ثلٰثۃ نفر یتنزل بھم الغیث و ینصر بھم علی الاعداء عبادہ بن نسئی رجاء بن حیاۃ و عدی بن عدی۔[2]

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور ان کی برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسئی ہیں (توسل بالذوات)

---

[1] ابن ماجہ صفحہ ۱۱۹ [2] تہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۱۴

http://mujahid.xtgem.com

"تہذیب الکمال" میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے اُن کی حفظ اجساد انبیاء والی روایت منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی فنبی اللہ حی یرزق کے الفاظ موجود ہیں۔[1]

عبادہ بن نسیؒ سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور اُن کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابیٔ رسُول ہیں۔ عبادہ بن نسیؒ سے نیچلے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم حاشیہ میں پیش ہو چکے ہیں اور اس پُوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پُوری جماعت "اسنادہ جید" کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل المبحث الاول قال الحافظ المنذری — اسنادہ جید۔[2]

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن ایمن اور عبادہ بن نسیؒ کے مابین انقطاع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اصل انقطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محل کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں تصریح کی ہے۔

زید بن ایمن اور عبادہ کے مابین دعوٰے انقطاع ثابت نہیں۔ اس پہ دلیل مطلوب ہے محض نقلِ دعوٰے ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا انقطاع ہے، مُضر ہے یا غیر مُضر۔ پھر بصورتِ مضرت کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن ایمنؒ کا عبادہ بن نسیؒ سے روایت کرنا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔[3] رہا یہ سوال کہ عبادہ بن نسیؒ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔ سند جید تبھی ہوتی ہے کہ ضعف رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں پائی جاتی کہ روایت کو رد کیا جا سکے۔

---

[1] حاشیہ تہذیب لابی الحسن جلد ۲ ص ۲۹۸ [2] ترجمان السنۃ جلد ۲ ص ۲۹۷ [3] دیکھئے تہذیب جلد ۳ ص ۳۹۸

http://mujahid.xtgem.com

اگرچہ روایت مُرسل ہے تو پیش نظر رہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے بلکہ اسے حضرت اوس بن اوس کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس کا قبول کسی کے ہاں محلِ اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) خیر نسائہا فاطمہ کی تفسیر سندِ حارث بن ابی اسامہ کی روایت میں مریم خیر نسائہا عالمہا و فاطمہ خیر نسائہا عالمہا کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس لیے محدثین شافعیہ بھی جو احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں بھی اس ابن ماجہ کی جید الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

وکل من تامل فیہ علم وتیقن ان العلم بالای سال من الدقیق الذی لایستدرکہ الا الموفق او الطالب المتحقق۔

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الخامس

تدقیق الکلام فی عرض الصلوٰۃ والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ــــ ان صلوٰتکم معروضۃ علی (تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے) یہ آپ نے کب فرمایا؟

یہ آپ کی حیات طیبہ کی بات ہے ــــ اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش ہوتا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ جو قریب آکر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشنگی نہیں۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے جانیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی امت کو بایں الفاظ (ان صلوٰتکم معروضۃ علی) اطلاع دی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک برزخی کیفیت تھی۔ جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس دنیوی حیات میں ان برزخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جسد سے ہی اس برزخی سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور کے دنیوی جسد اور برزخی نظاروں کا اجتماع تھا۔ قرآن پاک کی رو سے اسرار کے جلووں میں لنریہ من ایاتنا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی شان ہی جلوہ گر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضورؐ پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش

http://mujahid.xtgem.com

ہوتا تھا کہ ہم اسی وادی کے ناآشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درود و سلام آپ پر کسی برزخی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمال امت کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضورؐ کے سینہ مبارکہ پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرتؐ مدینہ منورہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ (اوپر کے جہان) کی باتیں سننے لگے۔ فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:۔

فیما یختصم الملاء الاعلیٰ۔ کس بات میں اوپر والے جھگڑا کر رہے ہیں۔[1]

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا:۔

عرضت علیّ اجور امتی ..... و عرضت علیّ ذنوب امتی فلم ارذ نباً اعظم من سورۃ من القرآن او آیۃ اوتیھا رجل ثم نسیھا۔[2]

ترجمہ مجھ پر میری امت کے انعامات اعمال پیش کئے گئے ..... اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور و ذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ کس چیز پر مرتب ہوئے؟ اعمال پر ـــــ سو اگر اجور و ذنوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش نہیں ہو سکتے؟ اس کا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ و ما کان من سئ استغفرت اللہ لکم۔[3]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ عن انس بن مالک مرفوعاً [3] رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۴۱۳

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر۔ اس ممات میں تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے جو اچھے ہوں گے۔ اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو برے ہوں گے ان پر میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔

آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:۔

انه یسر بطاعات امته وان الانبیاء لا یبلون۔[۱]

ترجمہ۔ آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجساد پرانے نہیں ہوتے۔

درود و سلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

اذا کان یوم الجمعة ولیلة الجمعة فاکثروا الصلوٰة علی۔[۲]

ترجمہ۔ جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اب پیش کیے جانے کا موقعہ بھی معلوم کریں۔ سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں:۔

اکثروا الصلوٰة علی فی کل یوم جمعة فان صلوٰة امتی تعرض علی فی کل یوم جمعة۔[۳]

ترجمہ۔ مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۰۵ [۲] مسند امام شافعی ص۔ منتقی الاخبار جلد ۲ ص ۲۰۴ [۳] منتقی الاخبار ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۲۰۴

http://mujahid.xtgem.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا. صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی. البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ وسلام جسدِ اطہر پر کیسے ہو گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے. آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں.

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرضِ صلوٰۃ وسلام نئے سرے سے شروع نہ ہو گا بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا. جب یہاں یہ عرض روح وجسد کے مجموعے پر تھا تو وہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام اس جسدِ اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے. اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرضِ صلوٰۃ وسلام پہلے ہے اور ردّ اللہ علی روحی (روحِ اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے. حدیث کی ترتیب یہی ہے.

حیوٰۃ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ فقال الحافظ معناہ ردّ اللہ علیّ نطقی.[1]

ترجمہ. انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے. حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ردّ اللہ علی روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے. آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے. یہاں مراد ہے ردّ اللہ علیّ نطقی ہے —— چوتھی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے:.

المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جہۃ خطابنا بما نفہمہ.[2]

ترجمہ. یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے

---

[1] انوار المحمود جلد ا صفحہ ۶۱۱ [2] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۲

http://mujahid.xtgem.com

سمجھ پائیں درست ہے (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)۔

طبرانی میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صلاته ——— قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔[1]

ترجمہ۔ کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے (ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔ یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب سے ہو تو براہِ راست اور دُور سے ہو تو بتوسطِ ملائکہ ——— یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا لوٹنا ذکر نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل ہے۔ جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و تجلیات میں حالتِ استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی توجہ فرمادیتے ہیں اور آپ کو اس کا درود و سلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روحِ اقدس کی جہاتِ توجہ کتنی کروڑوں ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ و سلام لے لیتی ہیں۔ بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں ردّ اللہ علی روحی کے الفاظ ہیں ردّ اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ ہے مجھ پہ روح لوٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے، روح میری طرف لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا۔ علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت طرف کے لیے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے رُوح کا

---

[1] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۳۰۵

http://mujahid.xtgem.com

(اس جہت میں) استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔[1]

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں :۔

اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپکی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے ..... پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ و التفات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔[2]

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روحِ اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، محجب اور متبدل (کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں۔ مگر اس سے روحِ اقدس کا ذات و تجلیاتِ الٰہی میں استغراق متاثر نہیں ہوتا۔ اس میں فرق نہیں ہوتا۔ آپ ہمہ وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔

آٹھویں صدی کے مشہور محدث، حافظ ابن الملقن (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں :۔

المراد برد الروح النطق لانه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره وروحه لاتفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم۔[3]

ترجمہ۔ رد روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب دے سکیں) کیونکہ حضورؐ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی آپ سے جدا نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے رد روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ا صفحہ ۲۲۸ [2] معارف الحدیث جلد ۵ صفحہ ۲۷۶ [3] نقلہ الشوکانی فی شرح حصن حصین صفحہ ۲۸

http://mujahid.xtgem.com

الخامس انه يستغرق فى امور الملاء الاعلىٰ فاذا سلّم اليه رجع اليه فهمه

ليجيب من سلّم عليه۔[1]

ترجمہ۔ پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے جلوؤں میں مستغرق رہتے ہیں پس

جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لوٹتا

ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔

پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں۔

ان امور الاٰخرة لا تدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الاٰخرة

والله اعلم۔[2]

ترجمہ۔ آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جا سکتے اور عالم برزخ کے حالات

آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخاوی (۹۰۲ھ) علامہ تقی الدین السبکی سے رد روح کا

معنی نقل کرتے ہیں۔

يحتمل ان يكون رداً معنوياً وان تكون روحه الشريفة مشتغلة

بشهود الحضرة الالٰهية والملاء الاعلىٰ عن هٰذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت

روحه الشريفة علىٰ هٰذا العالم ليدرك سلام من يسلّم عليه ويرد عليه۔[3]

ترجمہ۔ یہاں رد روح سے مراد روح کا حسّاً لوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے

وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربارِ الٰہی اور

ملاء اعلیٰ کے شہود میں مشتغل رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے

تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرنے والے کے سلام

کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صـ ۳۵۲ [2] ایضاً [3] القول البدیع صـ ۱۲۶

http://mujahid.xtgem.com

علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) جملہ رد اللہ علی روحی کو جملہ حالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں عربی قاعدہ ہے کہ جملہ حالیہ جب ماضی کے طور میں ہو تو اس میں قد مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:۔

اوجاؤکم حصرت صدورهم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومهم۔

(پ۵، النساء، ع ۱۲ آیت ۹۰)

ترجمہ۔ یا وہ آئے تمہارے پاس درحالیکہ تنگ آچکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا یہ کہ اپنی قوم سے لڑیں۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے رد فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح واضح ہوگی۔

مامن احد یسلم علی الا وقد رد اللہ علی روحی قبل ذلک وارد علیہ۔[1]

ترجمہ۔ کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری طرف لوٹا دیں اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

اب آیئے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے:۔

لان الکون لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظۃ۔[2]

ترجمہ۔ کیونکہ جہان کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لحظہ عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی مرکز سلام اسی روضہ قدسیہ کو ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

---

[1] انباہ الاذکیاء ص۱ [2] شرح شفاء جلد ۳ ص۴۹۹

http://mujahid.xtgem.com

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت کالموج المکفوف لا یھیّجہا ارادہ متجددہ وداعیہ سانحۃ ولکن النفوس التی ھی دونہا تلتصق بالھمۃ فتجلب منہا انوار او ھیئۃ مناسبۃ للارواح وھی المکنی عنہ بقولہ علیہ السلام مامن احد یسلم علیّ الاردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام وقد شاھدت ذلک مالا احصی فی مجاورتی المدینۃ سنۃ الف ومأئۃ واربع واربعون۔[1]

ترجمہ: اور کاملین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رُکی ہوئی موج کی صورت میں ہو جاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح کی) ہمت سے ان سے جا چمٹتے ہیں اور ان سے نُور اور ہیئت جو اپنی ارواح کے مناسب ہو جلب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضورؐ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے (متوجہ کر دیتا ہے) حتی کہ میں اس پر سلام لوٹا دیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا۔ میں نے اس سلام وجواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کر جسد اطہر پر اس طرح تجلی ریز ہے کہ آپ زائرین کا سلام سُنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہِ نبوت اور مزار پُر انوار پر مجاورت اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلوؤں سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) تفرد اختیار نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صلا مصر، صلا ۱۴۹ مترجم

http://mujahid.xtgem.com

پُرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش (ادھر دھیان کرنا) عطا فرما دیتا ہے۔[1]

اب چودہویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سُنیں اور یقین کریں الا رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدنِ اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں :۔

قال القاضی لعل معناه الی روحه المقدسة فی شان ما فی حضرة الالٰهیة فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالیٰ روحه المطهرة من تلك الحالة الی رد من سلم علیه۔[2]

ترجمہ۔ قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روحِ اقدس اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو اور جب کبھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کی پہلی جلد میں اس پر پوری بحث کی ہے۔[3] یہ چودہ سو سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیانِ امت میں ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الا رد اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہو اہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آکر آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں حضور پر عرض صلوٰۃ وسلام جسد اطہر اور روحِ اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جسد اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا

---

[1] آب حیات ص۱۷۵ [2] بذل المجہود جلد ۳ ص۲۰ [3] دیکھئے فتح الملہم جلد ۱ ص۲۳

http://mujahid.xtgem.com

ہو، آپ حدیث ان صلوٰتکم معروضۃ پر لکھتے ہیں :۔

اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک (دونوں) پر پیش ہوتا ہے[1]

اس بات سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں بھی صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا اور آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھا دیئے جاتے تھے اور یہ کہ آپ کبھی عذاب قبر کی آوازیں بھی سن لیتے اور کبھی بغیر کھائے پیئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا۔ ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ :

آپ کی دیکھنے کی قوت اوروں جیسی نہ تھی۔ آپ کی سننے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا۔ آپ کا قلب مبارک نرالی شان کا حامل تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

حسبوا انّ جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد کل احد فکفیٰ فی الجواب ماقالہ علیٰ وجہ الصواب[2]

ترجمہ۔ انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح ہوگا۔ سو حضورؐ نے جو جواب دیا۔ وہ صحیح صورت بتلانے کے لیے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے۔ صحابہؓ کرامؓ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش ہوتا ہے۔ اسود بن یزید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ ھ) فرمایا کرتے تھے :۔

اذا صلیتم علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحسنوا الصلوٰۃ علیہ فانکم لاتدرون لعل ذٰلک یعرض علیہ[3]

ترجمہ۔ جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیرایہ میں پڑھو

---

[1] فضائل درود شریف ص۲۱ [2] مرقات جلد ۲ ص۲۳۸ حاشیہ ابی داؤد شیخ الہندؒ جلد ۱ ص۱۵۷ [3] سنن ابن ماجہ ص۶۵

http://mujahid.xtgem.com

تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ (قبولیت کے ساتھ) آپ پر پیش کیا جا رہا ہو۔ شاگردوں نے کہا پھر آپ ہمیں سکھائیں ہم کیسے اپنے درود کو اچھا بنائیں، تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو۔

اللّٰھم اجعل صلٰوتك ورحمتك وبركاتك علٰی سیّد المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد عبدك ورسولك امام الخیر و قائد الخیر ورسول الرحمة۔ اللّٰھم ابعثه مقاما محمودًا یغبط به الاولون و الاٰخرون اللّٰھم صل علٰی محمد وعلٰی اٰل محمد کما صلیت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللّٰھم بارك علٰی محمد وعلٰی اٰل محمد کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انك حمید مجید۔

نوٹ:۔

قارئین سے درخواست ہے کہ آپ بھی ایک دفعہ پوری توجہ کے ساتھ اس پیرایہ میں حضورؐ پر درود بھیجیں ــــ گر قبول اُفتد زہے عز و شرف۔ جمعہ کے دن یہ عمل کریں تو انشاء اللہ زیادہ فائدہ مند رہے گا۔

درود پہنچانے والے کارکنانِ الٰہی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللّٰہ ملٰئکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

درود پڑھنے والے تو بے شک زمین پر ہیں۔ اب درود جسے پہنچانا ہے وہ اگر آسمانوں پر

[1] سنن نسائی جلد ا ص۱۴۳ سنن دارمی ص۳۷۲

http://mujahid.xtgem.com

ہویا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پہ کارکنانِ الٰہی لگے ہوئے ہیں۔ سیاحین فی الارض (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبرِ انور پر پہنچاتے ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے وہ سیاحین فی الارض ٹھہرتے ہیں اور وہ زمین و آسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے۔ لیکن اگر درود روضۂ انور پہ پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی۔ حضورؐ جب اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضورؐ کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین فی الارض تھے ___ آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضورؐ کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہو گا جو ساری دنیا میں دور رہنے والے امتیوں کے سلام اُن سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضورؐ کو پہنچائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پہ تواترِ معنوی کا دعوے کیا جا سکتا ہے۔ کوئی مسلمان نہیں جو حضورؐ پہ خلوصِ دل سے صلوٰۃ وسلام کہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپؐ نے فرمایا:۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشہدہ الملٰئکۃ وان احدًا لن یصلی علی الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منہا[1]

ترجمہ: جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پہ درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ

---

[1] رواہ ابن ماجہ کما فی منتقی الاخبار جلد ۳ ص ۲۰۴

http://mujahid.xtgem.com

پرحاضری دیتے ہیں کہ امت کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچادیں. دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیّاحین فی الارض کا دائرہ کار

درود وسلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضورؐ کے روضۂ پاک کے مابین ہے جو خود آکر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے. ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

درود وسلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضۂ اطہر سے دور ہو۔[1]

شیخ عبدالحق دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:۔

نیز از ابن عمرؓ آمدہ ومن صلّ علیّ عند قبری زدت علیه ومن صلّ علیّ فی مکان اٰخر بلغونیه۔[2]

ترجمہ. حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پہ درود پڑھے گا میں اس پہ اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پہ درود پڑھے گا وہ (سمجھو) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پہ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصلِ مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

والاحادیث فیها مشروعیة الاکثار من الصلوٰة علی النبیّ صلی اللہ علیه وسلم یوم الجمعة وانها تعرض علیه صلی اللہ علیه وسلم وانه حیّ فی قبره

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ [2] جذب القلوب الی دیار المحبوب صد ۱۸۲

http://mujahid.xtgem.com

وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین۔[1]

ترجمہ۔ اور احادیث میں جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے درود پڑھنے کی مشروعیت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نبی اکرمؐ پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسبِ حال) رزق بھی ملتا ہے اور ان کی حیات صرف روح کی نہیں جسد کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال

درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضورؐ پہ پیش ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقامِ حدیبیہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے اُن کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو اُن کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ کہ میں زندہ ہیں، شہید نہیں کیے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیئے تھا کہ قتلِ عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب :-

(۱) جب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

(۲) اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے کہ اونچے درجے کے مقربین برزخ اور جنت میں بھی اعمال طاعت

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۳۰۵

http://mujahid.xtgem.com

میں لگے رہتے ہیں۔ گو یہ ان پر فرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درود برابر آرہا تھا۔ تو کیا یہ اس کا محل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالم برزخ میں حضورؐ پہ درود وسلام بھیج رہے ہوں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں اس خبر شہادت سے آپ پہ درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جاسکتیں۔

③ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالاً پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف جمعہ کو پیش ہوتا ہو، ہر روز نہیں۔

④ آپ پہ اعمالِ امت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پہ حالاتِ امت پیش ہوتے ہوں۔ یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ امت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرداً فرداً ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے۔ ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شبہات کا انشاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود وسلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی۔ یہ حدیث ان صلوتکم معروضۃ علی کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضورؐ کے روضہ پاک پہ حاضر ہو کر خود براہ راست درود وسلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں۔ اس پر ایک مستقل باب آگے آرہا ہے۔

المبحث السادس — التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہیدؒ

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام کے (وفاتِ شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پہ حرام فرما دیئے، ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت تھی، تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہو گی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت جو پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے:۔

یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

http://mujahid.xtgem.com

یہاں لفظ "ملنا" محلِ اعتراض ہے اور اسی پہ الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اُردو زبان میں لفظ "ملنا" کے یہ معنی ملتے ہیں :-

پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا۔ نوراللغات جلد ۴ صفحہ ۶۳۲

معترضین خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ ہم کفر کی مشین کو حرکت دے سکیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضورؐ کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردۂ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ (معاذاللہ)

اردو زبان کا جامع ترین لغت، "جامع اللغات" جلد ۲ صفحہ ۶۲۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد ۴ صفحہ ۔۔۔ میں لکھا ہے:- مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا۔

منیر اللغات صفحہ ۹ میں ہے :- خاک میں ملنا۔ دفن ہونا۔

اسی طرح سعید اللغات مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے :- مٹی میں مل جانا۔ دفن ہو جانا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمول کرنا، جو مصنف کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں، کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ!

پیش نظر رہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے" لیکن اگر اول الذکر کو اس ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ انداز یہی ہوگا کہ "سے" کے بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرمؐ کے جسدِ اطہر پہ روضۂ منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لیے حضورؐ کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا گیا:- مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

http://mujahid.xtgem.com

ویسے نور اللغات جلد ۴ صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے کہ "میں" کبھی "سے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مبتدعین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ شہیدؒ اور ان کے حلقۂ اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرمؐ ایک دن ضرور پردۂ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لیے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہوگا۔ جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں۔ جس کی لذتِ آشنائی انبیاء کے لیے بھی ضرور ہے۔ کل نفس ذائقة الموت۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور جسدِ انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں۔[1]

محدثین حنفیہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت زیرِ بحث لکھی تھی) آنحضرتؐ کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے :-

اسجدوا للحی الذی لا یموت لمن ملکه لا یزول فانك انما تسجد لی الآن مهابة واجلالا فاذا صرت رهین رمس امتنعت عنه۔[2]

ترجمہ: سجدے تم اس ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے۔ بے شک تو اس وقت تو میری ہیبت اور میری

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۹ [2] مرقات جلد ۱ صفحہ ۴۶۹

http://mujahid.xtgem.com

تعظیم کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا جاؤں گا تو اس وقت تو سجدے سے رُک جائے گا۔

علامہ طیبیؒ شافعیہ میں اور ملا علی قاریؒ حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں نے ارشادِ نبوت کے اس مضمون کو آں حضرتؐ کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے۔ جس طرح کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اس مضمونِ حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صرت رھین رمس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں۔ مولانا شہید کے مقابلے میں ذرا زیادہ سخت ہیں۔

بعض مبتدعین مٹی کی پوری بحث ہی کو ہدفِ طعن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور انورؐ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انا وابوبکر و عمر خلقنا من تربۃ واحدۃ فیہا ندفن۔ فتاویٰ افریقیہ ص۸۵

ترجمہ۔ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ جسدِ اطہر خاکی ہی تھا اور ذاتِ اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفات میں منبعِ نور و عرفان اور مرکزِ ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا حفظِ جسدِ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپؐ کا جسدِ اطہر روضہ میں مختفی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں۔ آپ مثنوی سلکِ نور میں لکھتے ہیں ؎

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک — بظاہر ہوا مختفی زیرِ خاک
ولے نور ان کا ہے قائم مقام — کہ ہر پاک دل میں ہے انکا مقام

جو زیرِ پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

الفصل الثّانی

وفیہ ستّۃ من المباحث

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتّٰی ارد علیہ السلام[۱]

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دے گا یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔ (وعلیک السلام کہوں)

المبحث الاوّل فی معنی الحدیث

اس حدیث پر یہ چند سوال اُبھرتے ہیں ان پر غور فرما لیجیئے:۔

(۱) سلام کرنے والا سلام کہنے کے لیے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضۂ اطہر پہ یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا دور سے بھی آپ کو سلام کیا جا سکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی بھیجا جا سکتا ہے؟

(۲) سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کر رہا ہے یا جسد اطہر پہ؟ اللہ مجھ پہ روح لوٹاتا ہے۔ یہاں مجھ سے مراد جسد اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پہ روح اقدس لوٹتی ہے؟

(۳) اگر جسد پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پہ درود و سلام پیش ہوتا ہے یا وہ جسد اطہر زندہ ہے اور اس پہ روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۷

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

(۴) جب ہر وقت روضہ منورہ پہ زائرین کا ایک تانتا بندھا ہے تو روح اقدس کا اشراف یا اس کی توجہ بدن اطہر پہ دائماً ہے یا انقطاعاً۔ اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

الجوابات

سلام گو ہم یہاں سے بھی گذارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی روئے زمین پر گھومتے ہیں۔ جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا انہوں نے حاضری پہ وہ سلام حضورؐ کے گذارش کر دیا۔ مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسدِ اطہر پہ ہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روضۂ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پہ ہی متوجہ ہوتی ہے جو روضۂ پاک میں مدفون ہے۔ سو زائرین سلام کے لیے یہی حاضری دیں۔ روح کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) نے اس روایت میں عند قبری کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علییّن کی کوئی اور جگہ۔

ما من احد یسلم علیّ عند قبری ..... الحدیث[1]

حضورؐ کی قبر یہی ہے جس پہ زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علییّن میں ہو تو بھی قبر مبارک یہی ہے اور اسی دنیوی جسدِ اقدس میں برزخی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو تو نظر نہ آئے لیکن آپ اس میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہوں بلکہ دور سے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں[2] اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ آفتاب کی کروڑوں کرنیں زمین پہ جلوہ ریز ہوں اسے تو آسانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لیے کہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کروڑوں روحانی کرنوں کا تسلیم

---

[1] المغنی جلد ۳ ص۵۵۸ روایۃ عن احمد اسے ہم تائیداً نقل کر رہے ہیں۔ [2] قال ابن عبد الہادی ہو صلی اللہ علیہ وسلم یسمع السلام من القریب و تبلغہ الملائکۃ الصلوٰۃ والسلام من البعد۔ (الصارم المنکی ص۲۸۲)

http://mujahid.xtgem.com

کر لینا ہمارے دوستوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ جلوے برزخی ہیں اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ اور معتزلہ ان چیزوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور ردِ روح کا بعد میں ـــــ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام دائرین جسدِ اطہر پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابوبکر المراغی (۸۱۲ھ) لکھتے ہیں:۔

اعلم ان کتب السنة متضمنة للاحادیث الدالة علی ان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانہ یسمع و یرد علیہ السلام[1]

ترجمہ۔ جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اطہر آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں۔

الارد اللہ علی روحی ای رد علی نطقی لانہ حی دائما و روحہ لاتفارقہ[2]

ترجمہ۔ بگمیہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے (یہ تشریح اس لیے ضروری ہے) کہ آپ زندہ ہیں اور آپ کی روح تو سرے سے آپ سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیاتِ انبیاء پر استدلال کرتے ہیں:۔

بدانکہ حیاتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میانِ علماء ملت و ہیچ کس را خلاف نیست دراں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایں حدیث صحیح است مامن مسلم یسلم علی الارد اللہ علی روحی[3]

ترجمہ۔ جان لو کہ حیات انبیاء اللہ کے نبیوں کی حیات اللہ کے صلوت اور تسلیمات ان پر ہوں تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کردے۔

---

[1] تحقیق النصرة صفحہ ۱۱۱ المطبوع بمصر [2] السراج المنیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۹ [3] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۸

http://mujahid.xtgem.com

ہمارے یہ کرم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں شیخ تصحیح میں متساہل تھے. ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو متساہل نہ تھے. ان سے کون متشدد زیادہ ہوگا. آپ بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے:-

واتفق الائمة على انه يسلم عليه عند زيارته وعلى صاحبيه لما فى السنن عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ما من مسلم يسلم على الا رد الله على روحى۔[1]

ترجمہ: اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضورؐ کی (قبر کی) زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر سلام عرض کیا جائے. سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے وہ اسے حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب وہ مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔

امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثانی ـــ اس حدیث کی سند تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابوداؤد کی روایت سے ہے. اس کے راوی یہ ہیں:-

۱. ابوداؤد صاحب سنن. ۲. ابوحاتم محمد بن عوف. ۳. عبدالرحمٰن بن یزید المقری. ۴. حیوۃ بن شریح. ۵. ابوصخر حمید بن زیاد. ۶. یزید بن عبداللہ بن قسیط. ۷. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول۔

ابوحاتم محمد بن عوف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے[2]. عبدالرحمٰن بن یزید المقری کو بھی امام نسائی نے ثقہ کہا ہے[3]. حیوۃ بن شریح کو امام یحییٰ بن معین ثقہ کہتے ہیں[4]. علماء مصر کے استاد تھے[5]. ابوصخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متشدد نے بھی ثقہ کہا ہے[6]. یزید بن عبداللہ بن قسیط کو امام نسائی

---

[1] فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۱ [2] تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۴ [3] ایضاً جلد ۶ صفحہ ۸۴
[4] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۷۰ [5] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ [6] تہذیب جلد ۳ صفحہ ۴۴۲

http://mujahid.xtgem.com

ثقہ اور محمد بن معین لیس بہ بأس[۱] کہتے ہیں۔ ان رواۃ میں کوئی کذاب نہیں۔ جو غالیان رواۃ حدیث کو کذاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کذاب ہیں۔

تصحیح محدثین

(۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) امام نووی (۶۷۶ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں[۲]۔

امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں۔ باسناد الصحیح ص۱۰۱ اور ریاض الصالحین ص۴۹۲ میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ امام احمد (۲۴۱ھ) اور ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں رواتہ ثقات (اس کے سب راوی ثقہ ہیں)[۳]۔

(۳) علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۷۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں۔ اسنادہ حسن[۴]۔

(۴) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ روی ابوداؤد بسند صحیح[۵]۔

(۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں۔ باسناد صحیح[۶]۔

(۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ ایں حدیث صحیح است[۷]۔

(۷) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:۔

قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات[۸]۔

(۸) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ رواتہ ثقات[۹]۔

(۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں:۔

۱؎ تہذیب جلد ۱۱ ص۳۴۲ قال ابن عبدالبر ثقہ من الثقات ۲؎ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۵۱۴ ۳؎ فتح الباری جلد ص

۴؎ السراج المنیر جلد ۳ ص۲۷۹ ۵؎ وفاء الوفا ص۱۴۰۳ جلد دوم ۶؎ زرقانی شرح مواہب جلد ۸ ص۳۰۸ ۷؎

مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۲۷ ۸؎ دلیل الطالب ص۸۴۳ ۹؎ عقیدۃ الاسلام ص۵۲

http://mujahid.xtgem.com

عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام

ورواتہ ثقات ..... انہ یستغرق فی امور الملاء الاعلی فاذا سلمہ الیہ رجع

الیہ فہمہ لیجیب من سلم علیہ۔[1]

(۱۰) محدث العصر علامہ ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:۔

رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعۃ قال السبکی وھو اعتماد صحیح۔[2]

ایک اعتراض۔ وہ یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ اور یزید بن عبد اللہؓ کے درمیان انقطاع ہے امام مالک نے یزید بن عبد اللہ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ یزید بن عبد اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا؟

الجواب وہو صدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ ابو حاتم کی رائے صحیح نہیں، امام ابن عبد البر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ویزید قد احتج بہ مالک فی مواضع من المؤطا وھو ثقۃ من الثقات۔[3]

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں۔ روی عن ابن عمر وابی ھریرۃ۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبد اللہ نے حضرت ابوہریرہؓ کو نہیں پایا۔ یزید بن عبد اللہ کی عمر حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ ھ) کی وفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے زیادہ سختی کوفیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی کو سماع سے نہیں روکتے تھے ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ یزید بن عبد اللہ اس عمر تک حضرت ابوہریرہؓ جیسی شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

حدیث مذکور آپ کی روضہ مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ابہام پیدا ہوتا تھا وہ امت کے دائمی صلوٰۃ وسلام اور وہاں ہر وقت کی حاضری خاص وعام کے باعث

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۳۲ [2] اعلاء السنن طبع قدیم جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۴ [3] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۳۴۳

http://mujahid.xtgem.com

کسی درجہ میں در خور اعتنا نہیں. افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما اب آن روایات سے کھلا تصادم کہہ رہے ہیں جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے کا بیان ہے. سو مناسب ہو گا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کر لیا جائے. معلوم رہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے.

المبحث الثالث ـــ کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے. اس میں درود پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے.

ان احدًا لن یصلی علی الا عرضت علی صلوٰتہ حتی یفرغ منہا.

ترجمہ. کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا. مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے.

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے. اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے. صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی تخصیص نہیں. یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے. حصن حصین کے الفاظ "لیس یصلی علی احد یوم الجمعۃ الا عرضت علی" میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تخصیص نہیں. جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا:-

فانہ مشہود تشہدہ الملئکۃ.

ترجمہ. اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں.

---

[1] ان العمل الصالح زید فضلا بواسطۃ فضل الوقت وعلی ھذا لاحاجۃ الی تقیید العرض بیوم الجمعۃ قالہ السندھی

http://mujahid.xtgem.com

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرتِ شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے ہی فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پہ مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں[2]

یہاں اس سیاحت کے لیے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ اگر اوقاتِ فضیلت میں اعمالِ فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقاتِ فضیلت میں عرضِ صلوٰۃ وسلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیشِ نظر رہے کہ ان روایات میں عرضِ صلوٰۃ وسلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرضِ صلوٰۃ وسلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے دُرود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں

---

[1] نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳، دارمی صفحہ ۳۴۷ [2] علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر جلد ۱ صفحہ ۵۱۴) اس کی سند میں زاذان راویٔ حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب جلد ۳ صفحہ ۳۰۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں:۔

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمر وغیرہ وروی لہ مسلم فی صحیحہ قال یحییٰ بن معین ثقۃ وقال حمید بن ھلال وقد سئل عنہ ھو ثقہ لا تسأل عن مثل ھؤلاء۔ (کتاب الروح صفحہ ۵۹)

http://mujahid.xtgem.com

کہہ سکتے۔ ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لیے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لیے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ مرسل روایت منقول ہے:۔

ان صلوٰۃ امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھائیں۔ تو غایت ما فی الباب یہ ہوگا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے توسط سے روضۂ اطہر پہ پیش ہوتے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجئے۔ جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابوداؤد میں ہے:۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔[2]

---

[1] منتقی الاخبار جلد ۳ ص۱۱ مصر [2] رواتہ ثقات (فتح الباری پ۱۳ ص۲۱۹)۔ رواتہ ثقات (فتح الملہم جلد ۱ ص۳۳) اسنادہ ھکذا حدثنا محمد بن عوف اخبرنا المقری اخبرنا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط من اواخر کتاب المناسک وتقدیر الکلام ما من احد یسلم علی الا ارد علیہ السلام لانی حی اقدر علیہ (کذا فی الشرح جلد ۲ ص۲۱) قال المحدث السخاوی یؤخذ من ھذہ الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام وذلک انہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلہا من واحد یسلم علیہ فی لیل ونہار ونحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا۔ اہ (القول البدیع ص۱۲۵) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ واستمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انہا تعاد ثم تنزع ثم تعاد (القول البدیع ص۱۲۷) قال المحدث انور شاہ کشمیری الظاھر منہ انہ لم یوجد ھناک نقل من موطن الی موضع وانما ھو نقل من حالۃ الی حالۃ وتبدیلہا ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انہم ابقوا علی ھذہ

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں۔ پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ جمعہ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت سے کل یوم کے الفاظ بھی ملتے ہیں یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے۔ جن میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لیے یوم جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی صورتِ مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرضِ صلوٰۃ و سلام متبادر ہوتا ہے اور توسطِ ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر مفتہ بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متعارض قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعوےٰ کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارحِ حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں من ادعیٰ فعلیہ ان یاتی بالنقل۔

لیجئے مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ارشادِ نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیاً بلغتہ۔[1]

الحالۃ ولم تسلب عنھم (تحیۃ الاسلام ص۲۶) اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالتِ استغراق فی ذاتِ اللہ و تجلیاتِ اللہ سے.... ہوش فرما دیتا ہے۔ جو شخص امتی آپ پر سلام عرض کرے گا۔ اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے۔ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاعِ سلام معلوم تو ہو گا، پر موجب زوالِ استغراق مطلق نہ ہو گا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ جلد ا ص۲۴۵) والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ (شرح الشفا للملا علی القاری جلد ۲ ص۱۴۲ مصر) والتفصیل فی نسیم الریاض للخفاجی جلد ۳ ص۴۹۹)

[1] رواہ ابو الشیخ بسند جید کما فی الفتح جلد ۶ ص۳۲۲

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: جو میرے روضہ پہ آکر مجھ پہ درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

بات صاف ہو گئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صُورتیں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو ان پہ منطبق کر لو۔ روضۂ منورہ کے پاس حاضر ہو کر دُرود پڑھنا ہر وقت پہنچتا ہے اور دُور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسّط سے پہنچایا جاتا ہے۔ جب اس تقسیم پر غور کیا تو امام احمد کی ایک روایت ما من احدٍ یسلم علیّ کے مضمون کی اور وضاحت ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

ما من احد یسلم علیّ عند قبری الّا رد اللّٰہ علیّ روحی۔

لیجئے رفعِ تعارض اور تطبیق بین القولین کے لیے "عرضِ سلام بوقتِ تسلیم" کا جو مطلب ہم نے بتایا تھا کہ یہ قربِ روضہ کے لیے ہے۔ وہی مضمون "علیٰ قبری" کی عبارت میں خود الفاظِ نبوت ہو کر سامنے آگیا ہے۔ ؎

وکم من عائبٍ قولاً صحیحاً

وآفتہ من الفھم السقیم

سیدنا ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

درود و سلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضۂ اطہر سے دور ہو۔[1]

نیز از ابن عمرؓ آمدہ من صلی علیّ عند قبری زدت علیہ ومن صلی علیّ فی مکان اخر بلغونیہ۔[2]

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لاتدرون لعلّ ذالک یعرض علیہ[3] کے الفاظ، سو اس لفظ لعلّ میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صُورت کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کی قبولیت

---

[1] مرقات جلد ۲ صلہ [2] جذب القلوب صد ۱۸۲ [3] ابن ماجہ صد ۶۵

http://mujahid.xtgem.com

اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان[1] ہے۔ یعنی درود شریف اچھی طرح پوری توجہ ہی سے پڑھا جائے۔ تبھی حضور کی خدمت میں پہنچتا ہے۔

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہِ راست سننے اور بتوسطِ ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بُعد کے لیے نہیں۔ بلکہ محبت اور عدمِ محبت کے لیے ہے۔ جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ سب وسوسے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے۔ خواہ روضے کے پاس حاضر ہو۔ خواہ دور سے پڑھ رہا ہو۔ وہ کون سا بدبخت ہوگا، جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضور پہ وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روضہ پہ حاضری ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دُور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرضِ صلوٰۃ و سلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایات کی بعض مُرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یومِ جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تو تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا قرب و بعد کا صلوٰۃ و سلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مُرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغ صلوٰۃ و سلام کو یومِ جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ و سلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دُور کا مجموعی طور پہ جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے

نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صلوتہ کے الفاظ ہیں حافظ ابن قیم کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ لیکن تصحیفِ کاتب سے بلغنی صلوتہ کے بجائے بلغتنی صوتہ لکھا گیا ہے۔ ناظرین طبرانی کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمالیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابو الدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے۔

---

[1] ان الترجی فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان عرضہ لایکون الابشرط القبول لعدم اختلاطہ بالریاء

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الرابع

فی تصحیح المتقدمین

مبحث ثانی میں ہم اس حدیث کی تصحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتدا امام نووی کی تصحیح سے کی۔ اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدمین سے کریں۔ اصولاً یہ مطالبہ صحیح نہیں۔ قرون وسطیٰ کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضورؐ کے روضہ پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:-

والامام احمد اعلم الناس فی زمانه لما سئل عن ذلك لم یکن عنده بما یعتمد علیه فی ذلك من الحدیث الا حدیث ما من رجل یسلم علی الا ردّ الله علی روحی حتی ارد السلام[1]

ترجمہ۔ امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جا سکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے[2]

---

[1] فتاوے ابن تیمیہ جلد ۲۷ صفحہ ۳۸۶ [2] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۷

http://mujahid.xtgem.com

پھر امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) خود بھی تو متقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے۔ اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوتی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

مالم یذکر فیہ شیأ فھو صالح[1]

امام ابوداؤد نے لکھا ہے :۔

میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پہ سب کا اتفاق ہو[2]

محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں :۔

ابوداؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پہ ایک جماعت کی جماعت نے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے[3]

مولانا عبدالجبار غزنوی

ابوداؤد اور بیہقی، روایت کرتے ہیں مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ السلام۔[4]

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

سنن ابی داؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں[5]

---

[1] تدریب الراوی ص۵۵ [2] مرقات جلد ۱ ص۲۲ [3] اعلاء السنن جلد ۱۰ ص۳۳۴

[4] اثبات الالہام والبیعۃ ص۲۴۱ [5] الحج والعمرۃ والزیارۃ ص۱۵۱

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الخامس

فی معنی رد الروح

فصل اول میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح دنیا میں صلوٰۃ وسلام۔ روح انور اور جسد اطہر کے مجموعہ پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود و سلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائز الحیات ہے گو وہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو — اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو علمی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آ چکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روضہ انور پر حاضر ہو — وہاں آپ ہر ایک کا درود و سلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجیہ من ذٰلک الی ھٰذا الجانب فھو حی فی کلتا الحالتین [1]

ترجمہ۔ ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں (اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی)۔

---

[1] فیض الباری جلد ۲ ص ۶۵

http://mujahid.xtgem.com

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحؒ لکھتے ہیں۔

فاذا بلغہ سلام احد من الامۃ رد اللہ روحہ المطہرۃ من تلک الحالۃ الی رد من سلم علیہ۔[1]

ترجمہ: جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لوٹاتا ہے کہ آپ سلام کہنے والے پر جواب لوٹا سکیں۔

فہی دائماً تعرض علیہ بواسطۃ الملئکۃ الا عند روضتہ فیسمعہا بحضرتہ۔[2]

ترجمہ: درود شریف آپ پر فرشتوں کے واسطہ سے پیش ہوتا رہتا ہے دائماً مگر آپ کے روضۂ انور کے پاس۔ وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رحؒ کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض روایات کی بنا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی ــــ لہٰذا قریب سے صلوٰۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے شرف اور مجد کی بات ہے۔[3]

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ لکھتے ہیں:۔

"بے شک حقیقۃً" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان میں حاضر اور زندہ

---

[1] بذل المجہود جلد ۳ صفحہ ۲۰ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ [3] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ صفحہ ۲۴۳

http://mujahid.xtgem.com

نہیں مگر حکماً ہیں (کیونکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں) ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں:۔

مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ السلام

"جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں"

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب غیر محل نہ ٹھہرا۔ دوسری روایت میں ہے:۔

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ[1]

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے اور دور پڑھنے کا فرق بتلایا گیا ہے۔ قریب سے پڑھا جانے والا درود پاک آپ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اس کی دو سندوں میں سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی — یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے غور کیجیے۔

اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا درود شریف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں — اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ وسلام پر حضور کی روح مقدسہ کا متوجہ ہونا مذکور ہے — اُس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود وسلام کا بواسطہ ملائکہ پہنچنا مذکور ہے اور اِس حدیث میں دُور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی

---

[1] اثبات الالہام والبیعۃ ص ۲۳۶

http://mujahid.xtgem.com

ذکر نہیں — ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس صراحت سے موجود ہے جیسا کہ وہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے. مولانا عبدالجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس — فی سیاحۃ الملئکۃ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان للّٰہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[1]

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پہ مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفحۂ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضورؐ پر درود پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روضۂ انور پر حاضری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرتؐ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے. درود پڑھنے والے اور جس ذاتِ اقدس پہ درود پڑھا جا رہا ہے سب اسی زمین پر ہیں. تبھی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں. اگر آپ کی حقیقی قبر زمین پہ مدینہ منورہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دُور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں قریب سے سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب کوئی مسلمان مجھ پہ (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ کر دیتا ہے جس سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

---

[1] سنن نسائی جلد ا صـ۱۴۳

http://mujahid.xtgem.com

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے پڑھے گئے درود وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے کتاب جذب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ مسئلہ ان دو احادیث سے عبارۃ النص سے ثابت ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے ص۱۵ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے:۔

اور حضورؐ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف کی آیات اس پر نصوص ہیں۔ کیونکہ حضورؐ شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

پھر آگے ص۱۲۸ پر آل شیخ علامہ نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کا عقیدہ بھی بایں طور مرقوم ہے:۔

اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد کبھی اس طرح کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے سو بات اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

الفصل الثالث

وفیه ستّة من المباحث

حدثنا هداب بن خالد وشیبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البنانی وسلیمان التیمی عن انس بن مالك ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایة هداب مررت علیٰ موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ[1]۔

ترجمہ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ معراج کی رات میں سُرخ ٹیلے کے قریب موسےٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نمازیں پڑھنا بصراحت مذکور ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے۔

ولقد اتینا موسی الکتب فلا تکن فی مریة من لقائه۔

(پ۲۱، سجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے موسےٰ کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسےٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی، یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظربندی

---

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۸، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۸۵

http://mujahid.xtgem.com

تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی۔ بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو آنحضرتؐ نے شب معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں —— اور اگر آئندہ یہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی —— اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔[1]

المبحث الاول

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر منور میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضورؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنا، اور پھر آسمانوں پر حضورؐ کو ملنا اور پھر آپؐ کی واپسی پہ نمازوں کی تخفیف کے لیے آپ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں۔ بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور ملاء اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی —— کیا وہ ہر جگہ موجود ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لیے وحدت زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

وصلوتھم فی اوقات مختلفۃ و فی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذٰلک علی حیاتھم۔[2]

ترجمہ۔ اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پہ نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں۔ اور نقل صحیح اسے ثابت کر

---

[1] دیکھیے صد ۔ از کتاب ہذا [2] فتح الباری کتاب الانبیاء جلد ۶ صد ۔ مصر

http://mujahid.xtgem.com

رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر ملاء اعلیٰ میں ملنا، ان سب کے اوقات مختلف ہیں پس تعارض لازم نہیں آتا۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔

محدث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:۔

فی قصۃ المعراج انہ لقیہم فی جماعۃ الانبیاء فی السموات وکلمہم وکلموہ وکل ذلک صحیح لا یخالف بعضہ بعضا فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ ثم یسریٰ بموسیٰ وغیرہ الیٰ بیت المقدس کما اسری بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فیراھم فیہ ثم یعرج بھم الی السموات کما عرج نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فیراھم فیہ کما اخبرہ وصلاتھم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہا خبر الصادق و فی کل ذلک دلالۃ علیٰ حیاتھم۔[1]

ترجمہ۔ واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرمؐ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ حضور اکرم کو سفر اسراء پیش آیا پس آپ نے وہاں بھی حضرت موسےٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا جیسا کہ حضور اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس پر عقلاً

---

[1] حیات الانبیاء للامام البیہقی صـ مصر

http://mujahid.xtgem.com

کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقلاً اس پر قولِ صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیائے کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسےٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعۃ حال لاعموم لہا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیاتِ انبیاء کے کلیہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ ھ) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فان قیل ھذا خاص بموسٰی قلنا قد وجدنا له شاھدا من حدیث ابی ھریرۃ اخرجه مسلم ایضا من طریق عبد الله بن الفضل عن ابی سلمة عن ابی ھریرۃ رفعه لقد رایتنی فی الحجر وقریش تسألنی عن مسرای ..... الحدیث۔[2]

ترجمہ: پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسٰی علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے۔ جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میں مقام حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفرِ اسراء کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا۔ موسےٰ علیہ السلام، عیسٰی علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات، صرف حضرت موسےٰؑ کے ساتھ

---

[1] راجع له ص۳۲۴ مع الفتح [2] فتح الباری جلد ۱۳ ص۲۷۵ کتاب الانبیاء، فتح الملہم جلد ۱ ص۱۳۳

http://mujahid.xtgem.com

خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سینہ زوری ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ بالکل عالمِ بیداری میں بحالتِ سفر حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو وادیِ ازرق اور ثنیۃ ہرشیٰ میں لبیک پڑھتے ہوئے خاص ہیئت و لباس میں دیکھا[1] آپ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادیِ عسفان میں حضرت نوحؑ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سُرخ اونٹوں پہ سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔[2] حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود علیہ السلام، اور حضرت صالح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔[3] یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں۔ پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسراء سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیاتِ عنصری اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجسادِ عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاءِ اعلیٰ میں اجسامِ عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرینِ قیاس نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسدِ عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرینِ قیاس ہے دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرینِ قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسدِ عنصری سے ملاءِ اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پہ ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پہ ہے تو پھر اسے استبعادِ عقلی کے

---

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۴، بخاری کتاب المناسک جلد ۱ صفحہ ۲۱۰

[2] رواہ ابو یعلی والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹)

[3] اخرجہ احمد قال ابن کثیر ھذا اسناد حسن (البدایۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۸)

http://mujahid.xtgem.com

طور پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقل تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اذا القبور بعثرت کے خلاف ہے (یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی)۔ اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آسکتا۔ جواباً عرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب و سنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب و سنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاحِ احوال اس زمین پہ زندگی گزارنے کے لیے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے اذا القبور بعثرت وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے، جو حساب و کتاب اور حشر کے لیے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبورِ منورہ نہیں کھلی تھیں، رات کا وقت تھا۔ کون وہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے۔ جواباً عرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر واپس آسکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا، بستر بھی گرم رہتا ہے، تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جانے میں اور اس طرح چلے جانے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے تحقق کے لیے جو اسباب کار فرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں۔ ان

http://mujahid.xtgem.com

نفوسِ قدسیہ کی مذکورہ حاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے۔ پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امرِ محال ہو اور ایسے موقعوں پر لمبا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تزاحم تضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادیٔ ازرق، ثنیۂ ہرشیٰ اور وادیٔ عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملاءِ اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدانِ مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالمِ مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالمِ مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امورِ مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکروں میں بطورِ احتمال ذکر کی گئی ہیں۔ تو بھی یہ مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلذذاً معروفِ عبادت ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدان مثالیہ تھے اور نہ اجسامِ عنصریہ۔ بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ہی متمثل[1] ہو رہی تھیں۔ تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسامِ عنصریہ قبورِ شریفہ میں زندہ نہ ہوں گے۔ اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواحِ مقدسہ رفیق اعلیٰ یا حظیرۃ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسامِ قبریہ پر اپنی تاثیر[2] دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائز الحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسامِ عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواحِ متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں۔ وہاں سے اجسامِ قبریہ پر کیوں پرتو نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصالِ روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

---

[1] قال الشیخ الاکبر فی الفصوص الروح یتشکل باشکال مختلفۃ۔ (العرف الشذی ص۱)

[2] کما ذھب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح ص۸۲ وزاد المعاد جلد ۲ ص۴۹

http://mujahid.xtgem.com

نوٹ:

اس مبحث میں ہمارا مقصود ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں۔ ان کے الزامی جوابات اور ایراد استبعاد میں دلائل امکانات ہیں۔ نہ ہر صورت ممکنہ کے وقوع کا دعوےٰ ہے اور نہ اس کی ضرورت کہنا یہ ہے کہ اصل مدعا کسی بھی صورت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا[1] ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے:۔

واعبد ربك حتّٰى ياتيك اليقين۔ (پ۱۴ الحجر آیت ۹۹)

ترجمہ، اور بندگی کیے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کرنے لیے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دار العمل نہیں۔ پس یہ حدیث، جس میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منورہ میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)

جواباً عرض ہے کہ دار العمل کے بعد "وجوب عمل" کا انقطاع ہے "نفس عمل کا نہیں۔ قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی منتہائے مدت، "موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا نہ حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اُس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں (اپنی اپنی

---

[1] یہ روئیداد ملتان کے ایک درس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بوہڑ گیٹ)، نے ہمیں سنائی تھی۔

http://mujahid.xtgem.com

قبور میں، نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تلذذاً پڑھتے ہیں، وجوباً نہیں۔

قال القرطبی حببت الیہم العبادۃ فہم یتعبدون بما یجدونہ من دواعی انفسہم لا بما یلزمون بہ۔[1]

خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القرآن عند الترمذی۔[2]

ترجمہ: بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سنن دارمی کی روایت سے قبر میں اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صلّوا خمسکم (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا واعبد ربک حتی یاتیک الیقین کے خلاف نہیں۔ مقربین ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ وجوب ہو نہ ہو، وہ عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز جنت میں بھی دعا وذکر کی خبر دیتا ہے:۔

دعواھم فیہا سبحانک اللّٰہم وتحیتہم فیہا سلام، وآخر دعواھم ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔ (پ ۱۱: یونس)

ترجمہ: ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب جہانوں کے پروردگار کے لیے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو مخ العبادۃ ہے یعنی ساری عبادت کا مغز ہے، وہ مرنے کے بعد

---

[1] راجع لہ الفتح جلد ۶ ص ۳۲۲ [2] فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۳ مصر

http://mujahid.xtgem.com

ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دارالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر و حمد کی خبر نہیں دیتا، قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ مابعد الموت پر کس قدر ظلم ہے ؎

فریب کشمکش عقل دیدنی دارد — کہ میر قافلہ و ذوقِ راہزنی دارد

قال اللہ تعالیٰ :-

وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض

..... وقیل الحمد للہ رب العٰلمین۔ (پ ۲۴، زمر)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا ہمیں اس زمین کا ..... اور ہر طرف سے الحمد للہ رب العٰلمین کی آوازیں آئیں گی۔

ولہ الحمد فی الآخرۃ وھو الحکیم الخبیر۔ (پ ۲۲، سبا)

ترجمہ۔ اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم و خبیر۔

وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔ (پ ۸، اعراف)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، سب تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

یلھمون التسبیح والتحمید۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

یسبحون اللہ بکرۃً وعشیًا۔ متفق علیہ۔

ترجمہ۔ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

فسبح بحمد ربک واستغفرہ میں تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم تھا، اس عالم میں

---

[1] مسلم شریف

http://mujahid.xtgem.com

وجوباً اس پر عمل ہوتا رہا۔ بعدازاں تلذذاً تسبیح وتحمید اور دعاء واستغفار کا سلسلہ جاری ہے تسبیح وتحمید کا بیان ہو چکا۔ اب استغفار بھی لیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔ رواہ البزار باسناد جید۔[1]

وکذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعودؓ۔[2]

بزار برجال صحیح از عبداللہ بن مسعودؓ می آرد۔[3]

ترجمہ: میری یہ زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور بعد الوفات بھی میری حالت تمہارے لیے خیر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لیے سامانِ تحمید ہوگا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے، اس پر میں دعائے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

مجموعِ روایات سے علاوہ فضیلتِ حیات واکرامِ ملائکہ کے برزخ میں آپ کے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشاغل ثابت ہیں۔ ۱۔ اعمالِ امت کا ملاحظہ فرمانا۔ ۲۔ نماز پڑھنا۔ ۳۔ غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ ۴۔ سلام کا سننا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ ۵۔ سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہیں، اور احیاناً بعض خواصِ امت سے بیقظہ میں آپ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار واخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رؤیا اور کشف میں تو ایسے واقعات حدودِ احصار سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو بخصوصاً روحِ مبارک کو بہت

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ ص ۴۱۳ [2] عقیدۃ الاسلام ص ۱۱ مولانا انور شاہؒ [3] جذب القلوب ص ۱۸۴

http://mujahid.xtgem.com

وسعت ہوتی ہے۔ مگر اس وسعت سے امورِ غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لیا جائے۔[1]

خلاصۂ مبحث یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نمازیں پڑھنا اور پھر آنحضرتؐ کا ان کی امامت کرانا یہ بھی احادیثِ صحیحہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے براہِ راست نہیں سُنی۔ اس لیے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال .... الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں۔ پس جب تک اس صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سُنی تھی، اس وقت تک اسے حجت نہیں سمجھا جا سکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں۔ پس جو سند اس عالی سند سے ٹکرائے گی، ناقابلِ اعتماد ہوگی۔

ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریقِ اسناد پیش کیے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں، جس میں حضرت انسؓ براہِ راست حضور اکرمؐ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمٰن النسائی ھذا اولیٰ بالصواب عندنا۔[2]

ثالثاً اگر ان دونوں حقیقتوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت ما فی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث

---

[1] نشر الطیب صا۳ [2] سنن نسائی جلد ا صد۱۸۵

http://mujahid.xtgem.com

مرسلات صحابہؓ میں شمار ہو اور ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہؓ بالاتفاق موصولات کے حکم میں ہیں۔ اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں، جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں۔ الفیہ عراقی میں ہے:۔

اما الذی ارسله الصحابی فحکمه الوصل علی الصواب

الفیہ سیوطی میں ہے:۔

و مرسل الصاحب وصل فی الاصح

تحریر میں ہے:۔

فلا یضر اذ لا یرسل الا عن صحابی[1]

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:۔

اما مراسیل الصحابة فحکمها حکم الموصول علی المشهور الذی ذهب الیه الجمهور[2]

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ:۔

صحابہ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضورؐ سے نہ سُنی ہوں۔ بلکہ کسی اور صحابیؓ سے سُنا ہو کہ حضورؐ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دوسرے صحابی کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہِ راست حضورؐ سے ہی روایت کر رہے ہوں، تو) اُن کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادیٔ ازرق، اور لیلۃ الاسراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں مثالی ہی ہوں، تو بھی مقصودِ کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجسام مریٔیہ واقعی

---

[1] التحریر لابن الہمام ص ۳۲۷ مصر [2] مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴

http://mujahid.xtgem.com

حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں ۔

حضورؐ نے جب فرما دیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقین کامل ہے کہ آپ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعۃً وہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لیے بھی کبھی یہ پردے اٹھائے گئے، اس نے ان نفوس قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاص مرئیہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی ارواح (تعلق بالبدن المدفون کے باوجود) یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ ہر شئے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعسر نہ ہو۔ صرف عن الظاہر کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے جس پائے کا آپ کا یہ دعوئے شریفہ ہے کہ میں نے ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعوئے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہلِ علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مدفونہ سے متعلق سماع و عدمِ سماع یا شعور و عدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعوئے سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلبِ موضوع، حقائق کو برعکس بیان

http://mujahid.xtgem.com

کرنے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسامِ مدفونہ سے متعلق سماع یا عدمِ سماع اور شعور یا عدمِ شعور کے مباحث تو حضراتِ اہلِ سنت میں کہیں نہیں ملتے۔ اور اس کے برعکس ان اجسامِ مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلفِ صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں:-

واستشکل رؤیة الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرة فی قبورھم بالارض واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلك اللیلة تشریفاً وتکریماً ویؤیدہ حدیث عبدالرحمٰن بن ھاشم عن انسؓ ففیه وبعث له آدم ومن دونه من الانبیاء۔[1]

ترجمہ۔ یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ کریمہ تو اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں۔ پھر حضورؐ کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پہ دیکھنا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواحِ قدسیہ اس رات متجسد کر دی گئی تھیں۔ یا ان کے اجسادِ کریمہ ہی (اُن کی قبور سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف و تکریم کے لیے لا حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا اندازِ بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔ خاتمۃ الحفاظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ مؤقف منقول ہے۔ جیرت در حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، اُن کے وجود ہی سے انکار ہو اور جن کا حضراتِ اہلِ سنت میں نام و نشان بھی نہیں ملتا، ان کے امرِ واقع ہونے کا دعوے کر دیا جائے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۷، صفحہ ۱۶۲ مصر

http://mujahid.xtgem.com

؎ خِرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

• بعض دوسرے حضرات کا مؤقف یہ ہے :۔

حضورؐ نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضورؐ نے انہیں واقعی نہ دیکھا تھا، بلکہ یا :۔

(۱) ان انبیاء کی ارواحِ قدسیہ صورتِ جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا

(۲) ان انبیائے کرام کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالمِ مثال میں قائم تھے اور یا

(۳) انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور انبیائے کرام کی یہ حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں۔ امر واقع خواہ کوئی صورت ہو، اس عقیدے کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ عنصریہ اپنی قبورِ شریفہ میں بالکل بے حس و بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفوسِ قدسیہ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسدِ عنصری سے چلتے پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمد فوق الاسباب بغیر انشقاقِ قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی ہو کہ زمان و مکان کی وسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبر سے جدائی بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ :۔

رب العزت کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف جہات سے اس عالمِ برزخ میں جمع کر دینا کیا امرِ ناممکن ہے؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزیہ کتاب و سنت کی کسی تصریح سے متصادم ہوتا ہے؟ یا یہاں کوئی پہلو ایسا بھی اختیار کیا گیا جس کی نظیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو؟

جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

http://mujahid.xtgem.com

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آنحضرتؐ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورتِ ممکنہ کافی ہوتی ہے صورتِ واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسامِ مرئیہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں۔ بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روضات میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تصادم نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔

ہاں اگر یہ تشکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان ارواحِ طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواحِ قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پرتو یہاں بھی صورتِ جسمیہ میں متمثل ہو رہا ہو۔ یا وہ ارواحِ اصلیہ ان مقامات پر متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسام قبریہ پر بھی پرتو پڑ رہا ہو۔ جس سے وہ صفتِ حیات سے متصف ہوں۔ اگر روحِ پاک رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے۔ اجسام پر پرتو حیات ڈال سکتی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ کی رائے ہے، تو ارواحِ متمثلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسام قبریہ پر تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوالِ برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔ جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی تھیں۔ آخر وہ

http://mujahid.xtgem.com

بھی تو رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ ہی کو روح کا محلِ استقرار قرار دیتے ہیں۔ جو جواب ان کا ان احوال میں ارواحِ قدسیہ کے علیین سے جدا ہونے کا ہوگا، وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے۔ جو ارواحِ قدسیہ کو قبر کے اجسامِ عنصریہ سے متعلق مان کر پھر ان مشاہدات میں تمثلِ ارواح کا دعوٰے کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ صورتِ واقعہ کیا تھی اور کیا نہیں اور نہ اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے۔ یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ اپنی اپنی قبور میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ وہ فائز الحیات ہیں۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اپنے روضۂ شریفہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی خبر دینا ان اختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیث صلوٰۃِ موسےٰ پر حاشیہ سنن نسائی میں "زہر الربیٰ" سے منقول ہے:

قال الشیخ بدرالدین ھٰذا اصریح فی اثبات الحیٰوۃ لموسےٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ذالک لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علیٰ ھٰذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر وقال الشیخ تقی الدین سبکی فی ھٰذا الحدیث " الصلوٰۃ تستدعی جسداً حیاً " ولا یلزم من کونہا حیٰوۃ حقیقیۃ ان تکون الابدان معہا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب وغیر ذالک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل یکون لہا حکم اٰخر[1]

ترجمہ: شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پہ صریح دلیل ہے۔ کیونکہ حضور اکرمؐ نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے صرف روح موصوف نہیں ہوتی۔ نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا

---

[1] حاشیہ نسائی جلد ۱ ص۱۸۵ باب صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ وذکر الاختلاف علی سلیمان التیمی

http://mujahid.xtgem.com

کام ہے، صرف روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی "حیات فی القبر" پہ دلیل ہے (یعنی یہ عمل جسدِ عنصری کا ہے، کیونکہ قبر میں تو جسدِ عنصری ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اور جسدِ مثالی پیشِ نظر ہوتا، تو پھر اس عملِ صلوٰۃ کے مخصوص بالقبر ہونے کی حاجت نہ تھی) پس اگر یہ عملِ صلوٰۃ (یا تجسد لعمل الصلوٰۃ) روح کی صفت ہوتی، تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین السبکیؒ بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ "نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے"۔ پیشِ نظر رہے کہ حیاتِ حقیقی کے ثبوت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ جیسا کہ ہم صفاتِ اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں، بلکہ اس جہان کے احکام اس سے مختلف ہیں (یعنی حیاتِ جسمانی کے ساتھ وہاں رزقِ مادی نہیں، بلکہ معنی ہے۔ حیاتِ دنیاوی صرف تعلق بالبدن الدنیوی کی بنا پہ ہے۔ تعلق بالرزق کی بنا پہ وُہ حیاتِ روحانی ہے اور تعلق بالظرف کے پیشِ نظر برزخی ہے)"

عالمِ برزخ کی حقیقتیں اس جہان والوں سے مخفی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پہ انہیں منکشف فرمانا چاہتے ہیں تو پہلے اس میں برزخی مشاہدات کی صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ پھر جب ان مخفی حقائق سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے تو وہ نفوسِ قدسیہ دیکھ لیتے ہیں کہ کس کس کی حیاتِ برزخی مضمحل ہے اور کس کی روح و جسم فائز الحیات ہیں۔ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم کی جھلکیں دیکھ پانا نقولِ صحیحہ کے پیشِ نظر ہرگز محال نہیں۔ کشف القبور سے تو بارہا غیر انبیاء بھی متصف ہوتے رہے ہیں اور رہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بارہا مختلف قبروں کو دیکھا اور اُن کے احوال مختلف لوگوں کے سامنے بیان فرمائے یہ اطلاع وحی کے بجائے کشف پہ مبنی ہوتی تھی۔

چہ گویم شرح اس حالت کہ در گفتن نمی آید

ایسے انکشافات صرف لیلۃُ المعراج ہی سے خاص نہ تھے۔ آپ نے بارہا اس عالم میں ہوتے ہوئے اس عالمِ برزخ میں انبیائے گذشتہ کو دیکھا۔ ان کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال ——

http://mujahid.xtgem.com

جیسے وادی سے گزرتے یا گھاٹی سے اترتے لبیک لبیک کہنا، نمازیں پڑھنا اور تحیۃ و سلام کہنا، یہ سب امُور معراج کے علاوہ اور بہت سے انکشافات کا پتہ دے رہے ہیں۔ اور اس دنیا سے ایک تعلق اور رابطہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے پورے خدوخال کیا ہیں، اس پر ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے، اور یہی برزخیت ہے۔ ہاں کبھی کبھار جو دیکھا یا سُنا جاتا ہے یہ محض اس عالم کی کچھ جھلکیاں ہیں یا بعض نفوسِ قدسیہ کے مشاہدات اور انکشافات!

انبیائے کرام کے ایسے مشاہدات میں بعض ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے تمثّلِ ارواح یا ابدانِ مثالیہ کی بہت گنجائش ملتی ہے جیسے کانّی انظر وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو ان انکشافات سے اٹھا کر ان حقائق پر منطبق کرنا جہاں حقیقت مراد لینے سے نہ عقلِ سلیم سے تصادم ہوتا ہے اور کسی نقل صحیح کی مخالفت لازم آتی ہے، کس قدر زیادتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

صورِ اسرافیل بھی ان کو جگا سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لحد

http://mujahid.xtgem.com

الفصل الرّابع

وفیہ ستّة من المباحث

عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون۔ [1]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حیاتِ انبیاء کی قبورِ شریفہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیائے کرام صرف رفیقِ اعلیٰ اور علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیاتِ شریفہ کو اجسامِ قبریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وقدمرّ تفصیلہ من حاشیة سنن النسائی۔

آنحضرت کا یہ ارشاد محدثین کرام نے مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں نچلے راوی متعدد ہیں اور مختلف ہیں لیکن ان سب کا اشتراک اوپر کے اتنے سلسلۂ اسناد پر جا قائم ہوتا ہے۔

المستلم بن سعید عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پس تمام محققین کا نقطۂ نظر انہی راویوں کی توثیق ہے، یعنی یہ رواتِ حدیث قابلِ اعتماد ہیں تو حدیث ثابت ہے۔ ان کے بعد کے نچلے راویوں میں اگر کوئی اختلاف ہو بھی، تو مقصودِ توثیق قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ طرق مختلف اور متعدد ہیں۔

---

[1] مسند ابی یعلی (جامع صغیر صـ۱۰۳ مصر) حیات الانبیاء للامام البیہقی صـ۳ مصر۔ ابن بزار (جمع الفوائد جلد۲ صـ۲۶ میرٹھ) ابن عدی (شفاء السقام صـ۱۳۴) مسند ابی یعلی جلد۳ صـ۳۷۹ مجمع الزوائد جلد ۸ صـ۲۱۱

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابویعلیٰؒ کا سلسلۂ اسناد یہ ہے:۔

حدثنا ابو الجہمؒ الازرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیرؒ حدثنا المستلمؒ بن سعید عن الحجاجؒ عن ثابتؒ عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ...... الحدیث

یہ سلسلۂ اسناد امام بیہقی کو اس طریق سے پہنچا ہے:۔

اخبرنا الثقۃؒ من اھل العلم قال انبأنا ابو عمروؒ بن حمدان قال انبأنا ابو یعلیٰؒ الموصلی حدثنا ابو الجہمؒ الازرق۔

حافظ ابویعلی کے سلسلۂ اسناد میں سب راوی معروف، قابلِ اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ بیہقی کی سند ابویعلی تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی رح تک یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج تھی اور حافظ ابویعلی کا اسے سند صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لیے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ "اخبرنا الثقۃ من اھل العلم" اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں۔ کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقی رح اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔ راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے۔ بلکہ امام حدیث حافظ بیہقی اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے بھی دیجیے۔ حافظ ابویعلیٰؒ کے سلسلۂ اسناد کو لیجیے، نچلے رواۃ میں اگر کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے رواۃ کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں

نہ پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقی کا مسلک دارقطنی اور ابن حبان والا نہیں کہ فقط دو راویوں کی روایت اس کے لیے کافی ہو۔ بلکہ امام بیہقی اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں۔ پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں رکھتی۔ بالخصوص جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فقہی موقف کی کوئی تائید مقصود نہ ہو۔

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الاول فی معنی الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کے لیے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لیے قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ہمارے نادان دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سند ابن عدی یا ابن بزار کی ہے، اس پہ جرح کر کے اس حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی۔ کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہو۔ اور تمام علماء حق سے نکلے رہے ہو۔

http://mujahid.xtgem.com

رہا یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبورہم نہیں اور حدیث میں فی قبورہم کے الفاظ ہیں تو اس کی ذکر وہ کرے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو مجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا۔ پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہونا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں یرزقون کی تصریح ہے اور حدیث میں یصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیفِ حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی یصلون کی نسبت یرزقون کا پیرایہ دنیوی زندگی کے اور زیادہ قریب ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں درپے ہیں۔

اس حدیث میں حیاتِ انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے۔ سو نماز جسد چاہتی ہے۔ معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے۔ معلوم ہوا وہ بایں معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمالِ طاعت جاری ہیں اور یہ افتادان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبیاء احیاءٌ (نبی زندہ ہیں) میں الانبیاء (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجیے کہ یہاں روح

http://mujahid.xtgem.com

اور جسد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس انسانی ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

یرید بقوله الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط[1]

ترجمہ۔ الانبیاء کے لفظ سے جسد اور روح کا مجموع اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔

اور دوسرے جزء احیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اراد بالحیوۃ فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربین۔[2]

ترجمہ۔ حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدون جسد تقوم نہیں پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ زندگی پردے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہاں کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ ہاں ہم ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی برزخی ہے پردے میں ہے۔ اور جس طرح ہم یؤمنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر پر بھی ہم یؤمنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامة عند الدارمی وقرأة القرآن عند الترمذی۔[3]

ترجمہ۔ قبروں میں (احادیث کی رُو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبر میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں۔ انبیاء عالم برزخ میں حج تک کرتے ہیں اور

---

[1] تحیۃ الاسلام ص۳۶ [2] فیض الباری جلد ۱ ص۱۸۳

http://mujahid.xtgem.com

دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

ان الانبیاء افضل من الشھداء والشھداء احیاء عند ربھم فکذلک الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا و یحجوا و یتقربوا الی اللہ بما استطاعوا ما دامت الدنیا وھی دار تکلیف باقیة۔ [1]

ترجمہ۔ انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں۔ یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قرب میں اور بڑھتے رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں دیکھ نہ پائیں۔

اما موسیٰ کانی انظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی۔ [2]

ترجمہ۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لبیک پکار رہے ہیں)۔

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں اذکار و ادعیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ھو فی البرزخ ودعائہ لربہ فی ھذہ الحالة غیر ممتنع۔ [3]

---

[1] فتح الباری جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۵ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ [3] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ مصر

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم برزخ میں ہیں اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وہ اس حیاتِ طبعی پر ایک امر زائد ہے اس کے لیے اس حقیقت کو پیش نظر رکھیئے:۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیاتِ طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اوّل الذکر حیات طبعی تو ہے، لیکن حقیقۃً یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن عزیز ان لوگوں کو، جن کی حیاتِ طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامنِ حیات مقصدِ حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مُردہ تھے اور دل کے کانوں سے وہ بہرے تھے، صریح الفاظ میں مُردے قرار دیتا ہے:۔

انّك لا تسمع الموتٰى ولا تسمع الصمّ الدّعآء۔ (پ ۲۰ نمل، پ ۲۱: روم)

ترجمہ۔ بے شک آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں "مُردے" فرمایا، بلکہ ان کے لیے مُردوں کے لوازمات بھی ذکر کر دیئے:۔

http://mujahid.xtgem.com

وما انت بمسمع من فی القبور۔ (پ ۲۲، فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور آپ ان کو سنا نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مُردہ —— بظاہر حیات تھی لیکن حقیقۃً موت۔ ظاہراً سنتے تھے مگر حقیقۃً نہیں۔

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل — جو زندہ رہ کے مقامِ حیات پا نہ سکے

قرآن عزیز احکامِ طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی نظر میں اندھاپن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :۔

لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ (پ ۱۷، حج آیت ۴۶)

ترجمہ۔ یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا :۔

من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ۔ جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح و جسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیاتِ طبعی ہے۔ جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصدِ حیات اور رازِ تخلیقِ کائنات ہیں اسے حقیقی حیات نہیں کہا جا سکتا۔ اربابِ خبرت اس طبعی زندگی کی اوّل الذکر کیفیت کو موت ہی قرار دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیشِ نظر رہنے چاہییں۔

(۱) —— روح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامۃ النّاس اور اربابِ خبرت دونوں موت قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنیٰ میں نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

(۲) روح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامنِ حیات مقصدِ حیات سے خالی ہو، اسے عوام حیات اور اربابِ بصیرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصدِ حیات سے خالی نہ ہو، اسبابِ بصیرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں) تو آپ کا منشا صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیاتِ انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبورِ شریفہ یا ریاضِ مقدسہ میں ایسی زندگی حاصل ہے۔ جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیاتِ طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اسی قسم کی حیات طبعی نہیں، بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے، جس میں محض روح و بدن ہی کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی اسبابِ دانش حقیقتِ حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم"، تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روضۂ شریفہ میں انبیاء صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیاتِ جسمانی فقط اسی تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضورؐ نے لفظ یصلون ارشاد فرما کر احیاء کی کیفیتِ حیات پر بھی متنبہ کر دیا یعنی انبیاء جسدِ عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمالِ طیبات میں مشغول ہیں۔ نہ دنیا میں ان کے اشغالِ طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبورِ شریفہ میں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ انبیائے کرام کی اس حیاتِ قبریہ کے دو جزو ہیں:۔

http://mujahid.xtgem.com

① وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و روح کے مجموعہ کی ہے۔

② یہ حیات صرف حیاتِ طبعی کی حدود تک نہیں، بلکہ ان اشخاص کریمہ کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی موجود ہے۔

رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جزوں کو خوب بیان فرمایا ہے جزو اول کے متعلق لکھتے ہیں :۔

یرید بقوله " الانبیاء احیاء " مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔[1]

ترجمہ : آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ " انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں " یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دوسرے جزو کے متعلق لکھتے ہیں :۔

اراد بالحیٰوة فعل الاعمال واکثرمن فی القبور فی المعطلة بخلاف المقربین ومعانی الحیات فی النهایة وان المیت لا فعل له فی خلق افعال العباد والاحادیث ارادت افعال الحیٰوة واعمالها لا بقاء الروح وهو قوله فنبی الله حی یرزق واحیاء فی قبورهم یصلّون نشرد فی ذکر الحیٰوة افعالها لا اصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت علی الارض۔[2]

خلاصہ : آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور اکثر لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل میں ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی۔ حضور کا یہ ارشاد فنبی الله حی یرزق۔ (اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے) اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ سب اصل حیات کے بیان میں

---

[1] تحیة الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام مصنفہ مولانا سید انور شاہؒ ص ۳۶ [2] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

نہیں، بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمال حیات کے ثابت ہونے کے لیے ارشاد فرمائے گئے تھے یا یُوں کہہ لیجیئے کہ اس زندگی سے مراد حیاتِ جسدی کا بیان ہے۔ کیونکہ انبیاء کے اجسادِ کریمہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمال انہی اجسادِ کریمہ کے ساتھ وجود میں آرہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اس دوسرے جزو کو "درسِ بخاری" میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں۔ اس لیے عبارت سے ابتدائی سطح میں مغالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو محققین سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم و فہم پر حیرت ہوتی ہے۔ جو اس جزوِ اوّل کے عدمِ ذکر کو ذکرِ عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم و مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا ومن تحریف المبطلین۔

(۱) مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون انهم ابقوا علی هذه الحالة ولم تسلب عنهم[۱]

ترجمہ۔ اس حدیث حیاتِ انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام (بدن میں روح لوٹ آنے کی) اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جُدا نہیں کی گئی۔

(۲) قاضی شوکانیؒ شرح حصنِ حصین میں فرماتے ہیں:۔

انه صلی اللہ علیه وسلم حی فی قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم[۲]

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی روحِ اقدس آپ کے جسدِ اطہر

---

[۱] تحیۃ الاسلام صفحہ ۳۶ [۲] تحفۃ الذاکرین للشوکانی صفحہ ۲۸ مصر

http://mujahid.xtgem.com

سے کبھی جُدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البیان المسدد من حضرت المجدد

(۳) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے:۔

برزخِ صغرےٰ چوں از یک وجہ از مواطنِ دُنیوی است، گنجائشِ ترقی دارد و احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند و حضرتِ پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شبِ معراج چوں بقبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز می گزارد[۱]

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیاتِ برزخی کسی ایک جہت سے حیاتِ دُنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخِ صغرےٰ میں بھی ترقی مقامات کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اس سے مراد "قربِ الٰہی" میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقاء کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ اصول و ضوابط پیشِ نظر رہیں:۔

حضرت کے نزدیک "عالمِ خلق"۔ "عالمِ امر" سے افضل ہے اور وہ "قربِ عالمِ خلق" کو "قربِ اصلی" اور "قربِ عالمِ امر" کو "قربِ ظلی" قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا "قربِ ظلی" سے ہی

---

[۱] مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۲۹ نمبر ۱۶ مطبوعہ لکھنؤ

http://mujahid.xtgem.com

"قربِ اصلی" میں انتقال ہوا، یا "قربِ اصلی" ہی میں قوت و زیادت ہوتی چلی آئے۔

اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں تحقق پذیر ہوگا۔ اس قرب سے بہرحال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت میں حاصل ہوگا۔ پس نماز کے ساتھ "قربِ الٰہی" میں بڑھتے چلے جانا "قربِ اصلی" پر فائز المرام ہونا ہے۔ اسی لیے فرمایا:۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تلذذاً عمل میں لا رہے ہیں قربِ الٰہی میں سامانِ ارتقاء ہیں، جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے کہ قرب کے باب میں عالمِ خلق عالمِ امر سے افضل ہے، تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قربِ الٰہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل ضرور عالمِ خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت مجدد قربِ عالمِ خلق ہی کو قربِ اصلی قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے عملِ صلوٰۃ کا عالمِ خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجسادِ کریمہ کے ساتھ فائز الحیات ہوں اور یہ ادائے نماز انہی اجسامِ عنصریہ سے عمل میں آرہا ہو۔ اگر یہ عملِ صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالمِ امر سے متعلق ہوگا اور واضح ہے کہ حضرت مجددؒ کے کلام میں اسے قربِ اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک اس حیاتِ انبیاء کا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجسادِ عنصریہ سے فائز الحیات ہیں۔

(۴) علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:۔ الصلوٰۃ تستدعی جسداً حیاً۔ (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ۔ نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہو سکتا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

(۵) حضرت علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں:۔

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ[1]

ترجمہ: صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا و الانبیاء احیاء فی قبورھم[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہی رہتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے سئل فی القبر (قبر کا سوال وجواب) ایک ہی دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے۔ نماز نہ بدون جسد عمل میں آسکتی ہے نہ بدوں جگہ۔ دنیا والوں کے لیے اس کی جگہ مسجد ہے اور برزخ کے لیے قبر۔ وہ وہیں پڑے کی زندگی میں محو نیاز ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ کہیں ملاء اعلیٰ میں ہوں یا اور کہیں، نماز کے لیے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے حدیث الانبیاء احیاء میں کونسی حیات مراد ہے؟ یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور پر احیاء سے مراد روح اور جسد کی زندگی ہے اور اس کے لیے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبور شریفہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا علامہ بدرالدین لکھتے ہیں:۔

ھذا صریح فی اثبات الحیوۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوۃ وانہ قائم ومثل ھذا لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر[3]

---

[1] منح المنہ ص۹۲ [2] فتح الباری جلد ۷ ص۲۶۲ [3] زہر الربی علی سنن النسائی

http://mujahid.xtgem.com

ابو یعلیٰ کے سب راوی ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے، محدث کبیر حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں۔

رجال ابی یعلی ثقات[1]

سو اب ہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کہے ہیں اور جن پر حدیث کا دارو مدار ہے۔

المبحث الثانی ـــــ فی احوال الرواۃ لابی یعلیٰ

① ـــ ابو الجہم الازرق

بن علی الحنفی ابو الجہم صدوق یغرب من الحادیۃ عشرۃ۔[2] ابن حبان نے ثقہ کہا ہے

صدوق اور سچے راوی حدیث ہیں۔

② ـــ یحییٰ بن ابی بکیر

واسمہ نسر الکرمانی کوفی الاصل نزل بغداد:

ثقۃ من التاسعۃ مات سنہ ۲۹۸ ھ[3]

ثقہ راوی حدیث ہیں۔ رجال صحیح میں سے ہیں[4]

③ ـــ مستلم بن سعید

امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صدوق[5]

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

④ ـــ حجاج بن الاسود الاسود

یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نعرہ اور کئی دوسرے بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں امام احمد اور یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے

---

[1] مجمع الزوائد [2] تقریب صد۲۹۳ [3] تقریب صد۳۶۵ [4] فتح الباری پ ۱۳ صد۱۲۸ [5] تقریب صد۳۳۸

http://mujahid.xtgem.com

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب رواۃ اعلیٰ درجے کے قابلِ اعتماد اور ثقہ رواۃ حدیث ہیں اور حدیث بالکل حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبین السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکرہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خبر منکر کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کون سی شانِ دیانت اور حق طلبی ہے؟ ہاں عوام کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے (کہ دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے) یہ ایک بہانہ ضرور ہے۔ آیئے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (۴۸/۲) کہتے ہیں "ما روی عنه فیما اعلم سوی مستلم بن سعید" کہ مستلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے۔ سو اسے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جا سکتا۔

رہی توثیق تو یاد رہے کہ امام یحییٰ بن معین اور امام احمد دونوں اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سُنی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ، عیسیٰ بن یونس، مستلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

http://mujahid.xtgem.com

قال احمد ثقة و رجل صالح و قال ابن معین ثقة وقال ابو حاتم صالح الحدیث و ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔[1]

ترجمہ۔ امام احمد نے فرمایا، حجاج ثقہ راوی ہے اور مردِ صالح ہے امام یحییٰ بن معین لکھتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابُو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اُسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارۃ عن وجہ النکارۃ

حافظ ذہبیؒ کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مُرتکب ہے۔ یعنی ثابت بُنانی سے روایت کرتے ہیں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔ پس "مُنکر الروایۃ" ہے۔ ذہبی لکھتا ہے:۔

فاتی بخبر منکر منہ عن انسؓ فی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون رواہ البیہقی۔[2]

ترجمہ۔ حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو "منکر" ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بُنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا ہو کہ حیاتِ انبیاء کا مضمون اس سے ٹکرا رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی نہ بن سکے۔ لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی ہمیں کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ و من ادعی فعلیہ البیان۔

غایت تامل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیشِ نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔

---

[1] لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۴۶ [2] میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۲۴۰

http://mujahid.xtgem.com

اس لیے کہ اس روایت کا سلسلۂ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ـــــــ پر منتہی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے:۔

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انسؓ عن النبیؐ۔

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبور والی روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے:۔

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انسؓ عن النبی۔

حافظ ذہبیؒ کے اعتراض سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکارت کا مرتکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

حالانکہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکارت کا سوال پیدا نہیں ہوتا، نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے نکار رہا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبی کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد اور امام یحییٰ بن معین جیسے ائمہ جرح و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نص فرما رہے ہوں۔ اس کی روایت کیسے نشانۂ ضعف بن سکتی ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار

الغرض حجاج اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نص فرمائی ہے۔ حافظ ذہبی کا منشائے اعتراض یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جُدا جُدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

علامہ ذہبیؒ کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبیؒ کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مستلم بن سعید کے ۔ اکوئی اور روایت کرنیوالا نہیں۔ ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریر بن حازم حماد بن سلمہ۔ روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو خبر منکر کہا ہے جسے پیر العیت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان میں حافظ ذہبیؒ کی پوری تردید کردی ہے اور حضرت امام احمد یحیٰی بن معین اور ابن حبان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہا نہ اسکی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی السویدی البغدادی (۱۲۳۷ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) کے اساتذہ میں سے ہیں انہوں نے العقد الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے۔ اس میں ہے :-

اخرج ابو یعلی والبیہقی وصححه عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

علامہ آلوسیؒ کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۳۱۷ھ) نے عدم سماع موتیٰ پر ایک کتاب الآیات البینات فی عدم سماع الاموات علی مذہب الحنفیۃ السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاۃ انبیاء کے بارے میں لکھتے ہیں ــــ مدفاس ثابت بالاحادیث الصحیحۃ "

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے علامہ محمد ناصر الدین البانی نے الاحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانیؒ نے الآیات البینات کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں :-

حققته فی الاحادیث الصحیحۃ (۶۲۱م) وبینت فیه صحۃ الحدیث ووھم من طعن فی احد رواته فراجعه فانه بحث مفید عزیز قلما تراه فی کتاب. ص۲۰

ترجمہ میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو واضح کیا ہے اور جس نے اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید

http://mujahid.xtgem.com

حدیثِ صلوٰۃ موسےٰ فی القبر کو محدثین نے اس حدیث " الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون " کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے۔ پس دونوں کو ایک حدیث کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں :۔

وشاھد ھذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم من روایۃ حماد بن سلمۃ

ترجمہ۔ صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون) کی شاہد ہے۔

ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

المبحث الثالث

حضرت ثابت بُنانیؒ سے یہ حدیثِ حیاتِ انبیاء صرف حجاجِ اسود روایت کر رہے ہیں راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے۔ تاہم تائید مزید ملاحظہ کیجیے :۔

حضرت ثابت بنانیؒ یہ روایت کرتے تھے :۔

اللھم ان کنت اعطیت احداً من خلقک ان یصلی لک فی قبرہ فاعطنی ذلک۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! اگر تُو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔

دُوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

سمعت ثابتاً یقول لحمید الطویل ھل بلغک یا ابا عبید ان احداً یصلی فی قبرہ الا الانبیاء قال " لا "، قال ثابت " اللھم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبرہ

---

[1] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۲ صہ ۳۱۹ مصر

http://mujahid.xtgem.com

فاذن الثابت ان یصلی فی قبرہ۔[1]

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنانیؒ کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا تبھی تو وہ اپنے لیے بھی اس کی دعائیں کرتے تھے۔ پھر ان کا ابو عبیدہؒ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس دعوے پر ابو عبیدہ کا نکیر نہ کرنا اس حقیقتِ حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہؒ کو بھی یہ مضمونِ حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسودؒ حضرت ثابتؒ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہؒ عن ثابتؒ عن انسؓ کی تصریح نہیں، تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کر رہا ہے اور حضرت ثابتؒ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؒ کو خود قبر میں اتارا تھا۔ حمید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ ثابتؒ کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔[2] اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی برزخ کا پردہ اٹھا دیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فاذا رایتہ یصلی فی قبرہ فقلت للذی معی الا تری قال اسکت فلما سوینا علیہ وفرغنا اتینا ابنتہ فقلنا لہا ما کان عمل ابیک ثابتؒ ..... قال فی دعائہ اللّٰہم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوٰۃ فی القبر فاعطنیہا۔[3]

وقال ابن سعد فی الطبقات وابن ابی شیبۃ فی المصنف والامام احمد فی الزہد اخبرنا عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن ثابت البنانی ھکذا واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ مصر [2] والتفصیل فی تنویر الحلک فی رؤیۃ النبی والملک صفحہ ۱۰ مصر [3] حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۳۱۹

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثین اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

(۱) ابن بزار (۲۹۸ھ)
(۲) حافظ ابو یعلی الموصلی (۳۰۷ھ)
(۳) ابن عدی (۳۶۵ھ)
(۴) حافظ ابو نعیم (۴۳۰ھ)
(۵) حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)
(۶) حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ)
(۷) حافظ تورپشتی (۶۶۲ھ)
(۸) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
(۹) حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)
(۱۰) حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۴ھ)
(۱۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)
(۱۲) حافظ ہیثمی (۸۰۷ھ)
(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
(۱۴) حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ)
(۱۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ)
(۱۶) حافظ سیوطی (۹۱۱ھ)
(۱۷) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ)
(۱۸) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ)
(۱۹) حافظ منذری (۱۰۰۳ھ)
(۲۰) ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)
(۲۱) امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ)
(۲۲) علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ)
(۲۳) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)
(۲۴) علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ)
(۲۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ)
(۲۶) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
(۲۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ)
(۲۸) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)
(۲۹) علامہ شامی (۱۲۵۲ھ)
(۳۰) قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ)
(۳۱) علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ)
(۳۲) نواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ (۱۲۷۹ھ)
(۳۳) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ)
(۳۴) مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ)

http://mujahid.xtgem.com

(۴۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) (۴۶) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

(۴۷) حضرت انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) (۴۸) حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی (۱۳۶۲ھ)

(۴۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) (۵۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (ھ)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

حیاۃ النبیؐ فی قبرہ وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار۔[1]

ان من جملۃ ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم۔[2]

حوالجات از بعض عبارات

(۱) حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلی الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی سند سے لائے ہیں ان میں حافظ ابو یعلی کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی میں یہ روایت اسی طرح چلی۔ پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلی کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے:۔

اخبرنا الثقۃ من اھل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا ابو یعلی الموصلی حدثنا ابو الجھم الازرق..... الحدیث

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور عقائد کی بحث میں اسے استدلالاً لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور درجہ رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو میسر

---

[1] فتاویٰ حافظ جلال الدین السیوطی جلد ۲ ص ۱۴۷ طبع مصر ونحوہ فی مرقاۃ الصعود [2] نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص ۱۳۴

http://mujahid.xtgem.com

آسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے:۔

واخرجہ البزار ولکن وقع عندہ الحجاج الصواف وھو وھم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح فی روایۃ البیھقی وصححہ البیھقی[1]

ترجمہ۔ اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے صحیح بھی کہا ہے۔

۲ حافظ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی (۶۶۲ھ)

حدیثے درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء الی ان قال ھم احیاء فی قبورھم یصلون واول ہمہ پیغمبر ما برخیزد[2]

ترجمہ۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی) اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں، اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اُٹھیں گے۔

۳ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

علامہ بدرالدین بعلی الحنبلی نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اختصار کیا ہے۔ اس میں ہے:۔

والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون۔[3]

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۸۷ [2] کتاب الاعتماد فی المعتقد باب ۴ فصل ۴ [3] مختصر الفتاوی المصریہ صفحہ ۱۸۱

http://mujahid.xtgem.com

وقد کے الفاظ کمپوزر کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبور میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے۔ کئی دوسری طاعات میں بھی کبھی مشتغل رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہو حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں مسلّم ہے اور صحیح ہے۔

④ علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۷۴ھ)

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فالحیّ لابد من ان یکون اما عالماً او جاھلاً ولا یجوز ان یکون النبیؐ جاھلاً۔[1]

ترجمہ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہو گا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علیٰ ما بیّنا۔[2]

ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ ہم (اہل سنت) کے عقیدہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بدن مبارک میں حس موجود ہے۔ علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو (امت کا) صلوٰۃ وسلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] طبقات شافعیہ جلد ۲ ص ۲۸۱ مصر [2] ایضاً ص ۲۸۲

http://mujahid.xtgem.com

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں:۔

ومن عقائدنا ان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم فاین الموت.[1]

ترجمہ۔ اور ہم (اہلسنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں (اس وقت اُن پر) موت کہاں؟

⑤ علامہ نورالدین ہیثمیؒ (۸۰۷ھ)

رجال ابی یعلی ثقات.[2]

ترجمہ۔ ابویعلی کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور پختہ) ہیں۔

⑥ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

اخرجه من طریق یحیی بن ابی بکیر وهو من رجال الصحیح عن المستلم بن سعید وقد ثقه احمد وابن حبان عن الحجاج الاسود وهو ابن ابی زیاد البصری وقد وثقه احمدؒ وابن معینؒ عن ثابتؓ عن انسؓ واخرجه واخرجه ایضا ابو یعلیؒ فی مسنده من هذا الوجه واخرجه البزار لکن وقع عنده عن الحجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح فی روایة البیهقی وصححه البیهقی.[3]

ترجمہ۔ یہ حدیث یحیی بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں میں سے ہے۔ اس نے مستلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابویعلی نے بھی اپنی مسند میں

---

[1] طبقات شافعیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ [2] مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۱۱ [3] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۷۶ کتاب الانبیاء

http://mujahid.xtgem.com

اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج صواف آگیا ہے۔ صحیح حجاج اسود ہی ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے تصریح کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بیہقیؒ کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

وفی البیھقی عن انسؓ وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون [۱]

الانبیاء احیاء فی قبورھم [۲]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام بیہقیؒ کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی امام بیہقی کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ فتدبر

⑦ حافظ بدر الدین العینیؒ (۸۵۵ھ)

الانبیاء ـــ فانھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیٰمۃ۔ [۳]

⑧ حافظ شمس الدین السخاویؒ (۹۰۲ھ)

نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض [۴]

---

[۱] فیض الباری جلد ۲ ص۶۴ مصر [۲] فتح الباری جلد ۶ ص۳۷۹ [۳] عینی جلد ۷ ص۱۴۹

[۴] القول البدیع ص۱۲۵ طبع ہند

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ: ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسب) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

⑨ حافظ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ)

حیاۃ النبی فی قبرہ وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علماً قطعی درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تواتر (قدرِ مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

ان من جملۃ ماتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم[2]

ترجمہ: جو روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

⑩ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ)

لاشک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشھداء التی اخبر اللہ بھا فی کتابہ العزیز[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات میں کسی شک کو راہ نہیں

---

[1] فتاویٰ حافظ سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ [2] النظم المتناثر من الحدیث المتواتر [3] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵

http://mujahid.xtgem.com

دی جا سکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اُن کی یہ حیات شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ کامل ہے۔

(۱۱) علامہ عبدالوہاب الشعرانی رح (۹۷۳ھ)

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان و اقامۃ۔[۱]

ترجمہ۔ یہ حدیثیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

(۱۲) علامہ عبدالرؤف المناوی رح (۱۰۰۳ھ)

الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ ھذا حدیث صحیح۔[۲]

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح درجے کی حدیث ہے۔

(۱۳) مجدد مأۃ دہم مُلّا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری رح (۱۰۱۴ھ)

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔[۳]

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم۔[۴]

ترجمہ۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس

---

[۱] منح المنۃ ص ۹۲ مصر [۲] فیض القدیر جلد ۳ ص ۱۸۴ [۳] مرقات جلد ۱ ص ۲۱۲ قدیم جلد ۳ ص ۲۴۱ طبع جدید
[۴] مرقات جلد ۲ ص ۲۳۵ طبع جدید

http://mujahid.xtgem.com

شخص کا صلوٰۃ و سلام سنیں جو آپ پر درود و سلام پڑھے

ای یوصلون من امتی السلام اذا سلوا علی قلیلا او کثیرا و هذا مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقده المنور و مضجعه المطهر وفیه اشارة الیٰ حیاته الدائمة و فرحه ببلوغ سلام امته الکاملة وایماء الیٰ قبول السلام حیث قبلته الملئکة۔[1]

ترجمہ۔ فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لیے ہے جو دور ہو آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرامگاہ پاک ہے اس میں آپ کی حیات دائمی اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو آگے پہنچانے کے لیے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

وما افاده من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بها یتعبدون و یصلون فی قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب کالملئکة امر لا مریة فیه۔[2]

ترجمہ۔ یہ بات کہ انبیاء کرام کے لیے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے وہ اپنی قبروں میں مشغول عبادت اور مصروف نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی پختہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔

وقد ورد به الاحادیث والاثار وانهم احیاء فی قبورهم فانهم افضل من الشهداء واحیاء عند ربهم۔[3]

ترجمہ۔ اور اس موضوع پر بہت سی احادیث و اخبار وارد ہیں اور بے شک

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۳

http://mujahid.xtgem.com

وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

انہ علیہ السلام فی قبرہ حیّ وقال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔[1]

ترجمہ۔ بے شک حضور علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اپنی آوازیں حضورؐ کی آواز سے اُونچی نہ کرو۔

وفیہ دلیل علی ان الانبیاء احیاء حقیقۃ۔[2]

ترجمہ۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی۔[3]

ترجمہ۔ وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء کرام) اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور اس جہانِ ارضی دونوں سے ہے۔

(۱۴) مجدد مأتہ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا الشیخ سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

برزخِ صغرے چوں از یک وجہ از مواطنِ دُنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد۔ «الانبیاء یصلون فی القبور» شنیدہ باشند۔[4]

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ [2] ایضاً جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۲ [3] شرح الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ [4] مکتوبات دفتر ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۱۹

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ آپ نے یہ حدیث تو سنی ہوگی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۱۵) علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

لانہ حی دائماً وروحہ لا تفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[1]

ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۱۶) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

ابویعلیٰ بنقلِ ثقات از روایتِ انس بن مالکؓ آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔[2]

ترجمہ۔ ابویعلیٰ نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(۱۷) علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

وقد ثبت بالاحادیث الصحیحۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء احیاء حیاۃ حقیقیۃ کالشھداء۔[3]

---

[1] السراج المنیر جلد ۳ صفحہ ۲۷۸ [2] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ مطبوعہ المطابع ۱۲۷۱ھ جذب القلوب صفحہ ۱۸۰ [3] نسیم الریاض ص ۹۹ج ۴

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ اور یہ بات احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیاتِ حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لیے حاصل ہے، زندہ ہیں۔

(۱۸) علامہ محمد بن عبدالوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

وحیاۃ النبیّ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواتر الاخبار بہ۔[۱]

ترجمہ۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں) ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس پہ دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تواتر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

(۱۹) علامہ یوسف الشافعی الاردبیلیؒ (ھ)

ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد۔[۲]

ترجمہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایھا النبی سے خطاب کیا جا سکے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

(۲۰) مجدد ملۃ دوازدہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

---

[۱] شرح المواہب جلد ۵ صفحہ ۳۳۲ [۲] کتاب الانوار فی فقہ الامام الشافعی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ طبع ۱۳۶۲ھ مصر

http://mujahid.xtgem.com

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ جب آپ مدینہ منورہ میں روضۂ انور پر حاضری دیتے تھے۔

لما دخلت المدینۃ المنورۃ وزرت الروضۃ المقدسۃ۔۔۔۔ رأیت روحہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاھرۃ بارزۃ لا فی عالم الارواح فقط۔۔۔ ثم توجھت الی القبر الشامخ المقدسۃ مرۃ بعد اخری۔۔۔ وانہ الذی اشار الیہ بقولہ ان الانبیاء لایموتون وانھم یصلون ویحجون فی قبورھم وانھم احیاء الی غیر ذلک ولما اسلم علیہ قط الا وقد انبسط الی وانشرح۔[1]

اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجیے:

وھی المکنی عنہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام وقد شاھدت ذلک مالا احصی فی مجاورتی المدینۃ سنۃ الف ومائۃ واربع واربعون۔[2]

ترجمہ۔ اور یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے (اسے مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاؤں اور میں نے ۴۴ ۱۱ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضۂ انور پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۱) محدث کبیر قاضی ثناء اللہ فانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المظہری

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی غائبا بلغتہ۔[3]

---

[1] فیوض الحرمین ص ۲۸ مطبوعہ دیوبند [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۔ مترجم ص ۲۴۹ [3] تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص ۲۲۴

http://mujahid.xtgem.com

(۲۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ارواح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دو امر زائد دیئے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا حاصل بھی یہی دو امر ہیں۔ اوّل یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ بوسیدہ بدن شہداء کو روزی دی جاتی ہے..... انبیاء علیہم السلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں.... چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔[1]

(۲۳) علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث۔[2]

ان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم۔[3]

ترجمہ۔ حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۲۴) قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدیر و شارح منتقی الاخبار

انه صلی الله علیه وسلم حیّ فی قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم۔[4]

ترجمہ۔ بیشک حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپکی روح اقدس آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طرق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

---

[1] فتاوےٰ عزیزی جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ [2] رسائل ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ مصر

[3] رد المحتار الشامی جلد ۳ صفحہ ۳۴۴ باب المغنم [4] تحفۃ الذاکرین شرح الحصن الحصین صفحہ ۲۸

http://mujahid.xtgem.com

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون و ان الحیوۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین و قد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم[1]

رواہ المنذری وصححہ البیہقی۔

ترجمہ۔ قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء ومرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہو گی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم وقد صححہ البیہقی والف فی ذلک جزءاً۔[2]

ترجمہ۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بعد الوفات زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم . . . . ویؤید ذلک ماثبت ان الشہداء احیاء یرزقون فی قبورھم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم منہم واذا ثبت انہ حیّ فی قبرہ کان المجیٔ الیہ بعد الموت کالمجیٔ الیہ قبلہ[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم سے ثابت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو شہید ہیں

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۸۰ [3] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۸۱

http://mujahid.xtgem.com

میں سے ہیں۔

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر مبارک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس حاضری دینا تھا۔[1]

(۲۵) علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

والمراد بتلك الحيوة نوع من الحيوة غير معقول لنا هي فوق حياة الشهداء بكثير وحيوة نبينا صلى الله عليه وسلم اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام الى ان قال تلك الحيوة فى القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحيوة فى الدنيا المعروفة لنا من الصلوة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلك الحيوة المعروفة۔[2]

والحيوة فى القبر تستلزم الخروج وانا اقول بها فى حق الانبياء عليهم السلام۔[3]

حاصل یہ کہ آنحضرتؐ کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا لیکن اس دنیا کی حیات معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

(۲۶) نواب قطب الدین خانؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ وصاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔[4]

(ف) دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں تغائر ضروری ہے باعتبار عالم وہ حیاۃ برزخی ہے اور انبیاء سے اسی طرح جسمانی محسوس کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی رکھتے تھے اور وہی جسد فانی حیات ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا۔ گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

---

[1] نیل الاوطار جلد ۵ ص۱۸۵ [2] روح المعانی ص۳۶ پ۲۲ [3] ایضاً [4] مظاہر حق جلد ۱ ص۴۴۲

http://mujahid.xtgem.com

(۲۷) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں اس کی سند جید ہے۔

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته رواه ابو الشیخ۔[۱]

قریب سے درود وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں جیساکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔[۲]

(۲۸) میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔[۳]

(۲۹) مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ر... صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد

اجساد الانبیاء ای من ماکلها فی قبورهم احیاء۔[۴]

ترجمہ۔ انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر حرام ہے کہ ان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(۳۰) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۷ھ)

المراد بالسلام عند القبر وقت حضوره للزيارة...... ان روح المقدسة فی شان ما فی الحضرة الالهية فاذا ابلغه سلام احد من الامة رد الله تعالی روحه المطهرة من تلك الحالة الی رد من سلم عليه۔[۵]

آنحضرتؐ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔[۶]

---

[۱] دلیل الطالب ص ۸۴۲ [۲] رحلہ ص ۳ [۳] فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۵ [۴] عون المعبود جلد ۱ ص ۴۰۵ [۵] بذل جلد ۳ ص ۲۷۸ [۶] تذکرۃ الخلیل ص ۲۶

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

(۳۱) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

فی البیہقی عن انسؓ وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاءٌ احیاء فی قبورھم یصلون[۱]

ترجمہ بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی جلد میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر موافقت کی ہے حدیث یہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(۳۲) حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں[۲]

(۳۳) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

اما بعد وفاتہ فروحہ المقدسۃ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً بہ وبدنہ فی ضریحہ غیر مفقود واذا اسلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کثف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ھذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلھا وتعلقھا وتاثیرھا فی الارض وحیاۃ النبات والحیوان بھا۔[۳]

---

[۱] فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۹۷ [۲] نشر الطیب صفحہ ۱۸۳ طبع دیوبند [۳] فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۴۲۰

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الخامس ـــ الکلام علیٰ عالم المثال

قبر عالمِ برزخ کی ایک قرارگاہ ہے اگلی قرارگاہ عالمِ آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں ۱۔جنت ۔۲۔جہنم ــ مقام اعراف بھی عالمِ آخرت کا ہی ایک حصہ ہے ۔

یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرارگاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے۔ دائمی قرارگاہ عالمِ آخرت ہے ۔

۱۔عالم ارواح ۔ ۲۔ عالم دنیا ۔۳۔ عالم برزخ اور ۔ ۴۔ عالم آخرت ۔ یہ چاروں عالم بالترتیب چلے ہیں ۔ پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوعِ انسان کی قرارگاہیں اور چوتھا جہاں مستقل طور پر ہماری قرارگاہ ہے ۔ یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں ۔ یوں سمجھیے چاروں جہاں عالمِ شہادت کے مختلف پیرائے ہیں علماء نے ان کے متوازی ایک اور جہان کا پتہ دیا ہے ۔ یہ جہاں عالمِ مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں یہاں حقائق کی ان کے اپنے مناسب حال تصویریں اترتی ہیں ۔ عالمِ مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں ۔

خود آنحضرتؐ کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی رأیت الجنة والنار ممثلتین [1]

حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کئی اور آدم گذرے ہیں اور اس پر انہوں نے عالمِ مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالمِ مثال کے ہیں ۔ عالم شہادت میں صرف وہی ایک آدم گذرے ہیں جنہوں نے صفتِ جامعیت پر خلقت پائی ۔ ان کے آنے سے پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ اللہ رب العزت کی ایجاد سے عالم مثال میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا [2]

حضرت امام ربانی شیخ سرہندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے

---

[1] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۴ [2] مکتوبات دفتر دوم ۵۸ صفحہ ۱۱۳

http://mujahid.xtgem.com

ہیں کہ جس طرح ادوار مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے۔ اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالم مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ جسد عنصری سے نعیم قبر اور عذاب قبر اسی عالم مثال میں ہوتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالم مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالم مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صورت وہئیت نہیں۔ جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالم مثال کوئی رہنے کا محل نہیں، اسے عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حد ذاتہٖ کسی صورت وشکل کو متضمن نہیں۔

عالم مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقت آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالم مثال میں اقامت گزیں نہ تھی قرون متطاولہ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہرحال عالم ارواح میں تھی نہ کہ عالم مثال میں۔ اس لیے کہ عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی اترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح ادوار مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالم مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔

اعاذنا اللہ منہا۔

ارشادِ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ

نوشتہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالم مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالم مثال خواہد رفت، پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود

http://mujahid.xtgem.com

بدانند کہ ایں قسم خیالات از صدق قلیل النصیب است ...... بعالم مثال کار ندارد نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق بیش ازیں نیست کہ در بعضے اوقات بتوفیق اللہ سبحانہٗ بعضے از احوالِ خود را در مرآۃ عالم مطالعہ می نماید ...... عالم مثال از برائے دیدن است نہ برائے بُودن، جائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد، عالمِ مثال میش از مرآۃِ ایں دو عالم نیست ..... عذابِ قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت است نہ صُورتِ وشبہ عقوبت۔[1]

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالمِ مثال میں رہی ہے اور بدن سے جُدا ہونے کے بعد پھر عالمِ مثال میں چلی جاتی ہے بس عذابِ قبر اس عالمِ مثال میں ہوتا ہے۔ جواباً آپ کو جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے خیالات انہی لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں قلیل النصیب ہیں۔ روح کا عالمِ مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے ہوں لیکن عالمِ مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں (وہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ ہے، جس پر صُورتیں ظاہر ہوتی ہیں) رہنے کی جگہ یا عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذابِ قبر اس مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذابِ قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

---

[1] مکتوبات دفتر سوم، ۳۱، صفحہ ۵۸

http://mujahid.xtgem.com

① معاملاتِ قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت وانعکاس نہیں۔

② وجود عالمِ مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شئے کی حقیقت نہیں۔

③ روح کا تعلق عالمِ مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہوا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

④ مفارقتِ بدن کے بعد روح اور اطوارِ روح کو عالمِ مثال میں ٹھہرانا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملاتِ قبر کو عالمِ مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا کس قدر شانِ علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس ــــ فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معاملہ کرنا چاہیں، تو اُسے تنگی کی آخری انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندۂ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے، وہ رحیم مطلق جب چاہے اسے حدِ نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالمِ برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وُسعت و نسبت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ان ارشادات سے کہ "قبرِ حقیقت میں اس ظاہری زمین نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے" ــــــ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل جدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ امرِ واقع یہ ہے کہ عالمِ برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت و فسحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک برزخی منزل[1] ہے جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی حُدود اس پردے میں ہیں، جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیۃً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالمِ برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجازہی مجاز[2] کہے چلے جانا یہ بالکل خلافِ واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پیچھے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان سے گزرے۔ آپؐ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا عادی تھا۔[3]

یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالمِ برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقتِ قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیۃً علیحدہ نہیں

---

[1] ان القبر اول منازل الآخرۃ (مستدرک جلد ا صلاک۳۷) و احوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرۃ (فتح الباری ص۲۷۹ ج۱۱)

[2] عن ابن فورک انہ صلی اللہ علیہ حی فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃً لا مجازاً قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی (الروضۃ البھیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیۃ ص۱۰۶ مطبوعہ حیدر آباد دکن)۔

[3] راجع لہ البخاری جلد ا ص۱۸۴

http://mujahid.xtgem.com

بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت و فسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

دلونی علی قبرھا[1]

ترجمہ۔ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا:۔

ان ھٰذہ القبور مملوّۃ ظلمۃً علیٰ اھلھا و ان اللّٰہ ینوّرھا لھم بصلوٰتی[2]

ترجمہ۔ بے شک یہ قبور اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اٹی پڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبور ہیں جو ھٰذہ کا مشار الیہ ہیں۔ ہاں اس کے باقی برزخی پہلو اور وسعت و فسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس برزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے دیکھی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط ہے۔ مقام افسوس ہے اور محلِ حیرت در حیرت ہے۔

آنحضرتؐ نے اس حدیث حیاتِ انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا "الانبیاء احیاء" (انبیاء زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ "فی قبورھم" (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرما دی۔ تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے "فی قبورھم"

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۵ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۱۰

http://mujahid.xtgem.com

کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محل حیات وہی ہے، جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام عنصریہ ہی بعد الوفات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس ان کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیاتِ انبیاء کی وضاحت فی قبورھم کے الفاظ سے کی، بلکہ آپ نے یصلون (کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں) کی تصریح فرما کر حیاتِ جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجودِ جسدی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے:۔

الصلوٰۃ تستدعی جسداً احیاً۔ (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم، صاحبِ جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۱) احیاء میں حیات کا بیان جملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

(۲) فی قبورھم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔

(۳) یصلون میں حیاتِ حقیقی کا، جس میں اعمالِ طیبہ سے تعطل نہ ہو، بیان ہوا۔

پس بخوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روضہ شریفہ میں (تاثیر روح یا دخولِ روح سے) اپنے جسد عنصری کے ساتھ قائمہ الحیات ہیں اور بدستور اشغالِ طیبہ میں استغراق ہے۔ یہ عمل تلذذاً ہے نہ کہ وجوباً علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی لکھتے ہیں:۔

تلذذاً لان التکلیف انقطع بالموت۔[1]

ترجمہ۔ یہ عبادت تلذذاً ہے کیونکہ مکلف ہونا ورودِ موت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

---

[1] عزیزی شرح جامع صغیر صفحہ ۱۴

http://mujahid.xtgem.com

مقدمہ میں ہم معنی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بسا اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینار اٹھا

حضرت ابوایوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ امام محمد بن احمد السرخسی (۴۸۳ھ) بیان کرتے ہیں۔

فدفنوہ لیلاً فصعد نور من قبرہ الی السماء ورای ذلک من کان بالقرب من ذلک الموضع من المشرکین فجاء رسولھم من الغد فقال من کان ھذا المیت فیکم فقالوا صاحب لنبینا فاسلموا بما راؤا[1]

ترجمہ۔ انہیں ساتھیوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا آپ کی قبر سے نور کا ایک شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سرحد کے قریب تھے دیکھ لیا صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ مرنیوالا کون تھا (جسے رات تم نے دفن کیا) انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہوگا اور زمین بھی اپنی برکتیں اگلتی ہوگی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منبع نور ہوگی۔

---

[1] شرح سیر کبیر جلد ۱ صـ۱۷۵

http://mujahid.xtgem.com

الفصل الخامس

وفیہ ستّۃ من المباحث

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوٰۃ حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابو معاویہ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ —— وفی روایۃ من صلی علیّ نائیًا ابلغتہ۔[1]

ترجمہ۔ جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دُور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاوّل —— فی معنی الحدیث

اس حدیث میں من صلّی عام ہے۔ جس نے بھی حضورؐ پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس درود پڑھے، اسے حضور اکرمؐ خود سنیں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سامعہ کیا اتنی تیز تھی کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

---

[1] رواہ ابو الشیخ الاصبہانی وابن حبان بسند جید مرقات جلد ۲ ص ۳۴۲ طبع قدیم جلد ۲ ص ۱۰

http://mujahid.xtgem.com

جواب —— ہاں. جب حضورؐ خود دُنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلے سے اُن مردوں کی آوازیں نہ سُنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال، کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضورؐ قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟

جواب: ہاں، حضورؐ نے فرمایا، ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام[1]

جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں رد اللہ علی روحی کی بحث پہلے آچکی ہے. اس حدیث میں حضورؐ کا قریب سے صلوٰۃ وسلام سننا خود ثابت ہے.

ثانیاً، حضورؐ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا:-

لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ.[2]

ترجمہ اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں میں ان کا جواب دوں گا.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر مبارک پر آپ خود سنتے ہیں. اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں.

ثالثاً، حضورؐ نے فرمایا:-

لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صلوٰتہ رواہ الطبرانی.[3]

ترجمہ جو بندہ خدا مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے.

یہاں پہنچایا جاتا نہیں کہا، پہنچتا کہا ہے، معلوم ہوتا ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے پڑھے، دُور والے کا پہنچایا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کاتب سے

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۲۷۹ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۷ [2] رواہ ابو یعلیٰ ورجالہ رجال الصحیح. مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۱۱، الجامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ رواہ ابو یعلیٰ کما فی الحاوی للفتاوی جلد ۱ صفحہ ۲۹۰، روح المعانی پ ۲۲ صفحہ ۳۵ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۵۹۵ [3] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۱۱ مسند ابی یعلیٰ جلد صفحہ

http://mujahid.xtgem.com

بلغنی صوتہ کے لفظوں میں منقول ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۱) ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[۱]

ترجمہ۔ بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی مجھ پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) یبلغونی صلوٰۃ من صلی علیّ من امتی۔[۲]

ترجمہ۔ وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔

(۳) ان صلوٰتکم معروضۃ علی۔

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ بعض روایات میں صرف صلوٰۃ کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا ——— اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے ہیں اور سلام بھی ——— دونوں میں افراد ہو تو بھی احناف کے ہاں جائز ہے اور صلوٰۃ وسلام جمعاً پڑھے جائیں تو بھی جائز ہے اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام حضورؐ کو دور سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جا سکتا ہے بایں اعتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روضۂ پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہیں پیش کر رہا ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ بایں اعتقاد کہ آپ خود سنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سنتے ہیں یا نہیں۔

---

[۱] رواہ النسائی جلد ۱ صفحہ ۱۸۹، مسند امام احمد جلد صفحہ ۴۴۱، سنن دارمی صفحہ ۳۶۲، المصنف لابن ابی شیبہ جلد صفحہ البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، الجامع الصغیر جلد ۱ صفحہ ۹۳، مشکوٰۃ صفحہ ۸۶، تحریرات حدیث مولانا حسین علی صفحہ ۲۱۱

[۲] رواہ الدارقطنی والقول البدیع صفحہ ۱۱۵

http://mujahid.xtgem.com

لیکن حضورؐ کا سماع عند القبر مجمع علیہ ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:-

انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔[1]

مجدد صدی دہم سیدنا ملا علی قاریؒ فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں:-

ھذا مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور ومضجعہ المطہر و فیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ وفرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ وایماء الی قبول السلام حیث قبلتہ الملئکۃ وحملتہ الیہ علیہ السلام[2]

ترجمہ: فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضورؐ کے مرقد منور اور آپکی استراحت گاہ مطہر سے دور ہو اور اس میں آپکی حیات دائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپکی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کاملہ کا سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کرنیوالے کے سلام کے قبول ہونے کا اشارہ بھی ہے، باں طور کہ فرشتوں نے اسے قبول کرلیا ہے اور لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے ہیں۔

ترجمہ۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ روضہ پہ پڑھے گئے درود و سلام کو حضورؐ خود سنتے ہیں۔ حضرت ملا علی قاریؒ ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:-

من صلی علی عند قبری سمعتہ ای سمعا حقیقیا بلا واسطۃ۔[3]

ترجمہ۔ حدیث "جو مجھ پر میری قبر پر آکر درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں" کا مطلب سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ روضہ پہ پڑھے گئے صلوٰۃ و سلام کو حضورؐ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزءاً جزءاً پیش کر آئے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون یکجا جمع ہیں۔ سو جن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف طعن بنا رکھا ہے کہ اسے ابو عبدالرحمن محمد بن

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۱ [2] مرقات جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ [3] ایضاً صفحہ ۳۴۲

http://mujahid.xtgem.com

مروان السدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ

سماع عند القبر کی یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

نیز ابن عمرؓ آمدہ من صلی علی عند قبری ردت علیہ ومن صلی علی فی مکان آخر بلغونیہ[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پاکر درود پڑھتا ہے میں اس کا جواب اس کو خود دیتا ہوں اور جو کوئی کسی دوسری جگہ پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں۔

جو روایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔[2]

سو یہ روایت حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم تین صحابہ سے مروی ہے۔

ہمارے مخالفین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہراتے ہیں۔ یہ بھی نہ ماننے کی ایک ادا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متصلاً سننا ضروری نہیں یہ تحقق سمع آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی وقت سنا دے۔ یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آ گیا؟

---

[1] جذب القلوب صفحہ ۱۸۲ [2] نشر الطیب صفحہ ۲۱۱

http://mujahid.xtgem.com

حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تاویل کو راہ دے اور حال یہ ہے کہ دن رات کے اوقات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہزاروں زائرین روضہ اطہر پر صلوٰۃ وسلام عرض نہ کر رہے ہوں۔ اگر قبر مبارک کی حاضری اور وہاں درود وسلام دائماً نہ پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور تھی۔

سو اس موجودہ صورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہوگا دائمہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود وسلام ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ ہے مطلقہ عامہ نہیں۔ دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا جو یہاں سمعتہ ہے۔ موضوع کے لیے جو من صلی علی عند قبری ہے دائماً ہو۔

ہم نے ضروریہ مطلقہ نہیں کہا۔ جیسے کل انسان حیوان بالضرورۃ دائمہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل نبی صادق بالدوام۔ سو جس طرح صدق نبوت سے شرعاً ممتنع السلب ہے۔ کوئی مومن روضہ اطہر پر درود پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنیں، یہ شرعاً ممتنع ہے۔

قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں۔ حدیث کے اپنے الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے:

فالقضية دائمة اذ من المحال العادي ان يخلو الوجود كله عن واحد يسلم عليه في ليل او نهار فنحن نؤمن ونصدق بانه صلى الله عليه وسلم يسمع ما دام المصلون يصلون عليه على قبره الشريف ولا تذهب ساعة من الساعات ولا وقت من الاوقات الا ويصلى عليه في مسجده الشريف صلى الله عليه وسلم بالدوام او بالضرورة.

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الثانی ـــ فی بیان الشاہد من الحدیث

حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کر آئے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں:۔

اخبرنا عبد الوہاب بن عبد الحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفیان بن سعیدؒ و اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و عبد الرزاق (کلاھما) عن سفیان۔

سند حضرت سفیان بن سعید الثوری :۔

عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[1]

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پہ ہر وقت مصروف سیاحت ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی تعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام عرض کر دیتے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پہ پہنچ کر ــــ قبر کہاں ہے؟ زمین پہ ــــ حدیث میں ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے۔ سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پہ ہیں، قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پہ ہے۔ فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضۂ اطہر کے مابین مصروف سیاحت رہتے ہیں۔ وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ آپ کی آن

[1] سنن نسائی جلد ۱ صـ۱۸۹

http://mujahid.xtgem.com

میں درود لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہے کہ قریب سے آپ خود سن رہے ہیں، تبھی تو فرشتوں سے آپ خود سنتے ہیں، جو روضہ اطہر پہ حاضر ہو کر دور والوں کا سلام عرض کرتے ہیں اور یہ مضمون اس حدیث میں عبارۃ النص سے مذکور ہے کہ دور والوں کا سلام حضورؐ کو پہنچایا جاتا ہے۔

سو جو بات حدیثِ ابوہریرہؓ میں بیان کی گئی ہے وہ بعینہ اس حدیث میں بھی موجود ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ حدیثِ عبداللہ بن مسعودؓ میں اس حدیث کا پہلا جزء دلالۃ النص اور دوسرا عبارۃ النص سے ثابت ہے اور حدیث ابوہریرہ میں دونوں باتیں عبارۃ النص میں مذکور ہیں۔ دور سے درود کا اس طرح پہنچنا بتلاتا ہے کہ قریب سے آپ خود سنتے ہیں ورنہ تبلیغ صلوٰۃ و سلام کے لیے سیاحین فی الارض کے بیان کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال

عبدالوہاب بن الحکم ثقہ ہیں معاذ بن معاذ ثقہ ہیں سفیان ثوری ثقہ ہیں عبداللہ بن السائب ثقہ ہیں اور ان سب کی توثیق تقریب التہذیب میں ص۱۵۱، ص۲۱۹، ص۲۴۹، ص۲۵۸ پر علی الترتیب موجود ہے۔ ابو عبداللہ زاذان کندی کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر کثیر الخطاء کہا ہے جمہور علماء نے اُن کی یہ جرح قبول نہیں کی اور جرح جب تک مفسر نہ ہو اس کا اعتبار کیا؟ ابن سعد عجلی اور خطیب تینوں اسے ثقہ کہتے ہیں، بعض نے اُن کی کنیت ابو عمر بھی لکھی ہے۔ امامِ فن یحییٰ بن معین کہتے ہیں ثقۃ لا یسئل عن مثلہ۔ یہ ایسے ثقہ ہیں کہ ایسے حضرات کے متعلق مزید تحقیق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری سند کے راوی

محمود بن غیلان سے اوپر کے راوی جرح و تعدیل کے امام وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ ہیں۔ یہ اور عبدالرزاق (۲۱۱ھ) صاحب المصنف امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ

http://mujahid.xtgem.com

سے روایت کرتے ہیں. علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:۔

رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح[1]

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد جلد ۱ ص۱۴۱، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ص، سنن دارمی ص۲۲، سنن دارقطنی (القول البدیع ص۱۱۵) البیہقی ص، مستدرک حاکم جلد ۲ ص۴۲۱، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص۱۵۴، حلیہ ابی نعیم ص الجامع الصغیر جلد ۱ ص۹۳، مشکوٰۃ ص۸۶، وفاء الوفاء جلد ۲ ص۴۰۴ دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

(۱) علامہ ذہبی صاحب میزان الاعتدال (۷۴۸ھ) تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں یہ صحیح[2]

(۲) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسماعیل قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے[3]

(۳) علامہ عزیزی (ھ) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں حدیث صحیح[4]

(۴) علامہ ہیثمی (۸۰۷ھ) لکھتے ہیں ورجالہ رجال الصحیح[5]

(۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم قال صحیح الاسناد۔[6]

(۶) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ) مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔[7]

محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معنوی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۲ ص۲۸ [2] مستدرک جلد ۲ ص۴۲۱ [3] وفاء الوفاء جلد ۲ ص۴۰۴ [4] السراج المنیر جلد ۱ ص۵۱۸
[5] مجمع الزوائد جلد ۹ ص۲۴ [6] القول البدیع ص۱۱۵ [7] الصارم المنکی ص۱۲۸

http://mujahid.xtgem.com

ہر آئینہ خدائے را فرشتگان اند سیر کنندگان در زمین مے رسانند مرا از امت من سلام را و بتواتر رسید ایں معنیٰ ۔[1]

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے ۔ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے ۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم جن کا مضمون اس مسئلہ پہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں چھپا ہے اور اس سے محدث جلیل حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور (بہیودی تحصیل وضلع کیمبل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پہ جمع ہونے کی دعوت دی ہے ۔ وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں ۔[2]

کاش ! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطۂ اتحاد پہ جمع ہو جائیں اور روضۂ انور کا یہ سماع تسلیم کر لیں ۔

المبحث الثالث ــــ الجوہر النقی فی تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں سنتا ہوں جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسے مروی بتلایا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پہ بحث کریں گے ۔ اس حدیث کو حافظ ابو الشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور احد الاعلام ہیں ۔[3] کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں ۔ اصبہانی اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں ۔ اصبہانی کی سند جید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے ۔ اور بیہقی کی سند کا ایک

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد ۲ صفحہ ۶۹ [2] معارف الحدیث جلد ۵ صفحہ ۸۵ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۱۴۷

http://mujahid.xtgem.com

راوی ابوعبدالرحمن محمد بن مروان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اُٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ جید سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ دانستہ قولِ رسول کی تضحیک کی جائے۔ یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اب پوری قوم اس عذاب کی زد میں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما اسے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور اُن کے بائیں ہاتھ میں ابوعبدالرحمن محمد بن مروان پر جرح ہوتی ہے اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابوالشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پینترہ بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے اور یہ حدیث کہتی ہے حضورؐ سنتے ہیں، ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اوّلاً تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہے، انک لا تسمع الموتیٰ "آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے"۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سُنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام دعوے ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اموات غیر احیاء سے اور قد خلت من قبلہ الرسل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام کا ایسا کریہہ منظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماعِ موتیٰ کی بحث لانا چاہتے ہیں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب نیت ہی کرلی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا پہلا وار (کہ یہ حدیث ضعیف ہے) خالی جاتا ہے تو پھر کس جرأت سے قادیانی طرزِ استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اگر اُن سے پوچھا جائے کہ ائمہ اعلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے

http://mujahid.xtgem.com

تابع نہیں یہ اسکے خلاف ہے تو اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کرسکیں گے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

مغالطے کا ایک اور انداز

بیہقی کی سند کا راوی ابوعبدالرحمٰن محمد بن مروان ہے اور ابوالشیخ کی روایت کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج (۴۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں۔ عبدالرحمٰن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ابوعبدالرحمٰن کی جرح عبدالرحمٰن بن احمد پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابوالشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے ان ھذا الا بھتان عظیم۔

المبحث رابع

تحقیق رواۃ سند ابی الشیخ

① ابوالشیخ الاصبہانی ② ابوصالح عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج

③ الامام الحافظ حسن الصباح ④ ابومعاویہ محمد بن خازم

⑤ سلیمان بن مہران الاعمش ⑥ ابوصالح ذکوان (السمان الزیات)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① ——— ابوالشیخ الاصبہانی

علامہ ذہبی ان کو حافظ۔ امام اور مسند زمان کہتے ہیں۔ ان کے تعدیل و تدین کو تسلیم کرتے

ل عبدالرحمٰن بن الاعرج سے قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ اصبہان جلد ۲ صفحہ ۱۱۱) اور ابوالشیخ اصبہانی بھی (دیکھئے جلاء الافہام للحافظ ابن القیم صفحہ ۱۹) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دو راوی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا (دیکھئے سنن دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۳۶۱) تو جب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے جید تسلیم کیا ہے۔ من روی عنه ثقتان فقد ارتفعت جھالته وثبتت عدالته۔ تو کیا اب بھی عبدالرحمٰن کی تعدیل نہ ہوگی۔ اس اصول کے لیے دیکھئے: (فتح المغیث صفحہ ۱۳۷)

http://mujahid.xtgem.com

ہیں۔ ابن مردویہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں[1]

ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ ــــ فہو الحافظ الکبیر ... ثقہ[2]

(۲) ــــ ابو صالح عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج

والد کا نام ابو یحییٰ . ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) کے تاریخ اصفہان جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی ہیں اور اس نے سلمہ بن شبیب اور الامام الحافظ حسن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی سلمہ بن شبیب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

احد الثقات حدث عنہ الائمۃ والقدماء[3]

سلمہ بن شبیب سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبد الرحمٰن بن احمد بھی ہیں۔

البتہ عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے:۔

قال ابو الشیخ لم یکن بالقوی ــــ فی الحدیث[4]

(۳) ــــ الحسن بن الصباح

صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ ذہبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر عظمت الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ خدا کا خوف کریں[5]

(۴) ــــ ابو معاویہ محمد بن خازم

کوفہ کے مشہور محدث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ اور ثبت کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں کسی اور سے روایت کریں تو ہو سکتا ہے اس میں کچھ اضطراب ہو[6]

---

[1] دیکھئے تذکرہ للذہبی جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ [2] لسان المیزان جلد ۶ صفحہ ۲۹۵ [3]

[4] لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۴۲ [5] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۵۵ [6] دیکھو تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۱

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

یحییٰ بن معین کہتے ہیں اعمش سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔[1]

⑤ ——— سلیمان بن مہران الاعمش

صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے۔ مگر ان دنوں شیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی۔ تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور انکار خلافتِ راشدہ روافض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

⑥ ——— ابو صالح ذکوان

صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں:۔

ثقة ثقة من اجل الناس واوثقهم۔[2]

ترجمہ: ثقہ ثقہ ہے بڑے اور سچے لوگوں میں سے ہے اور سب سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں ہے۔

اور اس زمانے میں تو راویوں کی پڑتال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لانے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث متلقی بالقبول ہے یا نہیں۔ یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے۔ اب دیکھیئے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیانِ امت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:۔

① ——— شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

② ——— حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)

③ ——— خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

④ ——— سخاویؒ (۹۰۲ھ)

---

[1] حاشیہ تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۳۸ [2] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۸۳

http://mujahid.xtgem.com

⑤ ——— علامہ ابن حجر مکیؒ (م ۹۷۳ھ)

⑥ ——— علامہ عبدالرؤف المناویؒ (م ۱۰۰۳ھ)

⑦ ——— ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ)

⑧ ——— قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

⑨ ——— علامہ سید احمد طحطاویؒ (م ۱۲۳۰ھ)

⑩ ——— نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)

⑪ ——— حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ)

⑫ ——— علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۶۹ھ)

حوالجات از بعض عبارات

① حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

صلوا علی حیثما کنتم فان صلاتکم تبلغنی قال فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم انہ یسمع الصلوٰۃ من قریب و یبلغ ذلک من بعید[1]

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کرو جہاں بھی تم ہو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابو داؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور دوسری وہی امام بیہقی والی ——— امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم ہے مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

---

[1] رسائل ابن تیمیہؒ ص ۱۹۱ رسالہ ۱۲

http://mujahid.xtgem.com

وقد روی ابن ابی شیبۃ والدار قطنی عنہ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ و فی اسنادہ لین لکن لہ شواہد ثابتۃ فان ابلاغ الصلوٰۃ والسلام علیہ من البعد قد رواہ اہل السنن من غیر وجہ[1]

ترجمہ: اور ابن ابی شیبہ اور دار قطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پہ آکر درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں آپکو دور سے صلوٰۃ وسلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے

② حافظ ابن القیم کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔ یہ ابو الشیخ کی سند کے بارے میں نہیں ابن ابی شیبہ اور دار قطنی کی سند کے بارے میں ہے اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو بیہقی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول ابن تیمیہؒ اس کے شواہد موجود ہیں۔ اس لیے یہ روایت بھی قبول کرلی جائے گی اور یہ محدثین کا اصول ہے کہ روایت اپنے شواہد سے قوی ہو جاتی ہے۔[2]

ان شواہد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل سنن (نسائی وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے پڑھا گیا صلوٰۃ وسلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطیؒ بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں:۔

قلت ھذا الحدیث اخرجہ الطبرانی و ابونعیم فی الحلیہ ولہ شواہد یرتقی بہا الی درجہ الحسن۔[3]

یہ سب تائید اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے۔ یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف ان شواہد سے کلیۃً اٹھ جاتا ہے۔۔

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲۷ صفحہ ۱۱۶ [2] تعدد الطرق یفید القوۃ اعلاء السنن جلد ۱ صفحہ ۲۳۵ طبع قدیم [3] اللآلی المصنوعہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۵

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن قیم (۷۵۱ ھ) نے جلاء الافہام میں ابو الشیخ کی پوری سند دے کر حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اُعلمته [۱]

سند یہ ہے:-

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوٰۃ حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا حسین بن الصباح حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور کتاب الروح میں لکھا ہے:-

وقد صح عنه ان اللہ تعالیٰ وکل بقبره الملئکة یبلغون عن امته السلام۔

ترجمہ۔ اور حضورؐ سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی قبر پہ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو حضورؐ کو آپ کی امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں (روضہ اقدس پر) حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام تبھی پہنچاتے ہیں کہ حضورؐ یہاں خود سنتے ہیں ورنہ فرشتوں کے یہاں آنے کا کیا مطلب — اور جو درود وسلام دور پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔

یہ حافظ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث کی اور اس کے معنیٰ کی پوری تصدیق کی ہے — پھر لکھتے ہیں:-

فالروح هناك ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیه وتعلق به بحیث یصلی فی قبره ویرد سلام من سلم علیه [۲]

ترجمہ۔ سو روح اقدس اپنے مقر میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن سے ایک اتصال اشراف اور ایک تعلق ہے بایں طور کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضورؐ اپنے روضہ اقدس پر عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

---

[۱] جلاء الافہام ص ۱۵ [۲] کتاب الروح ص ۵۴ طبع حیدر آباد

http://mujahid.xtgem.com

④ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت

اخرج ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیًا بلغته۔[1]

ترجمہ۔ ابو الشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر دُرود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دُور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے ہیں جو صلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی ہے اس کے بعد آپ اس کے شواہد ذکر کرتے ہیں ① پہلا ابو داؤد کی روایت سے ② دوسرا ابو الشیخ کی روایۃ سے ③ تیسرا ابو داؤد اور نسائی کی روایت فان صلوتکم معروضۃ علیّ سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ اسی روایت کو لائق قبول بنا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اُٹھا دی ہے ابو الشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ ضمنًا یہ بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے:۔

ومن شواھد الحدیث ما اخرجه ابو داؤد من حدیث ابی ھریرة رفعه وقال فیه صلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم سنده صحیح واخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی نائیًا بلغته وعند ابی داؤد والنسائی وصححه ابن خزیمة وغیره عن اوس الی ان قال فان صلوتکم معروضة علیّ فقالوا کیف تعرض وقد ارمت۔[2]

---

[1] فتح الباری جلد ـــ صـــ

http://mujahid.xtgem.com

④ حافظ شمس الدین سخاوی ؒ کی شہادت

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علیّ من بعید اعلمته رواه ابو الشیخ وسنده جید۔[1]

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آکر مجھ پہ درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دُور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابو الشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے عُمدہ ہے۔

⑤ علامہ ابن حجر مکی ؒ کی شہادت

اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً ویرد علیہ من غیر واسطة وان صلی وسلم من بعید لیسمعہ الا بواسطة. یدل علیہ احادیث کثیرة۔[2]

ترجمہ: جب کسی نے درود وسلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر درود وسلام دور سے پڑھا تو آپ اسے نہیں سنتے مگر فرشتوں کے واسطہ سے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

اور الجوہر المنظم میں لکھتے ہیں:۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ الصلوٰة والسلام اذا صدر من بعید ویسمعہا اذا کان عند قبرہ الشریف بلا واسطة۔[3]

ترجمہ: بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود وسلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

---

[1] القول البدیع صفحہ ۱۱۶ [2] شرح ہمزیہ صفحہ ـــ [3] الجوہر المنظم صفحہ ۲۳

http://mujahid.xtgem.com

وفی روایۃ اخریٰ للطبرانی لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ قلنا یا رسول اللہ وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ای فسمعھم الحسی کیفیتہ کحواسھم الظاھریۃ۔ ؎

ترجمہ۔ اور طبرانی کی ایک دوسری روایت میں ہے کوئی مسلمان مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے ہم نے کہا اور آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا حضورؐ نے فرمایا وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سننا ایسا ہے کہ اس کی کیفیت حسی ہے جیسا کہ ان کے دوسرے حواس (قائم ہوتے ہیں)۔

اجساد انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ اپنی قبروں میں ــــ حضورؐ نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے۔ تو صحابہؓ کا ذہن فوراً آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے سنیں گے۔ آپ نے اپنے جسدِ اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی ــــ ابن حجرؒ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انبیاء کے دوسرے ظاہری حواس کی طرح ان کی قوتِ سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔

حضورؐ جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سنیں اور دور کی بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قوتِ سامعہ اسی ظاہری انداز پہ ہے تو ظاہر ہے کہ قبر مبارک میں بھی آپ قریب سے سنیں گے اور دور والے کا درود و سلام آپ کو پہنچایا جائے گا ــــ سو حدیث الا بلغنی صوتہ حافظ ابن حجر مکی کے ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی ان احادیث صحیحہ سے بھی تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا بتوسطِ ملائکہ پہنچنا صریح لفظوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجر نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آکر درود پڑھے۔ ــــ یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے تو الفاظ بلغنی صلوتہ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کئے ہیں بعلوم ہوتا ہے بلغنی صوتہ

ؒؒ؎ ۱

یہ تصحیف ہوئی ہے۔ سو اگر اسے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اس صورت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شواہد میں ذکر کی جا سکتی ہے

(۶) حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

باوجودیکہ آپ اس کی بیہقی والی سند پر جرح کرتے ہیں۔ اس کے راوی محمد بن مروان السدی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں یہ تلقی بالقبول ہے۔[1]

(۷) علامہ شہاب الدین الخفاجیؒ (۸۹۹ھ)

وبما تقرر فی ھذہ الاحادیث علم انه صلی اللہ علیہ وسلم تبلغه الصلوٰۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعھا اذا کان عندہ قبرہ الشریف بلا واسطة۔[2]

لانه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یسمع دعاء زائرہ۔[3]

ترجمہ۔ اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے ـــــ یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

(۸) حضرت علامہ عبد الرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائیاً ای بعیداً (ابلغته) ای اخبرت به من احد من الملئكة وذلك لان لروحه تعلقاً بمقر بدنه الشریف وحرام علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔[4]

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۱۵ [2] نسیم الریاض جلد ۱ صفحہ ۲۹۸ [3] ایضاً صفحہ ۳۰۰ [4] فیض القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۷۰

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے فرشتوں میں سے کوئی مجھے اس کی اس کی اطلاع دے دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقر بدن (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

⑨ ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ)

① ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید[1]

ترجمہ۔ اس حدیث کو ابو الشیخ اور ابن حبان نے ثواب الاعمال میں سند جید سے روایت کیا ہے۔

② من صلی علی عند قبری سمعتہ ای سماعاً حقیقیاً بلا واسطۃ[2]

ترجمہ۔ جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور سنتا ہوں بلا واسطہ۔

③ انہ قد ثبت من صلی علیہ نائیاً بلغہ ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعہ[3]

ترجمہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے درود پڑھے وہ آپکو پہنچایا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

④ ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً ورد علیہ من غیر واسطۃ... لما جاء عنہ بسند جید من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ[4] ترجمہ۔ زائر جب آپکی قبر کے پاس آکر آپ پر درود و سلام پڑھے تو آپ اسے حقیقۃً سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ... کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند جید کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۱۰ [2] شرح الشفاء جلد ۲ صفحہ ۵ [3] مرقات جلد ۳ صفحہ ۵۲۵ [4] الدرۃ المضیئۃ فی زیارۃ المصطفویۃ منقول از تعلیم القرآن راولپنڈی

http://mujahid.xtgem.com

(۱۰) علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۲۳۳ھ)

فانہ یسمعہا ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم وتبلغ الیہ ای یبلغہا الملک الیہ اذا کان المصلی بعیداً۔[۱]

(۱۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المظہری

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ غائبا بلغتہ۔[۲]

(۱۲) شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی (م)

انہ یسمع من یسلم علیہ۔[۳]

ترجمہ۔ آپ اس درود کو جو آپ پہ (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان کے الفاظ میں پڑھیے:۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرتؐ پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔ ص ۶۵

آل شیخ کے معتمد عالم علامہ شیخ محمد بن عبداللطیف رقمطراز ہیں:۔

ہمارا عقیدہ ہے، کہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی زندگی کے ساتھ اور شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر آپکی زندگی ہے اور آپکی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔[۴]

(۱۳) حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)

جو خود روضہ پہ حاضر ہوں اور صلوٰۃ وسلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ وسلام

---

[۱] طحطاوی مراقی علی الفلاح ص ۴۰۵ مصر [۲] مظہری جلد ۱ ص ۲۲۴ [۳] اتحاف النبلاء ص ۴۵ [۴] ترجمہ رسالہ از مولانا اسمٰعیل غزنوی ۱۹۲۷ء امرتسر

http://mujahid.xtgem.com

آپ خود سنتے ہیں[1]

روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو نبی کریم خود سن کر جواب دیتے ہیں یہ مسئلہ سنتِ رسول اور اجماعِ امت سے ثابت ہے[2]

(۱۴) نواب صدیق حسن خاںؒ (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید ـــــ اس حدیث کی سند جید ہے[3]

(۱۵) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

اخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا بلغتہ[4]

(۱۶) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرتؐ خود سنتے ہیں[5]

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضورؐ کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہو جاتی ہے اس حدیث پر ابو الشیخ کی سند جید نہ بھی موجود ہوتی تو بھی بیہقی کی روایت تلقی بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے محدث سہارنپوری نے بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۱۷ اور ص ۱۷ پر اور المہند علی المفند میں اپنے عقیدہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم فرماؤں نے المہند کے خلاف القول المسند فی رد المہند لکھ کر قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔

---

[1] دیکھئے السعی المشکور ص ۲۵۵ [2] الصلات ص ۲۵۲ [3] الدلیل الطالب ص ۸۴۴ [4] فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۳۰ [5] تذکرۃ الخلیل ص ۳۶

http://mujahid.xtgem.com

⑰ حکیم الامۃ مجدد الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح (۱۳۶۳ھ)

خود حضور کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں — جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کرنیوالے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔[1]

⑱ مولانا عبدالغفور غزنوی امرتسری رح (ھ) مترجم مشکوٰۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح وسالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے۔[2]

⑲ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعلیقات السلفیہ

انما احیاء فی قبورھم یصلّون وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیاً بلغتہ۔[3]

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ وسلام صحیح ہے اور اس بلوغ اور (سلام) کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔[4]

---

[1] نشر الطیب ص ۱۸۴ [2] حاشیہ مشکوٰۃ باب الجمعہ ص ۱۲۰ [3] التعلیقات جلد ا ص ۱۳۷ [4] تسکین القلوب ص ۱۰۵

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الخامس

علامہ ابن عبدالہادی کا اسے قبول کرنا

علامہ ابن عبدالہادی کی نظر ابوالشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مروان سدی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر انہیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ابوالشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت ان کے ہاں دوسرے شواہد کی روشنی میں تلقی بالقبول کا درجہ پا چکی تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء کیا احناف اور کیا شوافع کیا موالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عندالقبر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:۔

یبلغها الملك اذا كان المصلي بعيدًا۔[1]

ترجمہ: فرشتہ اس صورت میں درود وسلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو۔

علامہ ابن عبدالہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں:۔

وهو صلى الله عليه وسلم يسمع السلام من القبر وتبلغه الملئكة الصلوٰة والسلام من البعد۔[2]

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبدالہادی سماع عندالقبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کرامت کی

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۰۵ [2] الصارم المنکی ص۳۰۴

چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہلسنت کہلاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد الہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

فلما ذالك الحديث وان كان معناه صحيحًا فاسناده لا يحتج به وانما يثبت معناه بلحاديث اخر فانه لا يعرف الا من حديث محمد بن مروان السدى صغير عن الاعمش كما ظنه البيهقى وما ظنه فى هذا هو متفق عليه۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جاسکے یہ معنی کہ حضورؐ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں۔ دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے، انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث، ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو سوچ کیجیے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور وہ کوفہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا شخص اس شخص پر حجت نہیں جسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں راوی محمد بن مروان منفرد ہے۔ اس کا کوئی متابع نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے اس کے اپنے طریق اور علم کے مطابق درست ہے۔

---

[1] الصارم المنکی ص۲۳۱

http://mujahid.xtgem.com

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی؟ بیہقی کی سند میں علاء بن عمرو الحنفی محمد بن مروان ہے اور وہ اعمش سے اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے گو یہ ضعف دوسرے شواہد سے دُور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے۔ علاء بن عمرو الحنفی عن ابی معاویہ عن الاعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الاعمش والی سند موضوع ہے وہ موضوع نہیں ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے :۔

ابو عبدالرحمٰن هذا هو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیہ نظر وقد مضٰی ما یؤکدہ[1]

ترجمہ: یہ ابو عبدالرحمٰن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور اس کے لائق حجت ہونے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتی ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے۔ بایں ہمہ وہ اسے کلیۃً ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے مؤکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منجبر کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبدالہادی کو بھی انکار نہیں۔ تو اب کسی عالم کو اس انکار کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔

سو یاد رکھیے امام بیہقیؒ کی روایت فنی نقطہ نظر سے متروک نہیں مؤکد ہے۔ عبدالحق کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ وقد مضٰی ما یؤکدہ کو کبھی نہ بھولیں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ چھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ "حیات الانبیاء" میں لکھی ہے

---

[1] حیات الانبیاء للبیہقی ص۱۲

http://mujahid.xtgem.com

اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کرامیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث کو لانا بتلاتا ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے حجت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسناداً خود اس پہ جرح کی اور معنیً خود اسے قبول کیا ہے۔ اور کون ہے جو اس کا انکار کرے ؟[1]

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے۔ فروعی اختلاف خطاء اور صواب کے درمیان دائر ہوتا ہے۔ مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں۔ اصول اسلام میں سب صحابہؓ، سب ائمہ اور سب علماء ایک ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

ابو الشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں۔ محدثین سے اسے بالاتفاق جید مانا ہے۔ مگر افسوس کہ اس پہ ہمارے کرم فرما یہ بحث لے اُڑے جید ہی تو کہا ہے صحیح نہیں کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جیّد اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۶۴۳ھ) اصول حدیث کے مسلّم امام ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں آپ کا شاہکار ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جید ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بلقینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

---

[1] محدث ابن عبد البر (۴۶۳ھ) ایسے موقع پہ حدیث پہ صحت کا حکم لگاتے ہیں۔ قاضی شوکانی ان سے ایک بحث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقی العلماء له بالقبول فرده من حیث الاسناد وقبله من حیث المعنی۔ (نیل الاوطار جلد ا ص)

http://mujahid.xtgem.com

من ذٰلك يعلم ان الجودة يعبر بها عن الصحة۔[1]

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف احادیث پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں آپ نے اپنی سنن کے ابواب الطب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے:۔

هٰذا حديث جيد غريب۔[2]

دعوئے غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن قیمؒ نے ابوالشیخ کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں۔ ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔

اس حدیث کی اکثر روایات میں اُبلغته یا بلّغته کے الفاظ ہیں۔ متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے۔ لیکن ابوالشیخ کی روایت میں اعلمته (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغته میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلمته میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات میں ابلغته کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلمته کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباین نہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے ہی اُٹھا کر دیکھ لیں:۔

ان الغرابة لاتنافي الصحة۔ حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص۔ [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۹

http://mujahid.xtgem.com

کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے :۔

فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ وقال اللہ اکبر خربت خیبر... قال ابو عبد اللہ دع فرفع یدیہ فانی اخشی ان لا تکون محفوظا وان کان فیہ فرفع یدیہ فانہ غریب جدا۔[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان سدی صغیر جو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے۔ اس پر مشتمل سند کو کمزور تو کہا جا سکتا ہے موضوع نہیں اور ابو الشیخ کی سند تو بالاتفاق جید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۷ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے :۔

اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے۔ اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے ..... ملا علی قاری الحنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال میرک نقلا عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ ...... باسناد جید[2]

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی خطیب اور واعظ کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں۔

وفیہ اشعار بان من خالف السنۃ وان کان فی الظاھر متینا خطیبا مکرما عند الناس فھو فی الحقیقۃ نجس اخس من الکلب۔[3]

ترجمہ۔ اور اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے گو ظاہرا وہ بڑا بنا ٹھنا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خسیس ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۴ [2] ماہنامہ تعلیم القرآن صفحہ ۴۸ [3] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴

(ماخوذ از حیات الانبیاء صفحہ ۱۴۲)

http://mujahid.xtgem.com

یہ ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی ہوتی تو اصولاً بیہقی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی۔ اس لیے کہ اونچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کرلیں وہ دوسروں کے لیے حجت ہو جاتی ہے اور فقہاء کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

(۱) حافظ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں:۔

ان الفقهاء قد تلقت هٰذا الحديث بالقبول وعملوا به فثبت حجته بقبولهم له كقوله عليه السلام لا وصية لوارث۔[۱]

(۲) حافظ ابن عبدالبر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اسی اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتمد ٹھہراتے ہیں۔ قاضی شوکانی (ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

ثم حكم ابن عبد البر مع ذٰلك بصحته لتلقى العلماء له بالقبول۔[۲]

ترجمہ: اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

(۳) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ) حدیث من صلی علیّ عند قبری کو ضعیف کہتے ہیں (گو ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں) لیکن وہ اس کے معنی سے بوجہ تلقی بالقبول پوری طرح متفق ہیں۔[۳] حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط ہونا اور بات ہے۔ اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تلقی بالقبول سے کبھی کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی ـــ تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید سند کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے جید السند ہونے کا علمائے کبار کی ایک جماعت نے اقرار کیا ہے۔

---

[۱] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ [۲] نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۲۴ [۳] دیکھئے الصارم المنکی صفحہ ۱۰۳

http://mujahid.xtgem.com

المبحث السادس

ارشاد العوام لعرض الصّلوٰۃ والسّلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام علیٰ خیر الانام عرض کرنے کے لیے حاضری ہو اور مومن یہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضورؐ کی سماعت اکے شرف سے مشرف ہوجائے تو وہ اسے حضورؐ کی خدمت میں حاضری سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے یہ صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ وفات آئی. آپ پر انک میت و انھم میتون کا وعدہ پورا ہوا. لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفات زندہ ہیں. اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضورؐ کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضورؐ اس قبر میں میت ہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے. کیونکہ صورت حال یہ نہیں. حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے کا صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فروع واحکام کے اختلافات تو ہیں. اصول وعقائد میں چاروں امام اہل السنۃ والجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم مقلدین پر حجت ہے علامہ سمہودی حضرت امام مالکؒ کا فتوےٰ نقل کرتے ہیں:۔

نقل عن الامام مالک انہ کان یکرہ ان یقول رجل زرت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن رشد من اتباعہ ان الکراھۃ لغلبۃ الزیارۃ فی الموتیٰ وھو صلی اللہ علیہ وسلم احیاہ اللہ تعالیٰ بعد موتہ حیاۃ تامۃ۔[1]

ترجمہ: حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے

---

[1] وفاء الوفاء جلد ۲ ص۱۳۶۴ مصر

http://mujahid.xtgem.com

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتٰی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نواز رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا لفظ کیوں؟)

فقہاء احناف احتیاطاً اس مقام پہ زیارۃ النبیؐ یا زیارۃ الرسول کا عنوان اختیار فرماتے ہیں یہ حاضری قبر پہ حاضری نہیں، آپ کی خدمت میں حاضری ہے اور نہیں تو نور الایضاح جو عام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے، اسی میں دیکھ لیجئے:-

یبتغی لمن قصد زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ فانہ یسمعہا[1]

ترجمہ: جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے اسے چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضورؐ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضۂ اطہر پہ حاضری آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں بایں تصور جانا کہ حضورؐ میرے لیے اللہ رب العزت سے مغفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے۔ حضورؐ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا:-

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (پ النساء ع ۹ آیت ۶۴)

ترجمہ: اور جب یہ اپنی جانوں پہ ظلم کریں تو آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنیوالا بہت مہربان پائیں گے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہے۔ یہ اسی صورت میں متصور ہے کہ وہ حضورؐ کو روضۂ انور میں حیات سمجھے۔[2]

---

[1] نور الایضاح ص ۱۸۸ الطحطاوی ص ۴۰۵ [2] جذب القلوب ص ۱۸۱ فارسی

http://mujahid.xtgem.com

محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :۔

فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ: ثابت ہوا کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضورؐ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بحر العلوم عبد العلی یہ دعا بدیں الفاظ لکھتے ہیں :۔

وارزقنی من زیارۃ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم[2]

ترجمہ۔ اور مجھے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب فرما۔

سو جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفر لھم الرسول استغفار کی گذارش بھی بلا تردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :۔

فقہا نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے لیے کافی ہے[3]

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) نے قبر اطہر پر حاضری کے لیے آداب بتائے ہیں۔ کہ یہ قبر پہ حاضری نہ رہے اس میں حضورؐ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی زیارت کے الفاظ موجب کراہت نہ رہیں گے۔ کیونکہ حکم کی علت جاتی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ قبر کی طرف رہے اور تو کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــ اور یہ اس تصور کے ساتھ کہ حضورؐ قبر شریف میں اپنی دائیں کروٹ پہ لیٹے ہوئے ہیں ـــ اور آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں :۔

ویجتہد فی خروج الدمع فانہ من امارات القبول وینبغی ان یتصدق بشیٔ

---

[1] اعلاء السنن جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۰ قدیم [2] رسائل الارکان صفحہ ۲۸۰ [3] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۷

http://mujahid.xtgem.com

علی جیران النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم ینصرف متباکیا متحسرا علی الفراق الحضرۃ النبویۃ والقرب منہا ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ یقول یارسول اللہ اسألک الشفاعۃ یارسول اللہ اسألک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک ویذکر کل ماکان من قبیل استعطاف۔[1]

ترجمہ۔ اور وہ آنسو لانے میں جہد کرے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر کچھ صدقہ کرے ——— پھر وہ روتا ہوا وہاں سے رخصت ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پہ گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں شفاعت کی درخواست کرے۔ اے اللہ کے رسول: میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور لاتا ہوں کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر مسلمان رہتے مروں اور ہر وہ بات یاد کرے جس سے نرمی اور نیازمندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمامؒ نے اس سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (۲، م) کی یہ حدیث نقل کی ہے۔

روی ابوحنیفہؒ فی مسندہ عن ابن عمرؓ قال من السنۃ ان تأتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ وتجعل ظہرک الی القبلۃ وتستقبل القبر بوجہک ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔[2]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آ رہی ہے کہ تم حضورؐ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

سو امام ابن ہمامؒ کا مذکور فتوے بلا اصل نہیں ہے۔ اسے ایک جلیل القدر صحابیؓ کی سند حاصل ہے۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۳۷ [2] ایضاً ص ۳۳۶

http://mujahid.xtgem.com

قبر مبارک پر حاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھئے کہ یہ غائبانہ پکار ہے اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ روضۂ انور پہ عرض کی گئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے :۔

عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلا شبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔

اللّٰھم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

(مولانا) عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی — الجواب الصحیح

۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ — لاشیٔ (مولانا) غلام اللہ خاں

مہر دارالافتاء

http://mujahid.xtgem.com

حضورؐ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

امتی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات پیرایۂ شریعت کے خلاف نہ ہو لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے اُن سے سلام کہے تو بہتر ہے۔ حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں :۔

① السلام علیکَ یا رسول اللہ ② السلام علیکَ یا خیر خلق اللہ۔

③ السلام علیکَ یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہٖ ④ السلام علیکَ یا حبیب اللہ۔

⑤ السلام علیکَ یا سید ولد آدم ⑥ السلام علیکَ ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

http://mujahid.xtgem.com

پھر امتی اپنے عقیدہ توحید و رسالت کا اقرار اور حضورؐ کے احسانات کا بایں طور اعتراف کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے:۔

یارسول اللہ انی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ — وانک عبدہ رسولہ — واشھد انک یارسول اللہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وکشفت الغمۃ فجزاک اللہ عنا خیرا جازاک اللہ عنا افضل ما جازیٰ نبیاً عن امتہ۔

اللھم اعط سیدنا عبدک ورسولک محمداً الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المنزل المقرب عندک انک سبحانک ذوالفضل العظیم۔

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور چھلکتے آنسوؤں سے شفاعت کی درخواست کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضورؐ یہ امتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور حاضر ہو، آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبریٰ کے مقام پہ آپ کے سوا کوئی نہ آسکے گا۔

امتی پھر ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی جگہ میں اس کا نام مع ولدیت کے ذکر کرے۔

السلام علیک یارسول اللہ من ——— بن ———

گنبدِ خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام ہو؟

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ پر بھی سلام عرض کرے۔ یہ حضرات گو انبیاء میں سے نہیں کہ ان کا قبر پہ سننا قطعی ہو، لیکن بایں سبب

http://mujahid.xtgem.com

کہ حضورؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خمیر ایک مٹی سے ہوا۔ کما رواہ الخطیب۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبدِ خضرےٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں۔ ابن ہمام لکھتے ہیں:۔

یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے[1] اور ان کا سلام بھی عرض کرسکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

ویبلغه سلام من اوصاه فیقول السلام علیك یارسول الله من فلان ابن فلان یستشفع بك الی ربك فاشفع له ولجمیع المسلمین[2]

ترجمہ۔ اور زائر حضورؐ کو اس کا سلام پہنچائے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے حضورؐ فلاں بیٹا فلاں کا سلام عرض کرتا ہے اور آپ سے شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔

انبیاء تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اوروں کے بعد الوفات اپنی قبروں پہ سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کاملین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں اور جو دوست اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قول اسلام میں قطعی یا یقینی درجہ رکھتا ہے۔ اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

قبر کے پاس جاکر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتیٰ اس کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارتِ قبر کے شفاعت مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے[3]

---

[1] اقسام حج جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ [2] فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ [3] فتاوے رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۰

http://mujahid.xtgem.com

ہمارے دور کے کرامی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مرحومین نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اُٹھاتے جائیں۔

ان تدعوھم لا یسمعوا دعآءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم و یوم القیٰمۃ یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر ٥ (پ ۲۲، فاطر ع ۲ آیت ۱۴)

ترجمہ۔ اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خبیر تجھے بتلا رہی ہے۔

ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیٰمۃ وھم عن دعآئھم غافلون ٥ (پ ۲۶، الاحقاف آیت ۴)

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

(۱) ——— ان دونوں آیتوں میں کہیں پاس سے سننے کی نفی نہیں ——— دونوں جگہ پکار سننے کی نفی ہے، پکار کسے کہتے ہیں دور سے بلانے کو ——— دور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سنتے ——— سو ان آیتوں سے حضور کی قبر مبارک پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو نہ سنے جانے کے معرض میں لانا اور ان کے اسے سننے کی نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے۔ یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں اس کا کچھ وزن نہیں، جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو جھوم جھوم کر پڑھنا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا امر دیگر ہے۔ ولیت باول قارورۃ کسرت فی الاسلام فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

http://mujahid.xtgem.com

(۲) ——— پھر ان تدعوهم سے براہِ راست انبیاء و شہداء مراد لینا اور یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے نہیں، کیا یہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آئی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء اور شہداء کو ٹھہرانا سلف صالحین کا کیا یہی طریق تھا۔ اس پر بھی کچھ غور فرمالیں۔

کیا تفسیر مدارک جلد ۴ ص۱۴۰ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۵۵۱ میں یہ نہیں لکھا۔ لانها جمادات لا ارواح لها۔ کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟ قاضی شوکانی کو لیجئے لکونها جمادات۔ تفسیر فتح القدیر جلد ۴ ص۳۴۲ کیا آپ کے سامنے نہیں۔

مفسر حقانی نے لکھا ہے:۔

اگر تم اُن کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سُنتے۔ کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔

گرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لا یسمعوا دعاءکم کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضورؐ اپنے روضہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہیں سُنتے۔

(۳) ——— پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ "انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا"، کیا صحیح ترجمہ ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

لقد کنت فی غفلة من هذا فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید ه

(پ ۲۶ ق ع ۲)

ترجمہ۔ تو بے خبر رہا اس دن سے سو ہم نے اُٹھا دیا تیرا پردہ۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

له تفسیر حقانی جلد ۶ ص۱۲۸

http://mujahid.xtgem.com

تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، بغیر جو بچھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے[1]

سو یہاں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو۔ یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔

اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ مورد موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں، جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے وما یشعرون ایان یبعثون۔

وہم عن دعائہم غافلون سے کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ انہیں کوئی اس طرح دھیان نہیں اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالۃ ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شانِ علم ہے۔ کفار سنتے تو تھے دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا۔ لقد کنت فی غفلۃ من ھذا۔

افسوس کرامی حضرات وہم عن دعائہم غافلون کا ترجمہ کرتے۔ اس آیت لقد کنت فی غفلۃ من ھذا کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

یاد رکھیے آیات کے عمومات سے دعویٰ ابطال احادیث یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا نہیں رہا۔ سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج ان کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصمیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضورؐ روضہ پر عرض کیئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کرامی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کر سکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر عرض صلوٰۃ وسلام کرنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی سماعت

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۶۷۳

http://mujahid.xtgem.com

سے مشرف ہو۔ اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟

مولانا حسین علی مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عندالقبر کے ہرگز منکر نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے لکھتے ہیں ":

میں اور مولانا غلام اللہ خاں عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد برزخی حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبیؐ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر جگہ سے ..... الخ

مولانا عبدالرحمٰن جامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پہ حاضری دیتے تو درود وسلام کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقتِ واپسی عرض کرتے:

خواجہ بسفرے روم چہ فرمائی

"آقا میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے"۔ جواب ملتا۔

بسلامت روے وباز آئی

"سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں"

ایک سال صرف یہ جواب ملا "بسلامت روی" پھر آنے کی بات نہ آئی اور واقعات نے بتایا کہ یہ آخری حاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود وسلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عرضداشت بھی۔ اور یہ سب سننا اور سنوانا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابیِ رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۶۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضۂ اطہر پہ حضور اکرم کو یارسول اللہ کہہ کر خطاب کیا۔

یارسول اللہ استسق لامتك فانهم هلكوا[1]

ترجمہ۔ یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں ۱۸ھ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا۔

ائت عمر فاقرأه السلام واخبره انهم مسقون[2]

ترجمہ۔ آپ عمر کے پاس جائیں اور ان سے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضۂ انور پر صرف صلوٰۃ و سلام ہی نہیں کہتے تھے۔ کوئی اور عرض داشت (بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی) پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے۔ حضرت امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاویہ محمد بن خازم سے لی ہے اور یہ مرچی سند ہے جو

---

[1] تحریرات حدیث حضرت مولانا حسین علی مرحوم ص۲۵۵ [2] وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص۱۳۷۴

http://mujahid.xtgem.com

حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ کی بطریق ابی الشیخ ہم پیش کر آئے ہیں۔

ابو معاویہ محمد بن الخازم (۱۹۸ھ) اعمش (۱۴۸ھ) ابو صالح ذکوان السمان

اس حدیث کو ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس حدیث کو حضرت مالک الدار سے نقل کرتا ہے۔ حضرت مالک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا دور پایا ہے۔ سو یہ سند متصل ہے اور اس کی جملہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے تاریخ الملوک والامم جلد ۴ صفحہ ۹۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزری (۶۳۰ھ) نے اپنی تاریخ میں الکامل جلد ۲ صفحہ ۵۵۶ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آئیے اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں علامہ سبکی نے شفاء السقام صفحہ ۱۳۰ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے امام بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ھذا اسناد صحیح[1]

ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) پوری تصدیق کرتے ہیں۔

رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان[2]

پھر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) نے وفاء الوفاء میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۰

روضہ انور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری دیتے تو یوں سلام عرض کرتے۔

السلام علیک یا رسول اللہ[3]

اور شیخین کریمینؓ پر بھی یوں سلام پڑھتے:۔

السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابتاہ

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۹۲ [2] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۹۵ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۷۶ المصنف لابن ابی شیبہ صفحہ ۱۳۸ جلد ۴

http://mujahid.xtgem.com

الباب الثانی فیہ خمستہ فصول

الفصل الاول

مسلک خلفائے راشدینؓ

شانِ ورودِ خطبۂ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضور پیغمبر خاتمؐ کی احادیث شریفہ روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں، اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفات النبیؐ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیات النبیؐ کا فیصلہ بھی اسی خطبۂ صدیقی میں ملاحظہ کیجیے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرتِ نبوت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شانِ ورود دیکھیے:۔

نزولِ وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلبِ منور پوری طرح عالم بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمامِ وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیت ملکی سے کیفیتِ بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلبِ مبارک پر نزول فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرتؐ پر جب اذاقتِ موت کا وعدۂ الٰہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہؓ نے اس ورودِ وفات کو

http://mujahid.xtgem.com

مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ[1] اہم امور باقی ہیں، آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنابریں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پہ وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:۔

(۱)—— کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

(۲)—— ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پہ ورودِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

(۳)—— انہیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت ورودِ موت اور آثارِ موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

(۴)—— اس انکارِ موت کا منشا و مبنیٰ کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع، سلیم الحس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صف میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکارِ موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اگر غلبہ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہہ جاتیں۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نکتہ شناس سے بالکل مغلوب الحال ہو جانے کی توقع بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا استدلالی پہلو کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں اختلال ہرگز نہ تھا۔ ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے۔ خود

---

[1] مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یموت حتی یقتل المنافقین (ابن ابی شیبۃ کما فی القسطلانی) فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۷)

http://mujahid.xtgem.com

فرماتے ہیں :-

واللہ ان کنت اظن انہ صلی اللہ علیہ وسلم سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ

باٰخر اعمالھا وانہ ھو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت ۔

رواہ البیہقی وراجع لہ تفسیر "وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطا"

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیجیے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضورؐ پر ورودِ موت کبھی ہونا ہی نہ تھا، یعنی وہ حیات بلا وفات کے قائل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکارِ وفات کی جو وجہ حضرت فاروق اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے

ثانیاً حضرت فاروق اعظمؓ خود حافظِ قرآن تھے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ وغیرھا من الآیات ان سے مخفی نہ تھیں۔ پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ تھا۔ ان کا علم وفہم بھی کچھ مشتبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذتِ موت کا وعدہ الٰہیہ پورا ہوگا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں :-

باید دانست کہ قصہ دلالت می کند برآں کہ فاروقؓ می دانست کہ موت برآں حضرت شدنی است۔ پس مخالفِ آیت انک میت وانھم میتون اعتقاد نہ کردہ بود، لیکن گمان می کرد کہ آنچہ واقع شدہ است موت نیست، بلکہ تعطیلِ حواس ظاہر است۔ [1]

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ وُرودِ موت آنحضرتؐ پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت انک میت الخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ عورت پیش افتادہ موت نہیں، بلکہ صرف آثارِ حیات روک لیے گئے ہیں، یعنی جو کچھ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر تیسرا احتمال سامنے رکھیئے کہ انہیں وُرودِ موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرینِ قیاس

---

[1] قرۃ العینین صنہ۲۷ مطبوعہ دہلی

http://mujahid.xtgem.com

نہیں ــــــ ماحولِ عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں انسانوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا، موت کی کیفیات بھی کچھ اُن سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔

پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشار کیا ہے ــــــ؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دُنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیۃً منتفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالم برزخ میں انتقال ہو سکے اور پردۂ قبر میں تشریف لے جا سکیں) حضرت فاروق اعظمؓ کی نگاہیں اس حیاتِ قلب تک پہنچ رہی تھیں، جو زیرِ پردہ مستور تھی (آخر محدَّثیت کا مقام کچھ کم منبع عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجودِ حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیش افتادہ اور حالتِ واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپؐ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ ابھی باقی ہے۔ پیشتر ازیں وہ آیتِ شریفہ انک میت وانہم میتون کے پیشِ نظر آپؐ پر قرائنِ موت کا تتبع نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیش اُفتادہ اور کیفیت واقعہ ہی کو وفات النبیؐ کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپؐ پر ورودِ وفات کی پیشگوئیوں یا امکان کا بیان تھا۔ ان کا منشار اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرحِ صدر ہو گیا کہ ان آیات شریفہ کا منشار، وفات النبیؐ کے متعلق کیا ہے فرماتے ہیں کہ

http://mujahid.xtgem.com

"ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا :۔

"گویا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں"

مقام غور ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر انہی معنوں میں ہوتا، جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرت فاروق اعظمؓ حافظ قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ بہر گزارشاد نہ فرماتے :۔

کانی لم اقرأھا الا یومئذٍ۔

ترجمہ۔ گویا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاحب ہے کہ آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا وُرود کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جسدِ میت سے قرائنِ موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرائنِ موت سے تطبیق محال تھی، وہ ان قرائن کو غشی سمجھتے رہے۔ کیونکہ ان کے حاشیۂ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے، جو عام طور پر معروف ہیں اور جس ہستیِ مقدس کو رازدارِ نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، وُرودِ وفات سے متصادم نہ جانا تھا۔ اس وجودِ حیات اور وقوعِ وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا۔ اعلان فرمایا :۔

فان محمدًا قدمات[1]۔

ترجمہ۔ حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیش افتادہ ہی کو وفاتِ پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرائنِ موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر ورودِ وفات کے قائل ہو

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۶۴۰

http://mujahid.xtgem.com

گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

معنیٰ قول او کانی لم اسمعہا این ست کہ استماع این آیت مائل گردانید او را بہ تتبع قرائن و پیش ازیں میلان باآں نداشت[1]

ترجمہ۔ آپ کے اس ارشاد " گویا کہ یہ آیت میں نے پہلے سنی ہی نہ تھی" کا مطلب یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرائن کی طرف متوجہ کر دیا (کہ یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے) اور پیش تر ازیں آپ کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکارِ وفات کو عام جذبات محبت پر محمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے صورت پیش افتادہ میں ان حضرات کریمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا غشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرائن سے اسے آیت انک میت وانہم میتون سے متعلق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ مختلف تھی۔ ورنہ اول وہلہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح آنے گی جس طرح عام دوسرے انسان پہ آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ وفات پر بھی آپ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کے عین حیات تھی آپ کی ایک جداقسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پہ آپ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار کرنا ہوگا ـــــ جو حضرت عمرؓ نے بالآخر کر لیا اور اسی پہ سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح ورود وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام لیے دوسرے موقعوں پہ کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

---

[1] قرۃ العینین صنہ۲۷

http://mujahid.xtgem.com

تنوّعِ موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرام نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصات لوفات سیّدالکائنات

① ——— آپ کو آخری غسل پہنے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا۔ کُرتہ تک جسدِ اطہر سے نہ اُتارا گیا۔

② ——— نمازِ جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا گیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نمازِ جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

③ ——— اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم شریعت میں ہے، اس کے خلاف قریباً پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں گیا اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

④ ——— پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیز مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنا دیا گیا اور آپ اسی میں دفن کیے گئے۔

⑤ ——— اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

(۶) ——— اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہراتؓ کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہؐ کے املاک سے اپنا نفقہ تا حیات حاصل کرتی رہیں، جیسا کہ حضورؐ کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحبِ علم کو اختلاف ہوگا۔"

تنوعِ موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعتِ مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟

جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پہ وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:۔

النوم اخو الموت[1]

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

---

[1] جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد ۱ ص۱۸۳ مصر) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اهل الجنة من الجامع الصغیر (تحیة الاسلام للشیخ الانور ص۲۳) وکذلك فی کتاب الروح ص۵۳ والتعلیقات علی النبراس ص۳۲۲

http://mujahid.xtgem.com

اگر انبیاء اور غیر انبیاء میں "تنوعِ نیند" ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں "تنوعِ موت" کیسے ثابت نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔[1]

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

انا معاشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا۔[2]

ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں، ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔

وکذلک الانبیاء تنام اعینهم ولا تنام قلوبهم۔[3]

ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں، دل نہیں سوتے۔

خاتم المحدثین مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

عدم نقض الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء۔[4]

ترجمہ: سونے سے وضوء نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

انبیاء کرام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی اُن کے ادراکات جاری رہتے ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے۔ نیند کی طرح ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاء کرام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں — رؤیا الانبیاء وحیٌ (ترمذی) اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں:۔

کنا لا نوقظ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من منامه اذا نام حتیٰ یستیقظ۔[5]

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔

---

[1] رواہ الشیخان [2] اخرجہ ابن سعد کما فی الخصائص [3] بخاری [4] العرف الشذی ص۸۵ [5] صحیح مسلم جلد۱ ص۲۴۰

http://mujahid.xtgem.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نونؑ ان کے ساتھ تھے۔ جب عین منزلِ مقصود پہ پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی۔ حضرت یوشعؑ نے فرمایا:۔

لا اوقظہ[1] میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اُٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں اُن پہ کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں کیوں انکے لیے سبب حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی لکھتے ہیں:۔

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ النوم اخوالموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی طرح ان پہ طاری ضرور ہوتی ہے۔ مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی اُن پر زندہ کا اطلاق آیا ہے[2]

سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا
کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

ان حقائق کی روشنی میں غور فرمایئے کہ تنوعِ موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک چھوڑ کر احداث فی اللغۃ کے الزام سے رد کرنا کون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوعِ موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوعِ حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوعِ حیات سے تنوعِ موت کیسے لازم نہ آئے گا۔ علامہ راغبؒ فرماتے ہیں:۔

الحیاۃ تستعمل علیٰ اوجہ[3]۔ لفظ حیات، کلامِ عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ [2] ترجمان السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۸ [3] المفردات صفحہ ۱۳۸

http://mujahid.xtgem.com

اعتقاد الصدیق لحیات الرفیق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفات شریفہ وارد ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ مقام سنخ میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا :-

ما مات رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ آنحضرتؐ پر جو حالت وارد ہے، وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے :-

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذالک۔

ترجمہ۔ خدا کی قسم! میرے ضمیر کا بھی یہی فیصلہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو آپ نے حضور انورؐ کے چہرۂ مبارک سے چادر اٹھائی، آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور بے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا :-

بابی انت وامی طبت حیًّا ومیتًا والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا۔[1]

ترجمہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔

اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متہا۔[2]

ترجمہ۔ جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن لی تھی کہ آنحضرتؐ پر جو صورتِ حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

---

[1] بخاری جلد ۱ صـ۵۱۷ [2] بخاری کتاب الجنائز جلد ۱ صـ۱۶۶

http://mujahid.xtgem.com

فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله و بکیٰ ثم قال بابی انت و امی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیہا فقدمتہا[1]

ترجمہ: پس آپ نے حضورؐ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا، اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا۔ جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ آپ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر رہیں:۔

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس خصوصیت سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا اموات محضہ کے لیے آتا ہے یا اس دعا و تصدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے؟

ثالثاً: یہاں جمع موتتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم یہاں صرف تیسرے مبحث کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہوم موتتین کی تعیین

لا یجمع اللہ علیک موتتین (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے) اس کی شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ پس فکر و نظر سے ان کا جائزہ لینا چاہیئے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیقی حضرت عمرؓ کی تردید کے لیے تھا۔ کیونکہ اگر اس صورت پیش کو موت نہ کہا جائے۔ تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی آئے گی اور اس طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوئیں۔ اس کی نفی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۶۴۰

http://mujahid.xtgem.com

پر ورودِ وفات ثابت فرمایا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد لا یجمع اللہ علیک موتتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں، حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش اُفتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرتؐ پر پھر کبھی ورودِ وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضورؐ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورودِ موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورودِ موت ہو چکا ہے، تو اس پر یہ لزوم کیسے لایا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں آپ پہ موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتتین. تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے، جو پہلے ورودِ موت کا قائل ہو اور صورتِ پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے۔ پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں، تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کارفرما ہو سکتا ہے۔ اس جملۂ بلیغہ

ل بخاری کے حاشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے۔ قاله ابوبکر رداً لما قاله عمر (جلد ۱ ص ۱۶۶) لیکن جلد ۲ ص ۶۴۰ کے حاشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں، بغور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ جملہ تمہید میں آگیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیه تمهید لرد مقالة عمر۔ (حاشیہ بخاری ص ۵۱۷) محدث سہارنپوریؒ کا اصل فیصلہ اسی جگہ پر ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما موتتان المعروفتان المشھورتان فلذلک ذکرھما بالتعریف وھما موتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء علیھم السلام فانھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیٰمة ومذھب اھل السنة والجماعة ان فی القبر حیٰوة وموتا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء۔[1]

ترجمہ۔ دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے، اور یہ دونوں موتیں تعلیماتِ اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔ انبیاء کو اپنی قبور میں پھر دوسری موت نہیں آتی۔ بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں دُرودِ موت ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں ہیں پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

واحسن من ھذا الجواب ان یقال ان حیاتہ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم ولعل ھذا ھو الحکمة فی تعریف الموتتین حیث قال لا یذیقک اللّٰہ الموتتین ای المعروفتین المشھورتین الواقعتین

---

[1] عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۸ مصر

http://mujahid.xtgem.com

لکل احد غیر الانبیاء۔ [1]

ترجمہ۔ احسن ترین جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیاتِ دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی ورودِ موت نہ ہوگا اور انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشادِ نبوت میں موتتین کو الف لام سے لایا گیا ہے۔ پس یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں، دوسری قبر میں) انبیاء کے سوا باقی ہر انسان پر وارد ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ نور الحق محدث دہلویؒ شارح بخاری لکھتے ہیں ۔

لا یذیقک اللہ الموتتین ابداً یعنی بعد از موت بحیاتِ ابدی زندہ خواہی بود از آں کہ وے رضی اللہ عنہ دانستہ بود کہ انبیاء در عالمِ برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلماناں کہ در وقتِ سوال منکر و نکیر زندہ می کنند۔ آں ہا را باز می میرانند، چنانکہ در تفسیر احییتنا اثنتین وامتنا اثنتین گفتہ اند۔ [2]

پھر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں :-

قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء بعد اذاقتِ موت زندہ اند بحیاتِ دنیوی۔ [3]

ترجمہ۔ ارشادِ نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفاتِ شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیائے کرام عالمِ برزخ میں زندہ ہوتے ہیں باقی عام مسلمان منکر و نکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کیے جاتے ہیں اور پھر ان پر قبر میں دوبارہ ورودِ موت ہوتا ہے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال منکر و نکیر خواہد بود و ایں

---

[1] فتح الباری جلد ۷، ص ۲۲ مصری ۱۴ ص ۳۶۴ دہلی [2] تیسیر القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ [3] ایضاً ص ۲۶۲

http://mujahid.xtgem.com

جواب موافقِ جمہورِ علماء است کہ قائل اند بحیاتِ سائر انبیاء در عالمِ برزخ و بایں معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متتبعاں پوشیدہ نیست و ایں قول نزد ما احسن اقوال است[1]

ترجمہ۔ دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکر و نکیر کے سوالات کے بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فیصلے کے مطابق ہے، وہ عالمِ برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہلِ حق پر یہ مخفی نہیں اور ارشادِ صدیقی کا یہ معنی ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح ہے۔

مراد آنست کہ نمی میرد بموتِ دیگر در قبر ہمچو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شود برائے سوال باز میرانیدہ می شود و ظاہر آنست کہ موت دیگر نیست بر وئے و بعد از جریانِ سنّتِ الٰہی بر اذاقت موت و زندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی و مستمر خواہد بود و ممات بر آں طاری نخواہد شد۔ پس ایں سخن اشارہ است بحیاتِ آں حضرتؐ[2]

ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپؐ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عام لوگوں کو قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ وُرودِ موت ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذتِ وفات چکھنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپؐ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپؐ پر پھر کبھی طریانِ موت نہ ہوگا۔ اس ارشادِ عالی میں حضرت ابوبکرؓ کا اشارہ مسئلہ حیاتِ النبی کی طرف ہی تھا۔

---

[1] تیسیر القاری پ ۱۸ جلد ۴، کتاب المغازی ص ۲۱۷ [2] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۸۹

http://mujahid.xtgem.com

خلاصۂ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ الاسلام ذرالحقؒ اور دوسرے اکابر محدثینؒ نے موتِ ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالات عقلاً اور نقلاً صورتِ حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لا یجمع اللہ علیک موتتین کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ موتِ ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، انبیاء پر ہرگز طاری نہ ہو گی۔ وہ موت کی لذت شناسی کے بعد ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربان! وفات النبیؐ کا اعلان بعد میں فرمایا پہلے حیات بعد الوفات پر اشارہ فرما دیا، تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیاتِ ثانیہ کی نفی لازم نہ کر لی جائے۔ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہلسنت کی طرف سے منکرینِ حیاتِ قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں:۔

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم۔

ترجمہ: بہترین جواب یہی ہے کہ ایک دفعہ موت چکھنے کے بعد حضور انورؐ کی حیات ایسی ہے کہ پھر ان پر کبھی موت نہ آئے گی اور ہمیشہ دائمی طور پر انبیاء کی طرح اپنے روضہ میں فائز الحیات رہیں گے۔

غور فرمایئے! حضرت ابوبکرؓ کی بصیرت اور فطرت نبوت کی مزاج شناسی کہاں تک پرواز کر رہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپ نے ایک جملے میں بیان فرما دی اور کس شان سے آپ کے بے حیات بعد الوفات کا اثبات فرمایا۔ جامعیت شان اور بلاغتِ بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلام عرب میں شاید ہی کہیں ملے۔

وردِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر قربان جایئے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا، جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات کی حیات کا اثبات نہیں فرما دیا۔

http://mujahid.xtgem.com

تنبیہ

پیش نظر ہے کہ "لا یذیقک اللہ الموتتین ابدًا" کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دوسرے اجلّہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی ترجیح قرار نہیں دیا، بلکہ اُسے پورے اہلسنّت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنّۃ ہے:-

ومذهب اهل السنة والجماعة ان فى القبر حيوة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء[1]

ترجمہ: پورے اہل سنّت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیائے کرام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ "حیوٰۃ فی القبر" کے منکرین اہل سنّت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنّت کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔

قد تمسك به من انكر الحيوة فى القبر واجيب عن اهل السنة....
ان حيوته صلى الله عليه وسلم فى القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيًا[2]

ترجمہ: حیوٰۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطبہ صدیقیؓ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں، اُن کے لیے اہل سنّت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضورؐ اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں، انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

---

[1] عینی جلد ۷ صنٹ مصر [2] فتح الباری جلد ۷ صد ۲۲

http://mujahid.xtgem.com

اعتقادِ الفاروق الاعظمؓ لحیاتِ النبی الخاتمؐ

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا. اب حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے. پہلے اس اصولی مسئلے کو پیشِ نظر رکھیئے :۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون ۰

(پ ۲۶ : حجرات)

ترجمہ. اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے اور آپ کے سامنے بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو. جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو. ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو.

یعنی حضورؐ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو. جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو. آپؐ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیئے. مبادا بے ادبی ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں.

انّ الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی. (پ ۲۶ : حجرات)

ترجمہ. جو لوگ آنحضرتؐ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے.

اکابر اہلسنت اور جمہور مفسرین کا اجماع ہے کہ ورودِ وفات کے بعد بھی حکم قرآنی روضۂ اطہر کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے. مسجد نبویؐ کی حدود میں شرعی ضروریات کے علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے.

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :۔

http://mujahid.xtgem.com

قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔[1]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری فرماتے ہیں :-

آنحضرت حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے۔ مسجد نبوی کی حدود میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔[2]

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں :-

بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو، عرض کرے۔ یارسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك۔[3]

حضرت فاروق اعظم کا اعتقاد

عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیه فاذا عمر بن الخطاب فقال اذهب فأتنی بهذین فجئته بهما فقال من انتما او من این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لأوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[4]

ترجمہ۔ سائب بن یزید کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے کنکری ماری کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمر ہیں۔ آپ نے فرمایا "جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ"۔ میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے ان سے پوچھا "تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟" انہوں نے کہا "ہم اہل طائف میں سے ہیں"۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا "اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (جس کے سامنے آپ کا روضہ منورہ ہے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو"۔

---

[1] فوائد القرآن ص ۶۶۹ [2] تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۲ [3] زبدۃ المناسک ص ۹ ادارہ اشرفیہ لاہور [4] صحیح بخاری ص ۶۷ ج ۱

http://mujahid.xtgem.com

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ اطہر ہے۔ جس طرح آپ کی اس دنیوی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا، اسی طرح آپ کے روضۂ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جسدِ عنصری سے زندہ ہیں۔ حدودِ مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ "اصل" ہے کہ مسجد میں آواز میں بلند کرنا جائز نہیں پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہو گی، اسی درجے کا یہ حکم ہو گا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشائے نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً: علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان ابواب میں ذکر کرتے آئے ہیں جو حضورؐ کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن مالک الامام وغیرہ من الائمۃ الاعلام۔

ثالثاً: اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت محض تشریف مسجد کے لیے ہو گی، حکم نکیر براہِ راست اس اضافت سے متعلق نہ ہو گا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظمؓ نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ پس اس میں تاویل مذکور یقیناً "صرف عن الظاہر" ہو گی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں "صرف عن الظاہر" درست نہیں ہوتا۔

رابعاً: حضرت فاروق اعظمؓ نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی، بلکہ اس اضافت ہی کو دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرمادی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربار رسالتؐ نصِ قرآن اور واضح تعامل کے پیش نظر ضرور یہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرضِ دلیل میں لائے بغیر ہی منشائے نکیر کے طور پر بیان کیا جا سکے۔

خامساً: محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابلِ اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے (فعلہ عبداللہ بن مسعودؓ کما رواہ الدارمی فی سننہ) لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے

http://mujahid.xtgem.com

کسی نے نہیں کیا، ہاں آداب رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابل سزا رہا ہے اور یہاں ایجاع کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ کے اعتقاد میں حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود نہ سُن رہے ہوتے تو حضرت فاروق اعظمؓ حضور اکرمؐ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ حدودِ مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابلِ سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرتؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں قائم الحیات، زندہ اور مدرک الاصوات سمجھتے تھے۔ پیشِ نظر رہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے۔

مزید تائید

قد روی عن ابی بکر الصدیقؓ قال لا ینبغی رفع الصوت علی نبی حیا و لا میتاً و روی عن عائشۃؓ انھا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترسل الیھم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا وما وعمل علی بن ابی طالبؓ مصراعی دارہ الا بالمناصع[1] توقیا لذٰلک ھکذا رواہ الحسینی فی اخبار المدینۃ وھذا مما یدل علی انھم کانوا یرون انہ حی[2]

ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جب کبھی اُن گھروں میں جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے، کسی میخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علیؓ

---

[1] المناصع التی یتخلی فیھا للبول او قضاء الحاجۃ والواحد مصنع۔ نظر[2] شفاء السقام ص۱۴۳ مصر

http://mujahid.xtgem.com

نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بنوائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو اذیت نہ دے) ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلے جو کام آپ کرتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی آپ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

اوّل کارے کہ عمرؓ ابتداء کردے سلام پیغمبر بود، صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

حضرت عثمانؓ کا اعتقاد

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمانؓ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پہ حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:-

روا ندارم کہ از دار الہجرت خود مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم۔[2]

ترجمہ. میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دار الہجرت کو چھوڑ جاؤں اور (یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ) حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضور اکرمؐ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں جسدِ اطہر محض بے حس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جُدا ہوتی، تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پہ جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورتِ رسولؐ میں وہ لذت اُٹھائی کہ اس پہ جان قربان کر دی۔

---

[1] جذب القلوب صـ۲۰۰ [2] ایضاً صـ۱۸۸

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) ۴۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

ان معاویۃ لما ودعہ عثمان حین عزم علی الخروج الی الشام عرض علیہ ان یرحل معہ الی الشام فانھم قوم کثیرۃ طاعتھم للامراء فقال لا اختار بجوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواہ۔[1]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حضورؐ کے جوار (ہمسائیگی) پہ اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس تجزیہ دوری کو قبر رسول سے دوری نہیں کہا، خود ذات رسالت سے دوری قرار دیا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے حضورؐ نے فتح مکہ کے باوجود اپنے دار الہجرت کو نہیں چھوڑا حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے۔ آپ اپنے آقا کے نقش قدم پہ چلے اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دار الہجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ نے یہ بتائی کہ میں حضورؐ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسول میں نہ رہتے اس سے پتہ چلا کہ جوار رسول یہیں ہے ہرگز نہیں اور عاشقان رسولؐ وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں جہاں جمال جہاں آراء ہر وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہو وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت عثمانؓ نے جوار رسول سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی اب اگلے جہاں میں (عالم برزخ میں) آپ بدستور جوار رسول میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبد خضراء سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ حکماً آپ بھی اپنے پیشروؤں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسول میں ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۹ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۰

http://mujahid.xtgem.com

حضرت علی المرتضیٰؓ کا اعتقاد

حضرت علیؓ فرماتے ہیں :۔

من زار قبر رسول اللہ کان فی جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[ا]

ترجمہ: جو حضورؐ کے روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو، وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضور انورؐ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے مفارق اور بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خصوصیت کے ساتھ قرب روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسولؐ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا :۔

مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضور انورؐ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں۔[۲]

علماء کرام نے حضرت علیؓ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے :۔

اذ ھو حی فی قبرہ یصلی فیہ[۳]

حضرت علیؓ کے اس عمل کی بنا یہی تھی کہ حضور اکرمؐ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

وما عمل علی ابن ابی طالبؓ مصراعی دارہ الا بالمناصع توقیا لذلک۔[۴]

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنوائے تاکہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضورؐ کو اذیت نہ ہو۔

عہ محل بالمدینۃ کان متبرز النساء لیلاً قبل تخذ الکنف وھی ناحیۃ بئر ابی ایوب۔ زرقانی جلد ۵ ص ۳۴۲ مصر

[ا] جذب القلوب ص ۱۸۱ [۲] وعظ السبیع ۲ جمادی الاولی ۲۰ ھ [۳] زرقانی جلد ۵ ص ۳۴۲ [۴] شفاء السقام ص ۱۶۳ مصر

http://mujahid.xtgem.com

علاوہ ازیں حافظ عبداللہؒ مصباح الظلام میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی حضورِ اقدسؐ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی :۔

یارسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سُنا، ہم نے آپ سے سُن لیا اور جو کچھ آپ نے خدا سے یاد کیا، ہم نے آپ سے یاد کر لیا، آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں یہ آیتِ شریفہ بھی ہے :۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللّٰہ توابًا رحیمًا ۝ (پ ۵ : النساء)

ترجمہ۔ اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دُعائے معافی کرتے، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

روضۂ منورہ سے آواز آئی :۔

اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔[1]

حضرت علیؓ کی یہی روایت علامہ ابوحیان اندلسیؒ البحر المحیط جلد ۱ ص۲۸۳ مصر میں، علامہ سمہودیؒ وفاء الوفاء میں (خلاصۃ الوفاء، ص۵ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ ص۲۶۵ میں نقل فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہہ کرنا، ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ :۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت حضور اکرمؐ کی ہمسائیگی میں ہے۔[2]

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے۔ پس اسناد کا متصل نہ ہونا اور روایت میں کلام ہونا مُضر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف

---

[1] جذب القلوب فارسی ص۱۹۲ [2] ایضاً ص۱۸۰

http://mujahid.xtgem.com

استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ

اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیتِ مذکورہ میں جاءوک (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرتؐ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو وفاتِ شریفہ کے بعد بھی حیاتِ حقیقی اور سماعِ حقیقی حاصل ہے اور اُن کے حضور میں بھی دعائے استغفار کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیتِ شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ جاءوک کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔

دراجع لہ شرح المسلک المتقسط لملا علی القاری ص۲۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامۃ الخفاجی المصری جلد ۳ ص۳۹۸

والزرقانی جلد ۸ ص۲۹۹، ص۳۰۶ مصر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

فقہاءؒ نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے بس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔[1]

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ ص۳۳۷ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلمًا علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق ...... انتہٰی

قلت وکذٰلک فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجع لہ تجدہ کافیاً فی کل باب شافیاً من کل ارتیاب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ [2] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص۱۱

http://mujahid.xtgem.com

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں "جاءوک" (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو۔ آپ کا وجود باجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا، جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں[1]

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

مواہب میں بسند امام ابو المنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل: اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے ...... ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے اھ۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا[2]

فثبت ان حکم الاٰیۃ باق بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]

ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

---

[1] آب حیات ص۴۰ [2] نشر الطیب ص۲۱۹ [3] اعلاء السنن جلد ۱۰ ص۳۲۹، ص۳۳۰

http://mujahid.xtgem.com

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (جلد ۲ ص۳۲ مصر) میں الشیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ ص۲۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

جمیع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، ایں حکایت را آوردہ واستحسان نمودہ وبسیارے از ائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت آں کردہ۔[1]

ترجمہ: چاروں مذہبوں کے علماء نے، جنہوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں، اس حکایت کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہو، اختصار کے باعث محمد بن حرب سے اوپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور "اعتماد علی محمد بن حرب" کے سبب اس کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے لیے بیان کیا ہے۔ مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

---

[1] جذب القلوب ص۱۹۵

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

تتمۃ الفصل

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہ رض

علامہ سبکی رح نقل فرماتے ہیں :-

روی عن عائشۃ رض انھا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ ﷺ فترسل الیھم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

وکذلک فی شرح العلامۃ الزرقانی جلد ۸ ص ۳۰۴ مصر۔

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رض جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی سے متصل تھے کسی میخ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضور ﷺ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو۔

عن عائشۃ رض قال کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی فلما دفن عمر معھم فواللہ ما دخلت الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر رواہ احمد۔[1]

رجال اسناد احمد رجال صحیح۔ (تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص ۳۴۳ مطبع انصاری)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرت عمر رض وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم،

---

[1] شفاء السقام ص ۱۷۳

http://mujahid.xtgem.com

ہیں وہاں پردے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔

دیکھیئے! حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنِ میّت مدفون تھا۔ بلکہ یوں فرما رہی ہیں :۔

"جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذاتِ مدفون محض بے حس و بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر کہنا ہی ہو، تو حکمی طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذاتِ مدفون کو ہرگز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی گنجائش نہیں۔ فقط روحِ اقدس کے لیے تو فقط "رسول اللہ" کے اطلاق کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روحِ اقدس اور جسمِ اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق بلاریب صحیح ہے۔ لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں۔ اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاقِ رسول قطعاً نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المومنینؓ حضورِ انورؐ کو آپ کے روضۂ اقدس میں زندہ یقین کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماعِ موتیٰ سے انکار مشہور ہے، مگر یہاں نہ صرف اس کا استثنا ہے۔ بلکہ رویتِ بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پردے کی چادر کا چونکہ مقصودِ وجودی ستر و حیاء اور پردے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح قبورِ شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں، پردے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصودِ وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصودِ وجود ضائع نہیں فرماتے۔ ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصودِ وجود ذاتِ مدفون کو عامۃ الناس سے پردے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذاتِ مدفون سے پردے میں لانا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو ضمناً ہوتا ہے۔ پس اگر ذاتِ مدفون کو پردۂ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور یا باہر

http://mujahid.xtgem.com

والے اسے عادۃً نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی اوڑھنے والے کو پردے میں لانا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عائشہؓ پر یوں لکھا ہے:۔

اوضح دلیل علیٰ حیات المیت وعلیٰ انہ ینبغی احترام القبور عند زیارۃ مهما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایۃ الحیاء والتأدب بظاهره باطنه۔[1]

ترجمہ۔ یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے۔ خاص طور پر صالحین کی قبور کے سامنے بہت ادب وحیاء ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس کے روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والیٔ مدینہ تھے تو ایک دفعہ آنحضرتؐ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت گھبرائے۔ یہاں تک کہ:۔

جاء سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ وعرف الناس انها قدم جده عمر بن الخطابؓ۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالمؒ آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴ [2] مختصر تذکرہ قرطبی صفحہ ۴۰

http://mujahid.xtgem.com

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضریٰ کے مکین مٹی کی دبیز تہ سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز تہ کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اونچی روحانی اڑان اڑنے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرقِ عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی حائل ہونے سے ادھر کی نگاہ اُدھر نہ جا سکے اور دنیا کی آنکھ احوالِ برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخ والے دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کرے۔ دسویں صدی کے مجدد محدثِ شہیر ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں:۔

ثم من آداب الزیارۃ ما قالوا من انه یأتی الزائر من قبل رجل المتوفی لا من قبل راسه لانه اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانه یکون مقابل بصرہ۔[1]

ترجمہ۔ قبروں کے آدابِ زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے کیونکہ اس طرح کرنا میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے حائل نہ ہوں اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے ___ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرقِ عادت اور خلافِ قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھا دیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھا دیں تو یہ مٹی کی عادت ہے

---

۱ ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ طبع جدید

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

کہ جب یہ حائل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصولِ فقہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرقِ عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر منحصر رہتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائر کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہوگی اور زائر میت کو بالکل ننگا دکھائی دیتا ہوگا۔ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بقیع کے باسیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔

یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض اور گنبدِ خضریٰ کے مکینوں کے مابین مٹی کی دبیز تہ حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جانی چاہیئے جس سے حضرت ام المومنین رض نے روضۂ اطہر پہ حاضری کے وقت پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المومنین رض کا روضۂ انور میں حضرت عمر رض سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضور کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضراتِ شیخین کریمین رض کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح لکھتے ہیں۔

فیه اوضح دلیل علی حیاة المیت وعلی انه ینبغی احترام المیت عند زیارته مهما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایة الحیاء والتادب بظاهره وباطنه۔[1]

ترجمہ۔ اس میں حیاتِ میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارتِ قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا ۔۔۔ ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیاء وہاں آئے۔

بتلائیے یہ احترامِ میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جا رہا ہے یا زندہ ۔۔۔ اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیاتِ میت کی روشن دلیل نہیں کہا؟

---

[1] تنقیح اللمعات جلد ۳ صفحہ ۳۸۴

http://mujahid.xtgem.com

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابو معاویۃ عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمرؓ انہ کان اراد ان یخرج دخل المسجد فصلی ثم اتی قبر النبیؐ فقال السلام علیک یارسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجہہ وکان اذا قدم من سفر یفعل ذلک قبل ان یدخل منزلہ[1]

اخرجہ عبد الرزاق ایضاً بسند صحیح۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ صہ۴۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پہ روانہ ہوتے تو مسجد نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر روضۂ انور پہ حاضر ہوتے اور السلام علیک یارسول اللہؐ، یا ابابکرؓ، اور السلام علیک اے ابا جانؓ! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو تھام لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ وسلام عرض کرتے۔

عبدالرحمٰن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدوم مے آرد۔ اوّل بقبر شریف می رسید و می گفت۔ السلام علیک یا رسول اللہؐ![2]

و راجع لہ المؤطا للامام محمد صہ۳۹۶

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا صیغہ ملتا ہے:

السلام علیک یارسول اللہ ــــــ وغیر ذلک۔

البتہ شرح شرعۃ الاسلام میں جو کہ احناف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی فقہی سرمایہ ہے۔ یوں بھی مرقوم ہے:

یقول الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ صہ۱۳۸ ہند [2] جذب القلوب صہ۲۰۰

http://mujahid.xtgem.com

عن نافع کان ابن عمرؓ یسلم علی القبر رأیته فی الیوم مأة مرة واکثر یجیٔ الی القبر فیقول السلام علیک۔[1]

ترجمہ۔ حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا۔ وہ روضہ اطہر پہ سلام عرض کرتے تھے۔ میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ، بلکہ اس سے بھی زائد بار بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہ پڑھتے دیکھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغے سلام کے لکھے ہیں:۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ۔[2]

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضہ اطہر پہ حاضری دیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولا ردن علیہ رواہ الحاکم وصححہ۔[3]

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی اس کا جواب دوں گا۔

مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ میں یہ حدیث بدیں الفاظ مروی ہے:۔

والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم اماماً مقسطاً وحکماً عدلاً... ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبتہ۔

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی اعلیٰ علیین والی۔ یہ آپ سوچیں یا محمدؐ کے الفاظ روایت بالمعنیٰ ہوں گے کیونکہ حضورؐ اسے روایت کر رہے ہیں۔

---

[1] منتہی المقال صفحہ ۳۴ للمفتی صدر الدین [2] زبدۃ المناسک صفحہ ۹۰ لاہور [3] درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۵

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

روضۂ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضورؐ حدودِ مسجد کے قرب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرزِ ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضورؐ روضہ مطہرہ پر بھی خود نہیں سُنتے۔ تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظ موہمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ وسلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :-

قد اختار جماعة من العلماء كيفيات فى الصلوٰة . ومقتضى كلام ائمتنا المنع من ذٰلكَ الا فيما ورد عنه صلى الله عليه وسلم على من اختاره الفقيه۔[1]

ترجمہ: علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے، کہ ماسوائے ماثورہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موہمہ سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ فقیہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

پس اگر حضورؐ اپنے روضۂ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود نہ سُنتے ہوتے۔ تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب و بعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پہ تو ارثِ تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا توجیہہ ہوگی، اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مومنین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین کو اس صیغہ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوتا ہے معین فردِ واحد کو خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ فافہم و تفکر۔

---

[1] ردالمحتار جلد ۵ صہ ۳۴۹

http://mujahid.xtgem.com

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یوما فوجد رجلاً واضعاً وجهه على القبر فاخذ برقبته وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب الانصاری فقال جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم آت الحجر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تبكوا على الدين اذا وليه اهله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير اهله [1]

اخرجه الحاكم وقال صحيح الاسناد جلد ۴ ص ۵۱۵ واقر عليه الذهبي فقال صحيح [2]

ترجمہ۔ ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روضۂ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا ”جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟“ اس نے کہا، ہاں — وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں، پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین

---

[1] رواه احمد ایضاً بسند حسن قال حدثنا عبد الملك بن عمرو حدثنا كثير بن زيد عن داؤد بن ابي صالح قال ...... الخ قال الهيثمي رواه احمد والطبراني في الكبير والاوسط وفيه كثير بن زيد وثقه جماعة وضعفه النسائي (كما في كتاب الضعفاء والمتروكين للامام النسائي) وغيره ورواه يحيى بن الحسين بن جعفر الحسيني في اخبار المدينة حدثني عمر بن خالد حدثنا ابو نباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله قال السبكي وابو نباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لا ضير فان احمد رواه عن عبد الملك بن عمرو وهو ثقة عن كثير بن زيد وقد حكم السبكي بتوثيقه (كذا في وفاء الوفاء جلد ۴ ص ۱۳۵۹)

http://mujahid.xtgem.com

پر ندرونا جب اس کے والی اُس کے اہل ہوں. بلکہ اس وقت رونا جب کی دین کی علایت غیر اہل ہاتھوں میں آجائے۔

پیش نظر رہے کہ یہ مقام فقط انہی حضرات کا ہے، جنہیں انکشاف ہورہا ہو اور وہ قبر سے نہیں، صاحب قبر سے معروف نیاز ہوں. پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر روضات عالیہ یا قبور شریفہ سے لپٹتے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں. اس حدیث میں کوئی دلیل اور حجت نہیں. ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرامؒ نے فرمایا ہے، وہ قطعاً ناجائز ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حضورؐ کی خدمت میں یہ حاضری بتاتی ہے کہ ان کاملین کے لیے کس طرح برزخی پردے اُٹھے ہوئے تھے. حضرت ابوایوب انصاریؓ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعلہ نور کس پر شکوہ پیرائے میں پورے فوجی کیمپ کو منور کر گیا.

علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:-

ودفنوه ليلاً فصعد من قبره نور الى السماء وراى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع.

ترجمہ مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا معاً آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اُٹھا اور وہ اوپر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حیات برزخی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پہ کھل گئی تھی۔

خلاصۃ البیان

یہ کہ آنحضرتؐ کے ارشادات عالیہ، خلفائے راشدینؓ کے عقائد قدسیہ، ام المومنینؓ کے عملی فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ حضور انورؐ اپنے روضۂ اطہر میں فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوۃ وسلام کو خود سنتے ہیں. احادیث خمسہ اور خلفائے اربعہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالک اربعہ ملاحظہ کیجئے۔

http://mujahid.xtgem.com

مذاہب اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذاہب اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضورؐ کی حیات بعد الوفات پر چاروں متفق ہیں. کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں. مسئلہ حیات النبی میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرا پلیٹ فارم ترتیب دے سکتا تھا. لیکن مسئلہ حیات النبی کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے بیسیوں اختلافات کے باوجود اس میں سر مو بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں. دارالعلوم دیوبند کا یہ ۱۳۰۵ھ کا مفصل فتویٰ یہاں ہدیۂ قارئین ہے. غور فرمائیں کہ پنجاب کے مماتی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت علمی قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں ضد اور انتشار کے سہارے ایک اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو.

http://mujahid.xtgem.com

الفصل الثّانی

مذاہبِ اربعہ در حیاتِ نبویہ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں آپ روضۂ اطہر کے پاس ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین، تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو، کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد وہی ہے، جو حالتِ حیات میں تھا، سو ابو جعفر دب گیا۔

(وکذلک فی وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۲۳ طبع مصر)

نقل عن الامام مالکؒ انہ کان یکرہ ان یقول رجل زرت قبر النبیؐ قال ابن رشد من اتباعہ ان الکراھۃ لغلبۃ الزیارۃ فی الموتیٰ وھو صلی اللہ علیہ وسلم احیاہ اللہ تعالیٰ بعد موتہ حیاۃ تامۃ واستمرت تلک الحیوٰۃ وھی مستمرۃ فی المستقبل ولیس ھٰذا خاصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم بل یشارکہ الانبیاء فھو حی بالحیاۃ الکاملۃ مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی[2] (وکذا فی وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۱۳، صفحہ ۴۱۴ مصر)

---

[1] نشر الطیب از حضرت تھانوی صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ دیوبند [2] نور الایمان بزیارۃ حبیب الرحمٰن صفحہ ۱۲ مولانا عبدالحلیم فرنگی محل

http://mujahid.xtgem.com

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ (جلد ۵ صـ۲۶۵) امام ابو حیان اندلسی (بحر المحیط جلد ا صـ۱۸۲)،
علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جمرہ وغیرہم من الکبائر نے ان مسائل کا خوب تذکرہ
کیا ہے.

شوافع

شوافع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیاتِ انبیاء کے عنوان پر مستقل تصانیف
سپرد قلم کی ہیں. علامہ طیبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ
کے سامنے آچکے ہیں. امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ نے بھی انہی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے.

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی
مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلک اہلسنت
ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے.

جمیع اکابر شافعیہ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں جو حیات حاصل
ہے وہ حیات جسمانی ہے اور وہی جسد اطہر فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا.

علامہ قونویؒ (شافعی المسلک) کا تفرد اس میں تو ہے کہ وہ انبیائے کرام کے استقرار قبر میں
استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیائے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبور شریفہ سے اٹھا
لیے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں. لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ
انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجساد کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیائے کرام کے یہ
دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے. حیاتِ جسمانی پر بہرصورت اجماع
قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا "حیات فی القبر" پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرد سے قطعاً
متاثر نہیں ہوتا. علامہ سبکی الشافعیؒ طبقاتِ شافعیہ میں لکھتے ہیں:-

عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال

http://mujahid.xtgem.com

الامة ویبلغ الصلوٰة والسلام۔[1]

ترجمہ: ہم شافعیہ کے نزدیک حضورؐ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے آپ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ یوسف اردبیلی الشافعی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں:۔

ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون ویحجون کما ورد۔[2]

حنابلہ

حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضورؐ اپنے روضۂ اطہر کے قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر باحوالہ بقید صفحہ ومطبع آپ کے سامنے آچکی ہے۔ حافظ ابن قیم کی تصریحات بھی کتاب الروح وغیرہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی۔[3]

ترجمہ: حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور انورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حنفیہ کرامؒ

(۱) علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے)

ولما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع

---

[1] طبقات شافعیہ جلد ۲ ص ۲۸۲ [2] کتاب الانوار جلد ۲ ص ۱۶۴ مصر [3] الروضۃ البہیۃ ص ۱۴

عہ مسالک اربعہ میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رتبۃً، تحقیقاً اور قبولاً باقی سب مسالک پر فائق و مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی اور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے بلاد میں کم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

الملاذ والعبادات غير انه احجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات۔ [۱]

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

(۲) مراقی الفلاح میں ہے:۔

ینبغی لمن قصد زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوٰۃ علیہ فانہ یسمعها وتبلغ الیہ۔ [۲]

ترجمہ: جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیئے کہ کثرت سے درود عرض کرے، کیونکہ آپ اُسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

(۳) طحطاوی میں ہے:۔

(فانہ یسمعها) ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتبلغ الیہ) ای یبلغها الملک اذا کان المصلی بعیداً۔ [۳]

ترجمہ: آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ

علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق نہ کرتے چلے جاتے آخر کسی مقام پر اُسے نشانۂ ضعف کیا جاتا۔ جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے۔ تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انورؐ اپنے روضہ اطہر میں جسمانی طور پر

http://mujahid.xtgem.com

فانزالحیات ہیں اور قریب سے عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۴) محقق علی الاطلاق امام ابن الہمامؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں :-

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته ...... وذلك انه عليه السلام في القبر الشريف المكرم على شقه الايمن مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذلك في الروضة الشريفة عقيب الصلوٰة وعند القبر ويجتهد في خروج الدمع فانه من امارات القبول وينبغي ان يتصدق بشيء على جيران النبي ثم ينصرف متباكيا متحسرا على الفراق الحضرة النبوية والقرب منها ..... ثم يسئل النبي الشفاعة فيقول يارسول الله اسألك الشفاعة يارسول الله ...... الخ[1]

ترجمہ: تم حضور اقدسؐ کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ عرض کرو ..... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رُخ کیے ہوتے ہیں، روضۂ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس بکثرت سے دُعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہیئے کہ روضۂ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے پھر روتا ہوا آپ کے قربِ اقدس سے جُدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو ...... پھر حضور انورؐ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یارسول اللہ میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

(۵) علامہ ابن عابدین شامیؒ :-

امام شافعی کے نزدیک مالِ غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی وفاتِ شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچتا ہے، کیونکہ آنحضرتؐ کو یہ حقِ قیادت اور قیام بامور العامۃ کی بناء

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ ادا خراج مصر

http://mujahid.xtgem.com

پر پہنچایا تھا اور اب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں، بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد شرعاً نہیں۔ بس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقتہً نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقتہً باقی ہے۔ یعنی حضورؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں :-

افاد فی الدر المنتقیٰ انہ خلاف الاجماع قلت وما نسب الی الامام الاشعری امام اھل السنۃ والجماعۃ من انکار ثبوتھا بعد الموت فھو افتراء و بھتان والمصرح فی کتبہ وکتب اصحابہ خلاف ما نسبہ الیہ بعض اعدائہ لان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم وقد اقام النکیر علی افتراء ذلک ابو القاسم القشیری۔[۱]

ترجمہ۔ درِ منتقیٰ میں ہے کہ حضورؐ کی رسالت آپؐ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقتہً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہلسنت امام اشعریؒ کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقتہً باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

ان المنع ھنا لانعدام الشرط وھو اما عدم وجود الوارث بصفۃ الوارثیۃ کما اقتضاہ الحدیث واما عدم موت الوارث بناء علی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث۔[۲]

---

[۱] شامی باب المغنم وقسمتہ بعد قسمۃ الخمس ص۲۶۶ [۲] رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص۲۰۳ معہ الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم

http://mujahid.xtgem.com

(۶) علامہ عینیؒ :-

انھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء۔[1]

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔

(۷) امام ملا علی قاریؒ :-

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم۔[2]

ترجمہ: بے شک انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سُن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پہ درود پڑھے۔

المعتقد المعتمد انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی۔[3]

ترجمہ: عقیدہ جس پہ پورا اعتماد ہے، وہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواحِ قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے اور ایسا ہی تعلق انہیں اس دنیا میں بھی حاصل تھا۔

اکابر فرقہ اہل حدیث

اہلسنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہل حدیث ہیں۔ اُن کے اکابر کی تصریحات بھی دیکھیئے :-

(۱) قاضی شوکانی یمنیؒ :-

روحہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[4]

[1] علامہ عینی شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۰۸ [2] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ [3] شرح الشفاء للعلی القاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ مصر [4] تحفۃ الذاکرین صفحہ ۲۸ مصر

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ حضورِ انورؐ کی روح مبارک اپنے جسدِ اطہر سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ رہتے ہیں۔

انہ حی فی قبرہ ۔ ۔ ۔ ۔ وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ۔[۱]

ترجمہ۔ حضورِ اکرمؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔

(۲) شیخ کبیر عبد اللہؒ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی:۔

والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیاۃ الشھداء المنصوص علیھا فی التنزیل اذا ھو افضل منھم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ۔[۲]

ترجمہ۔ ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضورِ اکرمؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پہ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپ ان سے بلا ریب افضل ہیں اور آپ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

(۳) نواب صدیق حسن خانؒ:۔

حدیث "من صلی علی عند قبری سمعتہ" (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اُسے

ع آپ نے اپنے عقائد پہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید ہے جو اس طبقہ سے منسوب کئے جاتے ہیں یا آپ مقلد سے غیر مقلد نہ تھے۔

[۱] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ۔ ص۲۱۱ [۲] اتحاف النبلاء صفحہ ۴۱۵ مطبوعہ کانپور

http://mujahid.xtgem.com

میں خود سنتا ہوں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:- اسنادہ جید[1]

حجج الکرامۃ ص۲۸۵ میں واقعہ حرہ[عہ] نقل فرمایا ہے کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ "میں ان دنوں حجرہ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا"۔ روضۂ اطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:-

ابن جوزیؒ بسند متصل تا سعید بن المسیبؒ لایا ہے کہ سعیدؒ نے ایسا فرمایا۔[2]

(۴) حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔[3]

(۵) مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب

اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے۔ .... وہ مرنے کے بعد بھی جب حکم الٰہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت سے فیوض پہنچتے ہیں .... اگر مردوں میں عموماً احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا کیا لکڑی پتھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کا دیا۔ اس کا کوئی قائل نہ ہو گا جو نادان ہے۔[4]

(۶) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) شارح سنن ابی داؤد

ان الانبیاء فی قبورھم احیاء ص۵۱ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کے تحت لکھتے ہیں:-

والقول الصحیح ان ھٰذا لمن زارہ ومن بعد عنہ تبلغہ الملٰئکۃ سلامہ۔[5]

عہ وسیأتی تفصیلہ وراجع لہ ص۲۰۹ من ھذا الکتاب [1] الدلیل الطالب ص۸۴۴ [2] حجج الکرامۃ ص۲۸۵ [3] فتاوےٰ نذیریہ جلد ۱ ص۵۵ ضمیمہ [4] تیسیر الباری کتاب الدعوات جلد ۶ ص۹۸ [5] عون المعبود

http://mujahid.xtgem.com

⑦ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے ۔

انهم احياء فی قبورهم يصلون وقد قال النبیؐ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته۔ (التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص۲۴۷)

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ جلد ۱ ص۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی جلد ۱ ص۱۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیاتِ قبریہ کے حیاتِ جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان ہے) منقول ہے اور مؤلف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

⑧ مولانا فضل الرحمٰن سیری پوری

کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح وسالم برقبر شریف ہیں۔ اور اہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے[1]۔

⑨ مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان

عالم برزخ میں خصوصیتِ نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود و سلام زائر کا سنتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ وسلام پہنچایا جاتا ہے[2]۔

⑩ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

آپ میت کی حیات فی القبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

فرشتے میت کو بٹھاتے ہیں[4]   یعاد روحه بھی ہے[5]

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعت اہلحدیث میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب سعودی عرب کے حنبلی علماء جو گو مقلد ہیں مگر اہلحدیث حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا مؤقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے۔

---

[1] رسالہ درود شریف از مولانا فضل الرحمٰن [2] فتوی ۱۲ جمادی الثانیہ ۷۸ھ [3] فتاوی ثنائیہ جلد ۱ ص۱۹۲ ص۲۱۵

http://mujahid.xtgem.com

اب علمائے نجد کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے نجد کا عقیدہ

① شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں صـ پر اتحاف النبلاء المتقین کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں۔

② علامہ نجد شیخ محمد بن عبداللطیف من آل الشیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے صـ پر ملاحظہ کر چکے ہیں کہ "آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں برزخی زندگی کے ساتھ"۔

⑦ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انورؐ کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے۔ وہ اپنی قبر میں حیاتِ برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیاتِ شہداء سے اکمل و افضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔[۱]

⑧ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبدالحمید الخطیب فرماتے ہیں:۔

کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا حرام ہے؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اسلافِ وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ غلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت اور نغ وہابی کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلہ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔[۲] اس قصیدہ میمیہ کا پہلا شعر یہ ہے ؎

علیکَ سلامُ اللہ یاسیّد الوریٰ

ومن قدرہ عند الالٰہ عظیم

یہ پورا قصیدہ "تحیۃ للحبیب" علامہ مذکور نے روضۂ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر خود پڑھا۔

---

[۱] الہدیۃ السنیہ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیہ صـ۴۷ مطبوعہ مصر [۲] دیباچہ رسالہ اسمی الرسالات صـ۲، صـ۵

http://mujahid.xtgem.com

عقائد متکلمین در حیات النّبیّن

علم کلام کے مشہور امام علامہ تورپشتی رح فرماتے ہیں :-

صلوات و برکات چنداں کہ فہم از و پر شود و اندیشہ در و گم گردد از سراپردہ کبریائے او نثار روان پاک و کالبد زندہ ساکن مدینہ ......

پھر اہلسنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

و ازاں جملہ آں ست کہ بدانند کہ کالبد وے را زمین نخورد و بوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد و حشر وے و جملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثی درست است کہ ان حرم علی الارض ــــ اجساد الانبیاء ــــ ھم احیاء فی قبورھم یصلّون ــــ و اوّل ہمہ پیغمبر مابر خیزد از گور ــــ دانستن ایں ہمہ کہ یاد کردیم مہم است [1]

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

(۱) ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی القبر حی یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال الامۃ و اللہ تعالٰی خلق ملٰئکۃ سیاحین یبلغون الیہ الصلوٰۃ من امتہ [1]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالٰی نے ایسے فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

(۲) عند ھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ۔ [2]

اشاعرہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

---

[1] کتاب المعتمد فی المعتقد باب دوم فصل ۷ للعلامہ تورپشتی رح [2] الروضۃ البہیۃ ص۱۵

http://mujahid.xtgem.com

امام ابو منصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہلسنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں[1] آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:-

(۳) قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ۔[2]

ترجمہ۔ امام ابو المنصور بغدادی نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب محققین متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

خلفائے راشدین مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

تتمۃ الفصل (عقائد علمائے دیوبند اور المہند

مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے ہجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو پسپا کیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف معتزلہ وغیرہ اٹھے تو یہ متکلمین اسلام ہی تھے جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودھویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آراء ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز بدایوں سے ہوا۔ پھر بریلی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خان ۲۴ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے۔ اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) پھر اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ المہند انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات النبی پوری صراحت سے موجود ہے

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۴۲ کانپور [2] اعلاء السنن جلد ۱۰ ص۳۳

http://mujahid.xtgem.com

الفصل الرابع

شواہد الحیات من بیان الواقعات

واقعہ حرّہ

اسلامی تاریخ کا یہ سانحہ یزید کے عہدِ حکومت میں پیش آیا۔ مظالم کربلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہلِ مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کرامؒ تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیرے حرہ کے مقام پر ڈالے:۔

وحرّہ ھٰذا ارض بظاھر المدینۃ لھا حجارۃ سود کثیرۃ۔[1]

ترجمہ۔ حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتلِ عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبویؐ میں حضرت سعید بن مسیّب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن المسیبؒ بڑے جلیل القدر تابعی تھے، ان کے عظمت شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا، جن کی آنکھیں آنحضرتؐ کی دولتِ دیدار سے بارہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام دارمیؒ، ابن سعدؒ، ابونعیمؒ، زبیر بن بکارؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ روایت کرتے ہیں۔ کہ

---

[1] مجمع البحار ص ۲۵۶

http://mujahid.xtgem.com

حضرت سعید بن المسیبؒ نے ارشاد فرمایا:۔

اذا حانت الصلوٰۃ اسمع اذانا یخرج من قبل القبر الشریف۔۔۔۔ لا یأتی وقت الصلوٰۃ الا وسمعت الاذان من القبر ثم اقیمت الصلوٰۃ فتقدمت فصلیت ومافی المسجد احد غیری۔[1]

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا، پھر اقامت بھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القول البدیع میں نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ابن جوزی بسندِ متصل تا سعید بن المسیبؒ لایا ہے۔[2]

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وقضیۂ سماع سعید بن المسیبؒ ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تا سہ روز کہ مردم مفارقتِ مسجد نبوی کردہ بودند۔[3]

ترجمہ: ایامِ حرہ میں سعید بن المسیبؒ کے حجرۂ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ اس سے سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی۔ جتی کہ اس نے تمام سورۃ ختم کی۔ صحابہؓ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، تو

---

[1] خلاصۃ الوفاء للسمہودی ص۳۸ [2] جذب القلوب ص۱۸۸، [3] مدارج النبوت جلد۲ ص۱۰۵

http://mujahid.xtgem.com

آپ نے فرمایا :۔

ھی المانعۃ المنجیۃ وتنجیۃ من عذاب القبر.

ترجمہ۔ یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

اسے امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی التکشف ص۴۴۴ پر نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ حرہ کو " واقعہ حال" کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول اور ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے آئے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

ان کثیرا من الاعمال تثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقرأۃ القران عند الترمذی۔[ل]

ترجمہ۔ بے شک سے بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے کہ دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ حرہ) اور ترمذی کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نورالدین شہید محمود بن زنگیؒ (۵۵۷ھ)

سلطان نورالدین شہیدؒ (شاہِ مصر) نے ایک رات سردارِ انبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہیں کہ " جلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو "۔ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کرلیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آرہا ہے۔ سلطان مذکور نے اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف

ل فیض الباری جلد ۱ ص۱۸۵

http://mujahid.xtgem.com

چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔[1]

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیز گار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے، روضۂ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔

جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابر و باراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر ملعون فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری بنا دی تاکہ جسد اطہر تک پھر کسی رسائی نہ ہو سکے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

ایں قصہ را جمیع مورخان مدینہ منورہ مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین فیروز آبادی وغیر ایشاں از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصحیح نمودہ۔[2]

قلت و کذلک فی خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص۱۶۱ و اتی الشیخ السمهودی بالاسناد والاعتماد۔

تتمة الفصل

محب طبری ریاض النضرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

روافض حلب کی جماعت والئ مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطہ یا) بہت سی رشوت اور

---

[1] جذب القلوب ص۱۱۱، مدارج النبوت جلد ۲ ص۴۰۵ [2] جذب القلوب ص۱۹

http://mujahid.xtgem.com

لالچ دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرۂ شریفہ تک باریابی دے (تاکہ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے، گرانے کے آلات اور شمع لے کر "بابُ السلام" پر آگئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس ستون کے قریب ہی تھی جو حضرت عثمانؓ کے اینہ کردہ حصہ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔ والی مدینہ، جو بد مذہب اور منافق تھا، انجامِ کار کا منتظر تھا۔ اس نے مجھے بُلایا اور اُن لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پورے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا، کیا تُو دیوانہ ہو گیا ہے۔ کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے کہا۔ امیر خود جا کر دیکھ لیں۔ اُن کے دھنسنے کے آثار[1] اور ان کے کپڑوں کے نشان ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

---

[1] دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اُکھاڑ کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جا سکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگرچہ "روضۃ من ریاض الجنۃ"، کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی۔ تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا، ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر اُن پر حکمِ قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص۲۰۱ مطبوعہ لکھنؤ دیکھیے ——— وراجع لہ کتاب الاستنصار للفاضل السہنانی القاضی۔

http://mujahid.xtgem.com

طبری نسبت ایں حکایت بہ ثقات مے کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مورخان مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔[1]

ارشاداتِ نبوت، خلفائے راشدینؓ کے نظریاتِ قدسیہ، ام المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بیانات عالیہ، مذاہب اربعہ کی تصریحات، متکلمین کرامؒ کے فیصلے اور شواہد واقعات کے بعد دیگرے آپ نے ملاحظہ فرمالیے۔ تاریخِ اسلامی کے ان مختلف ادوار میں حیاتِ انبیاء کا مسئلہ اس کثرت سے بیان ہوتا رہا کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور دلائل کا احصاء قریب قریب ناممکن ہے۔ ہاں یہ حقیقت لطف سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ مسئلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اہلسنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سرِ مو بھی تجاوز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیانِ امت میں سے کسی کا اس پر نکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرام کی حیاتِ برزخیہ کے جسمانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہلِ حق اہلسنت کا تاریخِ ملت کے ہر دور میں اجماع رہا ہے۔

شہاداتِ اجماع

(۱) محدثِ کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ:۔

نحن نؤمن ونصدق بانه صلی الله علیه وسلم حی یرزق فی قبره ان جسده الشریف لاتأكله الارض والاجماع علی هذه۔

ترجمہ۔ ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپؐ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی، اور اس عقیدے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔

---

[1] جذب القلوب صـ۱۱۳ [2] القول البدیع صـ۱۲۵

http://mujahid.xtgem.com

(۲) شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ :۔

ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حیاة وموتًا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء۔[۱]

ترجمہ۔ پُورے اہلسنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پہ دوبارہ موت نہیں آتی)۔

(۳) علامہ محقق محمد عابد السندیؒ استاد حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ :۔

اماهم (ای الانبیاء) فحیاتهم لاشك فیها ولاخلاف لاحد من العلماء فی ذلك.... فهو صلی الله علیه وسلم حی علی الدوام۔[۲]

ترجمہ۔ انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پہ زندہ ہیں۔

(۴) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ :۔

حیات متفق علیہ است، ہیچ کس را درد ے خلافے نیست۔[۳]

ترجمہ۔ حضور انورؐ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں سے) کسی کا اختلاف نہیں۔

(۵) نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ :۔

"زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں" یہ مسئلہ متفق ہے۔ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے۔[۴]

---

[۱] عینی علی البخاری جلد ۷ ص ۶۱۰ [۲] رسالہ مدنیہ ص ۱۴ [۳] اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۶۱۳ [۴] مظاہر حق جلد ۱ ص ۴۴۵ [*] جن اعیانِ امت نے آنحضرتؐ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔ نہ یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم وہاں ثابت ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا مفہوم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں "انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں" لطائف قاسمیہ ص ۳

http://mujahid.xtgem.com

(۶) قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ :۔

قبر کے پاس ..... انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں[1]

جب جمیع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر روضۂ اطہر کی

حیاتِ جسمانی کا انکار

آخر کن کا مذہب ہے؟

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :۔

من انکر الحیٰوة فی القبر وھم المعتزلة ومن نحا نحوھم واجاب اھل السنة عن ذلك[2]

ترجمہ۔ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اہلسنت نے اُن کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرینِ حیات اہل سنت میں سے نہیں ہیں :۔

قد تمسك به من انکر الحیٰوة فی القبر واجیب عن اھل السنة ..... ان حیٰوته صلی الله علیه وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا[3]

ترجمہ منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلسنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ا ص۵۱۷ پر نقل اور تسلیم کیا ہے۔

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص۱۰۱ [2] عینی علی البخاری جلد ۷ ص۱۰۲ [3] فتح الباری جلد ۷ ص۲۲ مصر

http://mujahid.xtgem.com

الفصلُ السابع

وفیہ اربعۃ من المباحث

مبحثِ اوّل

حیات فی القبر

جمیع اہل السنۃ والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں (یا جہاں بدن میت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں) پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو "دخولِ روح در جسد" سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق "اتصالِ روح بجسد" سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال و جواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اُسے "موت فی القبر" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے، کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہو سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح و حیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر، یہ تو سوال و جواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی "حیات فی القبر" روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ "اعادۂ روح بجسد" کے ساتھ خواہ "اتصالِ روح بجسد" کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن

http://mujahid.xtgem.com

کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ امانت حقیقی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریقِ حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں سوادِ اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادۂ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصالِ روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کسے حاصل ہے، براہِ راست ہمارا موضوع نہیں۔ ہاں، یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے ذائق الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت شناسی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "حیات فی القبر" کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادۂ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصالِ روح یا تاثیرِ روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیاتِ ثانیہ اعادۂ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصالِ روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہو گا۔

آئیے! چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادۂ روح سے قائم ہوتی ہے، یا اتصالِ روح۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

http://mujahid.xtgem.com

فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربك ......

الحدیث رواه احمد۔[۱]

ترجمہ: پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے سامنے آتے ہیں پس اُسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے۔

والحدیث صحیح۔ (تنقیح الرواۃ جلد ۱ صـ۳۱۷)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

رواه الامام احمد وابوداؤد و روی النسائی وابن ماجة اوله و رواه ابوعوانة الاسفرائنی فی صحیحه وذهب الی القول بموجب هذا الحدیث جمیع اهل السنة والحدیث من سائر الطوائف۔[۲]

النص الصحیح الصریح وهو قوله صلی الله علیه وسلم « فتعاد روحه فی جسده »[۳]

فالحدیث صحیح لاشك فیه۔[۴]

رواه احمد محتج بهم فی الصحیح والحدیث حسنة المنذری ورواه ایضاً ابوداؤد والحاکم وابن ابی شیبة وابن منده وابونعیم وابوعوانة الاسفرائنی فی صحیحه من طرق صحیحة والبیهقی وقال هذا حدیث صحیح الاسناد۔[۵]

ابن منده کی پوری روایت حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح صـ۵۲ تا صـ۵۸ نقل کی ہے۔ اس میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائکہ سے فرماتے ہیں:۔

ردوا روح عبدی الی الارض فانی وعدتهم ان اردهم فیها۔[۶]

ترجمہ: میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو کہ میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں پھر زمین میں لوٹاؤں گا۔

---

[۱] مشکوۃ صـ۱۴۲ سطر ۱۹ [۲] کتاب الروح صـ۵۱ [۳] ایضاً صـ۵۲ [۴] ایضاً صـ۵۶ [۵] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ جلد ۱ صـ۱۲۰، ۱۲۱

http://mujahid.xtgem.com

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجین سے تعلق قائم کر کے وہاں سے ہو کر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

ھٰذا حدیث ثابت مشھور مستفیض صححه جماعة من الحفاظ و لا نعلم احدًا من ائمة الحدیث طعن فیه بل رووه فی کتبھم و تلقّوه بالقبول وجعلوه اصلًا عن اصول الدین۔[1]

ترجمہ۔ یہ حدیث ثابت ہے، مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پہ کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کو اصولِ دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثانی

ردّ الاشتباہات فی تحقیق الرّوات

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد:۔

قال الحافظ ابو نعیم الاصفهانی واما حدیث البراءؓ رواه المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء فحدیث مشهور رواه عن المنهال الجم الغفیر و رواه عن البراء عدی بن ثابت و محمد بن عقبه وغیرهما و رواه عن زاذان عطاء بن السائب قال و هو حدیث اجمع رواة الاثر علی شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبد الله بن منده هذا الحدیث اسناده متصل

---

[1] کتاب الروح ص۵۹

http://mujahid.xtgem.com

مشہور رواہ جماعۃ عن البراءؓ ۔ (شرح حدیث النزول ص۴۲ للحافظ ابن تیمیہؒ)

حافظ ابن قیمؒ کا ایک اور حوالہ :-

وھو حدیث صححہ جماعۃ من الحفاظ "

اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ الجھمیہ لابن القیم ص۳۴)

امام احمد کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ :-

اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ " فتعاد روحہ فی جسدہ " کے قطعہ روایت میں منفرد ہے ۔ ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے " لیس بالقوی "

جواباً عرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح و تعدیل امام یحیٰی بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے ۔ امام عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں ۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی ۔ اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا ۔ تنقیح الرواۃ میں ہے :-

وفی اسناد الحدیث منہال بن عمرو وثقہ ابن معینؒ والعجلیؒ وقد تکلم ابن حزمؒ فی المنہال ولا یلتفت لکلام بن حزم بعد احتجاج الشیخین بہ و لما رأی ابن حزم حدیث المنہال راد علی معتقدہ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورھا طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح [1]

ترجمہ ۔ اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے ۔ اسے امام یحیٰی بن معینؒ اور عجلیؒ ثقہ قرار دیتے ہیں ۔ ابن حزمؒ نے اس پر کلام کیا ہے لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے کیونکہ حدیث کے دو بڑے امام اسے حجت مان رہے ہیں ۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے جسمانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے انہوں نے اس پر جرح کر دی ، حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے

---

[1] تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۴۲

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

فالمنہال احد الثقات العدول قال ابن معین المنہال ثقۃ وقال العجلی کوفی ثقۃ واعظم ما قیل فیہ انہ سمع من بیتہ صوت غناء و ھذا لا یوجب القدح فی روایتہ واطراح حدیثہ وتضعیف ابن حزم لہ لا شیء فانہ لم یذکر موجبًا لتضعیفہ غیر تفرد بقولہ فتعاد روحہ فی جسدہ وقد بینا انہ لم یتفرد بہا بل رواھا غیری قد روی ما ھو ابلغ منہا۔[1]

ترجمہ۔ منہال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ جو اُن پر اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے ہی مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا مرتکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں موجب قدح نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشئے ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت براء بن عازبؓ سے اس حدیث کو زاذان نقل کر رہا ہے اور اس کا سماع حضرت براءؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزمؒ کو کلام ہے۔

جواباً گذارش ہے کہ حافظ ابو عوانہ اسفرائنیؒ نے زاذان کندی کا حضرت براءؓ سے صیغہ سماع نقل کیا ہے۔ پس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] کتاب الروح صہ ۵۹

http://mujahid.xtgem.com

هذه العلة باطلة فان ابا عوانة الاسفرائنی رواه فی صحیحه باسناده قال عن ابن عمرو زاذان الکندی قال سمعت البراء[1]

ترجمہ۔ یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابوعوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔

تفرد زاذان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

فالحدیث لاشک فیہ صحیح وقد رواہ عن البراء بن عازبؓ جماعة غیر زاذان منھم عدی بن ثابت و محمد بن عقبه و مجاهد[2]

ترجمہ۔ پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براءؓ سے اسے زاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔ انہیں میں عدی بن ثابت محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توثیق زاذان کے متعلق ملاحظہ ہو:۔

امام یحییٰ بن معینؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں خطیبؒ اور عجلیؒ نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدیؒ اور حاکمؒ نے بھی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۰۳)

علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ (السراج المنیر جلد ا ص ۵۱۴ مصر)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابه کعمر وغیره وروی له مسلم فی صحیحه قال یحیی بن معین ثقة قال حمید بن هلال وقد سئل عنه هو ثقة لاتسأل عن مثل هولاء[3]

ترجمہ۔ زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے۔ اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے روایات لیں ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحییٰ بن معینؒ

---

[1] کتاب الروح ص ۵۹ [2] ایضاً ص ۵۶ [3] ایضاً ص ۵۹

http://mujahid.xtgem.com

اسے ثقہ کہتے ہیں۔ حمید بن ہلال سے زاذان کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، ایسے ذمہ دار لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث

اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلاتِ مذکورہ کے پیشِ نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب میں "اعادۂ روح" کے قائل ہیں، لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادۂ روح کے قائل نہیں، بلکہ اتصالِ روح سے بدنِ مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں:-

لیس المراد بالحیّ ھٰھنا ما یعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریۃ بل ما لم یدرك الالم واللذۃ فاذا خلق اللہ فیہ ادراکًا ۔۔۔۔ یکون حیًا لا جمادًا۔[1]

ترجمہ۔ اس جگہ سے "حی" سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعالِ اختیاریہ صادر ہوتے ہیں۔ بلکہ حیات سے مُراد یہ ہے کہ وہ الم و لذت کا ادراک کر سکے۔ اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پہ تین مسلک بیان کیے جاتے ہیں:-

---

[1] عبدالحکیم علی الخیالی ص۱۱۸

http://mujahid.xtgem.com

(۱) ـــــــ میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے، پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہلسنت والجماعت کا ہے۔

(۲) ـــــــ میت قبر میں جمادِ محض ہے پس عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ و روافض کا مسلک ہے۔

(۳) ـــــــ میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پہ عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت "جوز بعضھم تعذیب غیر الحی" میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے اس پر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں، جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو۔ پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ الم ولذت کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہوگئی، جمادِ محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ "حیاتِ میت کی تشریح" میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس "صورتِ عذاب قبر کو تم تجویز کر رہے ہو، اسے بھی حیاتِ قبر لازم آرہی ہے۔ ہاں اس صورتِ حیات میں اعادہ روح لازم نہیں، چنانچہ "نبراس علی شرح العقائد" میں ایسے جواب پہ لکھا ہے۔

ھٰذا جواب اشکال اوردہ المعتزلہ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ [۱]

ترجمہ۔ یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا، معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا، وہ نہیں چکھیں گے وہاں کوئی اور موت، انکے لیے تو وہی موت ہے جو آچکی

---

[۱] نبراس صفحہ ۳۴۳

http://mujahid.xtgem.com

یہ صورتِ جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادۂ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیث براء بن عازبؓ کی رُو سے خبرِ واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبرِ واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادۂ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جا سکتا تھا۔ ہاں عذابِ قبر کی روایات چونکہ حدِ تواتر تک پہنچ رہی تھیں، اور ان کی رُو سے میتِ مدفون کے لیے لذت و اَلم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہاں اسے ہی حیاتِ میت ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصواب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے میت میں پھر روح نہ لوٹنے کو، کیا تحقیقِ واقعی کے طور پہ بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک الزامی شکل جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسلک وہی ہے جو محدثین کا تھا؟ شرح نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے :-

وعندی فی ھذا الجواب بحث و ھو ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عن السوال فالجواب بانکار الاعادۃ غیر مرجہ وقد اجاب المشائخ عن ھذہ الآیۃ بوجوہ۔[1]

ترجمہ: میرے نزدیک یہ جواب محلِ نظر ہے۔ اس لیے کہ احادیثِ صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ بس اعادۂ روح کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں۔ معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔

سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح ان البدن اذا المسئلۃ للبدن بلا روح قول قالہ طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور
(المسئلۃ: مبتداء — قول: خبر)

---

[1] نبراس ص ۲۲۲

http://mujahid.xtgem.com

وكذلك السوال للروح بلا بدن قاله ابن ميسرة وابن حزم ولو كان كذلك لم يكن للقبر بالروح اختصاص [1]

هذا قول منكر عند عامة اهل السنة والجماعة [2]

واذا قبضت (الروح) عرج بها الى الله فى ادنى زمان ثم تعاد الى البدن فتسأل وهى فى البدن [3]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں "حیات فی القبر" کا حکمی ہونا روافض کے آیتِ مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ حق یہی ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورتِ جواب ہے، وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے۔ جب جملہ اموات کے لیے اعادۂ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس دلیل کی بناء پر مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں:۔

وعود الروح الى البدن ..... فى سائر الموتى فضلا عن الشهداء فضلا عن الانبياء وانما النظر فى استمرارها فى البدن [4]

ترجمہ: روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے شہداء اور انبیاء پر تو بدرجۂ اولیٰ اس کا تحقق ہوگا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن میں دائماً رہے گی یا پھر یہ تعلق ٹوٹے گا۔

---

[1] شرح حدیث النزول للحافظ ابن تیمیہؒ ص۵۱ [2] ایضاً ص۵۸ [3] ایضاً ص۸۷ [4] شفاء السقام ص۱۵۹

عہ اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعہ سے متعلق ہیں۔ علامہ صدر الدین الحنفیؒ کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجیے:۔

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به۔ (شرح عقيدة الطحاوى ص۲۳۰)

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

احادیث شریفہ میں "حیات فی القبر" کے لیے اعادۂ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنیٰ روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے بدن میں ادراک الم و لذت کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں:-

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علیٰ عود الروح الی البدن وقت السوال۔[1]

ترجمہ۔ احادیث الصحیحہ متواترہ بتا رہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

قطع می کنم بعود حیات مر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ۔[2]

اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو اختلاف نہیں اور جملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادۂ روح کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں۔ عودِ روح تو احادیثِ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام کے لیے یہ مفارقت قطعاً ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح انبیاء کے لیے اس عدمِ مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ فافہم وتدبر۔

---

[1] کتاب الروح ص ۶۲ [2] جذب القلوب ص ۱۸۵

http://mujahid.xtgem.com

المبحث الرابع

اعادۂ روح اور اتصالِ رُوح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادۂ روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ میں ارواحِ قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورتِ زیرِ بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ قدسیہ بھی پھر معرضِ مفارقت میں آجاتی ہیں؟ اہل سنّت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصالِ روح کا مؤقف اثباتِ حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی ووافی ہے اور اس صورتِ کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ عنصری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورتِ کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصالِ روح کا مؤقف کسی نصِ صریح پر مبنی نہیں۔ بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ تھا بعض مقامات پر ارواحِ قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سُننے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا۔ اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدانِ مطہرہ کو ارواحِ قدسیہ کا مستقر قرار دے کر اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلق پیدا کریں۔ ادھر منتقل ہوا کہ ارواحِ قدسیہ کو وہاں مان کر ابدانِ مدفونہ سے ایک قوی علاقۂ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا مؤقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی تھا اور اتصالِ روح کا مؤقف علمائے کبار نے محض تطبیق بین الروایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار

http://mujahid.xtgem.com

کیا تھا۔ بیہقیٔ وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں :۔

انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبرے سمعتہ و من صلی علی نائیا بلغتہ فکیف التطبیق ؟ قلنا وجہ التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السمآء السابعۃ و نحو ذلک کما مر و مقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذلک لکل روح منہا اتصال بجسدہ فی قبرہ لا یدرک کنہہ الا اللّٰہ تعالیٰ وبذلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنۃ او النار و یحس اللذۃ و الالم و یسمع سلام الزائر[1]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پہ درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور دور کا پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے (اور یہ بھی سابقاً گزرا کہ ارواحِ طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دونوں مضمونوں میں تطبیق کیسے ہوگی ؟ ہم کہتے ہیں ارواحِ مومنین کا مقر تو علیین یا ساتویں آسمان ہی میں ہے۔ اسی طرح ارواحِ کفار مقامِ سجین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ہاں روح کے جسد کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملات قبر روح وجسد کے مجموعے سے ہوتے ہیں اور الم ولذت کا ادراک اسی طرح واقع ہوتا ہے۔

پس جب اعادۂ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصالِ روح کا موقف من

---

[1] مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴، صفحہ ۲۲۵ سند

http://mujahid.xtgem.com

حیث الاستدلال اجتہادی ہے۔ تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصالِ روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثین اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورتِ کیفیت حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیثِ صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پردے بھی دنیا نے بارہا دیکھے ہیں ہم پہلے بہت سے ایسے واقعات پیش کر آئے ہیں۔ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں چودہویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدانِ مبارکہ کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:۔

> قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ[1]

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام سے ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ بعض دوسرے اجسادِ کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان کے اہلِ حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

---

[1] صدق لکھنؤ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۲ء

http://mujahid.xtgem.com

انبیاء کرام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اُس کے اِدراکات

(۱) —— جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھُدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستانِ اُحد آتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اُٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہدائے احد اپنی اصل حالت پہ بالکل تروتازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُحد سے تقریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

(۲) —— بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزاعیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پہ سلام کیا:۔

السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہاں سے جواب آیا:۔

علینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

(۳) —— حضرت عمرو بن جموح انصاریؓ بھی شہدائے اُحد میں سے تھے۔ جب سیلاب نے اُن کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یُوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کئے گئے ہیں۔ جنگِ اُحد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا:۔

فوجد الم یتغیرا کانھما ماتا بالامس وکان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت [1]

---

[1] مؤطا امام مالک صـ ۱۷۲

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا کہ وہ ابھی کل ہی فوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پہ رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آگیا جہاں کہ تھا۔

(۴) —— حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریب ان جنازوں میں شامل ہوئے۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد۔[1]

ترجمہ۔ شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پہ اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پہ اطلاع نہیں ہوتی، اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی معطل عن الافعال ہیں۔ پردۂ برزخ اس ادراکِ لطیف میں حائل ہوتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جب کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں، تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اس عالم کے بہت سے حالات مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۱

http://mujahid.xtgem.com

مسلکِ ارجمند از اکابرِ دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علیٰ

حیات الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیات النبیؐ کے باب میں ہم اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسلکِ دیوبند سے کیا مراد ہے:

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی "مستقل مکتبِ فکر" کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسلک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسلک ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر سے ما انا علیہ و اصحابی کی مقدس وراثت کے طور پہ چلے آرہے تھے دیوبندیت کسی مستقل مکتبِ فکر یا مسلکِ عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلفِ صالحین، اہلِ تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلسنّت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلکِ عمل پہ تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں مسلکِ فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا اور اس سے کسی کا اختلاف نہ تھا۔

اچانک اوپر سے تار ہلا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اوائل ۱۳۲۴ھ میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے۔ تاکہ علمائے حرمین سے اس پہ

http://mujahid.xtgem.com

دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ جانتے تھے اور وہاں علمائے دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جا سکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے "موضوعات زیر بحث" اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہلسنت پہ جا پہنچنے کی کوشش کی۔

اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار یکجا قلمبند کر دیئے۔ اور اس پہ اپنی مہریں ثبت کر دیں۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے سب بزرگوں نے اس پہ تصدیقات تحریر فرما دیں اور فقط اعتماد نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پہ دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ۔ [1]

ترجمہ۔ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔

ان عقائد پہ پھر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار (جن میں کہ احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے) سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ "المہند" نامی دستاویز عقائد علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوئی۔

اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح، معین اور مشخص صورت میں سامنے آ گیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی صدائے بازگشت تھی۔

---

[1] ص

http://mujahid.xtgem.com

دیوبندیت کے ضابطۂ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے، جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم افکار و آراء کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ تجاوز کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس "مرکزی مسلکی دستاویز" کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا رد و ابطال اس کے نزدیک جزوِ تبلیغِ توحید ہو، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریب آخر کس بلا کا نام ہے۔ عقل و خرد سے کھیلنے کا یہ خوفناک منظر ہم نے آنکھوں دیکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و توجیہات میں ہو یا فقہی جزئیات میں، ترجیحات کے باب میں ہو تنظیماتِ عمل میں، اصل دیوبندیت کو ہرگز گزند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابرِ دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلیدِ شخصی ہے۔ بلکہ مسلکِ دیوبند کا مرکزی نقطہ "المہند علی المفند" ہے جسے وقت کے تمام اکابرِ دیوبند اجتماعاً آئینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائلِ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے اختلافات توجیہات اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے مختلف مواقفِ عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپیدا کنار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دفاتر اس حقیقتِ حال کے پُرزور ترجمان ہیں کہ اکابرِ دیوبند افکارِ شریعت اور اسرارِ کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی نذر ہونے نہیں دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

افکار و آراء کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا

http://mujahid.xtgem.com

نہ اسے اس پہلو سے کسی شبہے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سُنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلکِ دیوبند سے ہٹ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات ان ابواب میں ہے جو مسلکِ دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویز "المہند علی المفند" سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے مسلکِ دیوبند کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا معین ہوئے، وہ بلاریب اکابرِ دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند" ہی ہے۔ مسلکِ دیوبند کی حدود باعتبارِ کمیت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہوئیں۔ ہاں باعتبارِ کیفیت یعنی قوت وضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مسئلہ حیات النبیؐ کا مدار اگر صرف "آبِ حیات" پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلکِ دیوبند سے خروج نہ تھا، اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتبِ فکر نہیں اور نہ حضرت نانوتویؒ کسی علیحدہ مکتبِ فکر اور مسلکِ عمل کے بانی تھے۔ بلکہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جس اُصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہلسنّت کی اعتقاداً اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان اکابر سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف یہ صورتِ فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنّت سے خروج ہے۔ یا یہ اختلاف حدودِ اہل سنّت میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی تھی کہ یہ مسلکِ دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نانوتویؒ یا حضرت گنگوہیؒ کی تقلیدِ شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسئلہ حیات النبیؐ میں مسلکِ دیوبند کا مدار صرف آبِ حیات پر نہیں، بلکہ "المہند" کی اجماعی مسلکی دستاویز پر ہے۔ پس اس سے اختلاف یقیناً مسلکِ دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے، ورنہ ان تمام اکابر کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے "المہند" کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی تجہیل ہوتی ہے، جو اُسے دوسروں کے سامنے اسے دیوبندی مسلکِ فکر کے ترجمان کی صُورت میں پیش کرتے رہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں مسلکِ دیوبند تو "المہند" سے ہی پُوری طرح عیاں ہے، تاہم

http://mujahid.xtgem.com

اکابرِ دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیشِ خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

مرحومین

① —— حجۃ اللہ العالمین، مرکزِ دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریع

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم النانوتوی الصدیقی انار اللہ برہانہٗ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے حسبِ ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ ایک کتاب "ہدیۃ الشیعہ" ؏ تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں :۔

رسول اللہ ؐ بلکہ تمام انبیاء بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپ کی ملک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم

؏ ہدیۃ الشیعہ اور ہدایۃ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اوّل الذکر حضرت نانوتوی ؒ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہی ؒ کی۔ مولانا نانوتوی ؒ کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہی ؒ کی ہی تحریک پر لکھی گئی تھی یہ آبِ حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی ؒ آبِ حیات میں لکھتے ہیں :۔

ارشاد حضرت مجمع علم و عمل جامع کمالات عیانی و دیہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب علیہ ارشد حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ یعنی ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔
(آبِ حیات ص۵ مطبع مجتبائی)

ہدیۃ الشیعہ میں حیات النبی ؐ کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتوی ؒ کی افتادِ طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے نظریہ پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہی ؒ کو اس سے بالکل لاتعلق قرار دیتے ہیں، حق یہ ہے کہ ہدایۃ الشیعہ (حیات النبی ؐ کے بیان پر حضرت نانوتوی ؒ کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہی ؒ تھے۔ فافہم وتدبر

http://mujahid.xtgem.com

کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برتیں اور اس سے ہماری مِلک زائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے ایسے ہی رسول اللہ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء، اموال کے مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقۃ جو ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی لِم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات ہیں، پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔ [لہ]

پھر نانوتویؒ لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں:۔

انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ [٢ھ]

اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی [عہ]۔ یُوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ

لہ ہدیۃ الشیعہ ص ٢٢٨-٢٢٩ از حضرت نانوتویؒ ٢ھ لطائف قاسمیہ ص٣ عہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ اور علماء دیوبند جو آنحضرتؐ کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دُنیا والے جسد اطہر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمیع الوجوہ دنیاوی حیات ہے جب حضرت نانوتویؒ حیات دنیاوی کے مفہوم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینہا اس دُنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لیے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور انتقال دار من الدار کے قائل نہیں، انہیں حضورؐ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپ نے مغالطے ڈالنے سے منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ واللہ ہو الموفق۔ عہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ حیات النبیؐ کے مضمون کو محض الزامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ لہذا کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات النبی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا، بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لیے بیان کیا تھا۔ رب العزت تقیہ کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

http://mujahid.xtgem.com

جانے منکروں کا کام یہی ہے۔[1]

پھر لکھتے ہیں:۔

انبیاء کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے، پر حسب ہدایت کل نفسٍ ذائقۃ الموت اور انک میت وانھم میتون، تمام انبیائے کرام خاص کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد[ع] بھی ضروری ہے۔[2]

حضرت نانوتوی ایک دوسرے مقام پہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں:۔

بالجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاعِ حیات، بوجہ عروض موت ہے اگر موت ضدِ حیات، اور صفتِ وجودی ہو یا بوجہ دیگر اگر موت، عدم اور ملکۂ حیات ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم کو جدا خطاب کر کے ارشاد فرمایا انک میت اور سوا آپ کے اوروں کو بھی جدا ارشاد فرمایا، انھم میتون اور مثل جملۂ لاحقہ ثم انکم یوم القیٰمۃ عند ربکم تختصمون سب کو شامل کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ انکم میتون. بالجملہ جیسے حیاتِ نبوی اور حیاتِ مومنینِ امت میں فرق ہے۔ چنانچہ اس کے اثبات کے لیے تقریر وافی اور تحریر شافی اوراقِ گذشتہ میں گذر چکی ہے۔ ایسے ہی موتِ نبوی اور

---

۱ آبِ حیات ص۵ ۲ لطائفِ قاسمیہ ص۷ ع حضرت کی یہ تصریح ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک طمانچہ ہے جو یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نانوتوی کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ پر ورودِ موت ہی نہیں ہوا اور وہ حضورؐ کے لیے کسی قسم کی وفات کے قائل نہیں، یہ حضرت پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ ثانیاً اس عبارت سے منکرین حیات کا یہ پراپیگنڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفات النبی کی یہ مذکورہ آیات حضرت نانوتوی کو یاد نہ تھیں یا بیان حیات النبی کے وقت مستحضر نہ تھیں اور سامنے نہ تھیں۔

http://mujahid.xtgem.com

موتِ مومنین میں بھی فرق ہے اور مرجہ فرق بین الموتتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نومِ نبوی اور نومِ مومنین میں فرق ہو. اس لیے کہ النوم اخو الموت[1] چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت اور نوم کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے. فرماتے ہیں:۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا.[2]

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی. چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے. جیسے موت تقدمِ حیات پر دلالت کرتی ہے. تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساکِ نوم ہوگا. جس کی موت کے وقت استتارِ حیات ہوگا، اُس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا. فرق ہو تو شدتِ استتار وضعفِ استتار ہو . . . . چنانچہ آنحضرتؐ کا کلام اس بیان کی تصدیق کرتا ہے. فرماتے ہیں:۔

تنام عینای ولا ینام قلبی او کما قال. (رواہ البخاری ومسلم بالفاظِ مختلفہ)

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا.[3]

---

[1] عزیزی شرح جامع صغیر جلد ص[2] فیمسک التی قضیٰ علیہا الموتٰی ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّٰی (پ ۲۴، الزمر) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی. پھر انہیں ان کے متعلق روکے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا ــــ اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت تک کے لیے ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جن سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے (فوائد القرآن للشیخ العثمانی ص ۶۰۲) ہاں انبیائے کرام سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو. واللہ اعلم [3] آبِ حیات ص ۲۱۹، ۲۲۰ مجتبائی

http://mujahid.xtgem.com

حضرت نانوتوی ؒ نے "آبِ حیات" کو "تقریر ابوتِ عہ نبوی" تک پہنچ کر پھر حضرت گنگوہی ؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ وہ خود لکھتے ہیں :۔

بغرض اطمینان و تصدیق عہ مولانا و مخدومنا رونقِ طریقت زیبِ شریعت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ و ادام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی۔[1]

آبِ حیات کے پہلے ورق پر مرقوم ہے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزیں ہیں، جیسے اُن کا مال قابلِ اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا، ایسے ہی آپ کا مال بھی محلِ توریث نہیں۔[2]

پھر فرماتے ہیں :۔

ارواحِ انبیاء کو بدن سے علاقہ بدستور رہتا ہے۔ ہر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے۔[3]

پھر لکھتے ہیں :۔

سماعِ انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرینِ قیاس ہے اور اسی لیے اُن کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے، جیسے ایامِ حیات میں "احیاء" کی زیارت ہوا کرتی ہے۔[4]

ل تسوید تقریر ابوت نبوی آب حیات صـ۶۳، صـ۷۰، صـ۱۰۸، صـ۱۴۷، صـ۱۲۵ بلکہ اس کے آگے تک پھیلتی گئی ہے۔ عہ حضرت گنگوہی ؒ کی تصدیق ان کی اپنی کتاب ہدایۃ الشیعہ میں بھی ہے فرماتے ہیں "اس مضمون حیات کو بھی مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آبِ حیات" میں بما لامزید علیہ ثابت کیا ہے" صـ۱۵ مطبع مجتبائی۔ حضرت گنگوہی ؒ کے اس ارشاد میں مالا مزید علیہ (کہ اس پر اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا) کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ بھی "آبِ حیات" کے متعلق فرماتے ہیں "مولانا گنگوہی قدس سرہٗ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ (الشہاب الثاقب صـ۴۵ برقی پریس دہلی)۔

[1] آبِ حیات صـ۲۰۷ [2] ایضاً صـ۲ [3] جمال قاسمی صـ۱۳ [4] ایضاً صـ۱۲

http://mujahid.xtgem.com

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ حضورؐ پر ورود وفات کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد تھے۔ آیت انک میت و انہم میتون ان سے اوجھل نہ تھی۔ وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی تھے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلافِ امت کے خلاف نہ تھی۔ حقیقت یہی ہے، البتہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

②— فخر المحدثین قطب الارشاد امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

ولان النبیین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منہم [1]

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت سب کے سب زندہ ہیں، اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر فرماتے ہیں:۔

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حی یرزق۔ [a] اس مضمونِ حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آبِ حیات" میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔ [2]

پھر ارشاد فرماتے ہیں:۔

(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالے

---

[1] الکوکب الدری جلد ۱ صـ۴۲۳ [2] ہدایۃ الشیعہ صـ۱۸ المجتبائی عہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں۔ تقریراً اعتقادیاً ینبغی ان یکتب بماء الذہب۔ (اوجز المسالک جلد ۲ صـ۴۸۲)

[a] سنن ابن ماجہ صـ۱۱۹ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کے پورے حامی تھے۔

http://mujahid.xtgem.com

میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوزِ سماعِ موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کہتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے، اور دلیلِ جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارتِ قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔[1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہی کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر[2] فرماتے ہیں:۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن[3] صاحب مفتی اعظم دار العلوم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے انک میت الآیہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اونچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیائے کرام کی ارواح مشاہدۂ جمال و جلالِ حق تعالیٰ شانہ و تقابل آفتابِ وجودِ باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکمِ روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم اُن کا عینِ ادراک اور عینِ حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔[4] انتہیٰ کلامہ الشریف۔

ع معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ کے اپنے روضہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماعِ امت کا منکر ہے۔ عہ ثم یسئل النبی الشفاعۃ یقول یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ۔ (فتح القدیر آخر کتاب الحج جلد ۲ ص۳۳۷ مصر) [2] حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آرہا ہے یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا اس لیے اس پر کفایت ہے۔ [3] حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

http://mujahid.xtgem.com

③ — رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ (۱۳۳۹ھ)

"المہند علی المفند" میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-

عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ الشریف وحیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ برزخیۃ لکونہ فی عالم البرزخ [1]

اس پر حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :-

ھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعاً لا ریب فیہ [2]

ترجمہ۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تصحیح کردہ ابو داؤد کے حاشیہ ص۱۵۷ میں ہے :-

ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبیؐ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ العرب [3]

ترجمہ۔ وفاتِ شریفہ کے بعد حضورؐ پر درود شریف کیا صرف روحِ مجرد پر پیش ہوا کرے گا یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عروض ہوگا؟ حضورؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوالِ کیفیت کا کافی جواب تھا۔

④ — فخر المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابہا کما لا فرق

[1] [2] ازادیہ دیوبند [2] المہند ص۱۲ [3] ص۱۵۷

http://mujahid.xtgem.com

علمائے دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف یہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے بر سہا برس پہلے آپ نے مولانا عبدالسمیع رامپوری کی کتاب انوارِ ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی تھی۔ یہ کتاب حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا خاں میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ نے اپنا عقیدہ حیات النبی ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

> اس بات کو خوب یاد کر لینا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالمِ غیب اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آ سکتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ملٰئکہ پہنچاتے ہیں اور اعمالِ امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت دنیا اور عرض و حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔[1]

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہان (عالم دنیا) کے فرد ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے ہی ہو گی جس طرح معراج کی رات عالمِ برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے تھی اور اس میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی بھوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔ اس عالم میں عالمِ برزخ کے مسافر اسی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے آپ نے عقیدہ حیات النبی صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پر چلے آ رہے ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے

---

[1] براہین قاطعہ صد ۱۹۹ صد ۲۰۰ تقطیع کلاں

http://mujahid.xtgem.com

فی حضورہ وغیبتہ فی زمان حیاتہ ولہٰذا العلۃ لم یذھب الیہ احد من الائمۃ۔[1]

ترجمہ۔ یقیناً نبی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اُوپر دکھائی دیں، یا پردۂ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپ کی اس دُنیا کی زندگی میں آپ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار سے) کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں:۔

ان الانبیاء فی قبورھم احیاء۔[2]

ترجمہ۔ یقیناً انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

رأس الاتقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے:۔

آستانۂ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ آواز نکالنا تو کیا مواجہہ شریفہ کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ، مؤدبانہ، دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دُور کھڑے ہوئے بکمال خشوع صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔[3]

پھر لکھتے ہیں:۔

عندنا وعند مشائخنا حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ

---

[1] بذل المجہود جلد ۲ صـ۱۱ [2] ایضاً صـ۱۶ [3] تذکرۃ الخلیل صـ۲۰۶

http://mujahid.xtgem.com

الشریف وحیوته صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف ۔۔۔۔ فثبت بہذا ان حیوته دنیویۃ لکونہا فی عالم البرزخ۔[1]

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات (اس دنیا والے جسدِ اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دنیاوی ہے، ہاں (بجمیع الوجوہ دنیاوی نہیں) اس میں آپ مکلف بالاحکام نہیں پس آپ کی حیات اس طرح دنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے برزخی ہے۔

(۵) شیخ الاتقیاء زبدۃ الصلحاء حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوریؒ قدس سرہ العزیز مذکورۃ الصدر "المہند علی المفند" (جس کی عبارت در بارہ حیات النبیؐ اوپر ہدیۂ قارئین ہو چکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

الذی کتب فی ہذہ الرسالۃ حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح و ہو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیہم اجمعین احیانا اللہ بہا و اماتنا علیہا وانا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ الرائیفوری۔[2]

ترجمہ: جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نصِ صریح کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے۔ میں ہوں بندۂ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوری۔

(۶) امامِ کبیر محدثِ شہیر حضرت مولانا العلامۃ الشیخ امام انور شاہ صاحب کشمیریؒ

یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔[3]

---

[1] المہند ص۱۳، ۱۴ [2] اعزازیہ [3] الفیض ص۴۸ تحیۃ الاسلام ص۳۶

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ "انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں" کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ اشخاصِ انبیاء (روح و بدن کے) مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:۔

المراد بحديث "الانبياء احياء فى قبورهم يصلون" انهم ابقوا على هٰذه الحالة ولو تسلب عنهم فلا يرد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوٰة ورد السلام فكيف وجه فى الحديث بقاء الحيوٰة بفعل الصلوٰة وكذا رد السلام برد الروح[1]

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (خائنۃ الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت اُن سے سلب نہیں کی گئی، یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادائے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضورؐ نے حیات النبیؐ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح لوٹنے (متوجہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

قوله فنبي الله حي يرزق واحياء فى قبورهم يصلون تسرد فى ذكر الحيٰوة افعالها لا اصلها اوراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعالِ حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یُوں کہیے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

---

[1] تحیۃ الاسلام ص۲۶ مصنفہ انور شاہؒ [2] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

(۷)— حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الغراء، قامع البدعۃ الظلماء

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی ؒ (۱۳۶۲ھ)

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ رہتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقوی ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المواہب) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے[1]

ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے۔ ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی سے تشریف رکھتے ہیں، ندا، غائب لازم نہیں آتی[2]

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا[3]

---

[1] نشر الطیب ص۲۵۵ شائع کردہ ادارہ اشرفیہ لاہور [2] ایضاً ص۲۴۳ [3] بیان القرآن جلد ۱ ص۹۴ تاج کمپنی

http://mujahid.xtgem.com

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔[۱]

(۲) ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔
ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔[۲]

(۳) ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیوں کہ جسدِ اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضورؐ خود بہ تلبیس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہلِ حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق پہنچتا ہے۔
اس کے بعد حضرتؒ نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:۔
تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں

---

[۱] نیل الصدور ص۱۵۲ امداد الفتاویٰ جلد ۲ ص۱۱۹ راس الاربعین ص۵۱۴ [۲] شکر النعمۃ ص۲۲

http://mujahid.xtgem.com

کھا سکتی. حدیث شریف میں ہے :۔

حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمتِ نکاحِ ازواجِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی اُمتی کو نکاح جائز نہیں. نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں. تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے۔ ان امتیازات سے حیاتِ برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔

بہر حال یہ بات باتفاقِ امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضورؐ کی حیات کا اقرار ہے. چنانچہ ایک واقعہ سے ..... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسدِ اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔[1]

(۴) حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں :۔

خوب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ کو میّت کہہ سکتے ہیں، ورنہ واقع میں

---

[1] وعظ الحبور ص۱۳ راس الربعین ص۵

http://mujahid.xtgem.com

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں. انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں. جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے. حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی. مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے. معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے.[1]

(۵) ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

ایک شخص نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی. میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے. بل احیاءٌ عند ربھم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کر زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں. اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ تائید کے درجہ میں ہے.[2]

(۶) ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیاتِ برزخیہ ثابت ہے. وہ حیاتِ شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیاتِ ناسوتی کے قریب قریب ہے. چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے.[3]

---

[1] تعظیم الشعائر ص ۱۶ [2] الافاضات الیومیہ جلد ۳ ص ۲۱۷ [3] وعظ الظہور ص ۵

http://mujahid.xtgem.com

(۷) ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنصِ حدیث قبر میں زندہ ہیں[1]

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

مدینہ طیبہ جانے والا یوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں[2]

(۸) حضرت حکیم الامتؒ کے ایک خلیفہ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ :-

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرنا :-

یاسیدی یارسول اللہ اشرف علی خویدمک یسلم علیک ویسئلک ان یدعوا اللہ تعالیٰ ان یدخله فی عشاقک وخدام دینک ویحشره معک[3]

(۹) حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ :-

بس اب میں بیان کو اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارتِ قبر شریف کے برکات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا :-

"سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوتے تو عرض کیا۔ السلام علیک یا جدی۔ جواب مسموع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی۔ اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے ؎

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها	تقبل الارض عنی وهی نائبتی
فهذه دولة الاشباح قد حضرت	فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا۔ انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے[4]

---

۱ التکشف صـ۷۴۶ ۲ التبلیغ صـ۳ ۳ القول الجمیل حصہ اول صـ۳ ۴ شکر النعمۃ صـ۲۴ الاضافات جلد ۵ صـ۲۴۳

http://mujahid.xtgem.com

⑦ پھر فرماتے ہیں۔ آپ بنفسِ حدیث قبر میں زندہ ہیں[1]

⑧ مدینہ منورہ جانے والے . . . یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں[2]

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

⑧ ـــــ رئیس المتکلمین، خاتم المحققین، محدثِ کبیر، شیخ الاسلام

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

الانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون[3]

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

ان النبیؐ حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ[4]

ترجمہ۔ بے شک حضور اکرمؐ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اما بعد وفاتہ فروحہ المقدسۃ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ولا یتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقًا علی البدن المبارک المطیب واشراقًا وتعلقًا بہ وبدنہ فی ضریحۃ غیر مفقود واذا سلّم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام کما ورد فی الحدیث

---

[1] التکشف ص۴۲ [2] وعظ التبلیغ ۳ جمادی الاولی ۷، ۳۴ ص [3] فتح الملہم جلد ۳ ص۳۳ [4] ایضاً ص۱۹

عہ قال شیخ الاسلام المراد بقول رد اللہ علی روحہ کانت سابقۃ عقب دفنہ لا انہا تعاد ثم تنزع ثم تعاد کما فی الفتح ص۳۳

http://mujahid.xtgem.com

ولم يفارق الملأ الاعلیٰ ومن كثف دراكه وغلظت طباعة من هذا الادراك فلينظر الى الشمس فی علو محلها[1]

ترجمہ۔ وفاتِ شریفہ کے بعد آپ کی روحِ مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواحِ طیبہ کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ کا اپنی قبرِ شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روحِ اقدس قبر میں رکھے بدن پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدنِ اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا[ع] اور جب بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ اقدس کو آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، جیساکہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ملاءِ اعلیٰ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علوِ محل میں دیکھنا چاہیئے۔

(۹) ــــ محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، رأس الاتقیاء، مفتیٔ اقلیمِ ہند

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح

حضرت مفتی اعظم "المہند" (جس میں مسئلہ حیات النبیؐ ایک مستقل سوال اور جواب کی صورت میں مرقوم ہے) اس پر لکھتے ہیں:۔

رأيت الاجوبة كلها فوجدتها حقة صريحة لا يحوم حول سرادقاتها الشك ولا ريب وهو معتقدی ومعتقد مشائخی۔[2]

---

[1] فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۲۱ [2] المہند ص ۵۲ اعزازیہ

[ع] جیساکہ علامہ قونویؒ کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب

http://mujahid.xtgem.com

ترجمہ. میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے. کوئی شک یا ریب اس کے اردگرد بھی گھوم نہیں سکتا. یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ بھی انہی عقائد پر تھے۔

(۱۰) — رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ اسرارہم

نجدیعہ اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے. بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں. اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو احادِ امت کو ثابت ہے، بعض ان کے حفظِ جسد نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح اور متعدد لوگوں

عہ یہ تصریح ان لوگوں کے لیے مقام عبرت ہے جو محض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام "المہند" کی تصدیق میں لکھ دیئے تھے یا یہ کہ دوسرے اکابر نے "المہند" پر صرف اعتماداً دستخط کر دیئے تھے، عبارات خود نہ دیکھی تھیں. دیکھیے حضرت مفتی صاحبؒ کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں. اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے مسلکی حمایت میں جھوٹ بولا ہے، انہوں نے جوابات خود ہرگز نہ دیکھے تھے، تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں ؎ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

عہ اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں ورنہ متقدمین نجدیہ تو اجماعِ امت کے مخالف نہ تھے. شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں:۔

والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حیّ فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیات الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل اذ ھو افضل منہم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ. (اتحاف النبلاء، ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور)

http://mujahid.xtgem.com

کی زبان سے بالفاظِ کریہہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ در بارہ حیاتِ نبوی علیہ السلام سُنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمایئے کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے۔ جو کہ مشہور بین العالم ہے۔ اس میں کس زور شور سے حیاتِ نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب اہل سنت عہ والجماعت اور فضائل نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے ہیں۔ مولانا گنگوہی قدس سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی تصریح عہ و تائید فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصاً ان حضرات کی عبارتیں بہت طویل واقع ہو رہی ہیں اور متعدد رسالے اسی مضمون کے تفصیلاً و اجمالاً چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بخوف تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے "آبِ حیات" و "ہدیۃ الشیعہ" و "اجوبۂ اربعین" و "لطائف قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ" و "زبدۃ المناسک" وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے، جس میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال و نزاع کی نوبت آئی۔ اس مسئلہ میں اور مسئلہ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز ہوتا ہے عہ پھر لکھتے ہیں:۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ حیات النبیؐ کا عقیدہ ضروریاتِ مذہب اہل سنت میں سے ہے جو اس کا قائل نہیں، وہ دائرہِ اہل سنت سے خارج ہے۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیات النبیؐ میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مابین کوئی اختلاف نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ حیات النبیؐ کے اقرار سے ہی کسی کا سُنی ہونا پہچانا جاتا ہے۔

لہ رجوم المدنیین ص۴۸، ۴۹ مطبوعہ بمبئی جوب برقی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

http://mujahid.xtgem.com

یہ روایت دوامِ حیات پہ دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی
اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پہ اندرونِ نماز اور بیرونِ
نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوامِ حیات لازم آئے گا۔[1]

محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور
کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین
اہل السنۃ و بینہم) ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں
وہ وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقائے "علاقہ
بین الروح والجسم" کے منکر ہیں۔ اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ
مثبت[عہ] بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پہ دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد
رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آب حیات" نہایت
مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبہ
اربعین" حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز
اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔[2]

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳/۲۴۴ مطبوعہ اعظم گڑھ [2] نقشِ حیات جلد ۱ ص ۱۰۴

عہ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیاتِ جسمانی اور بقاء علاقہ "بین الروح والجسم" کے منکر اہلسنت
میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ عہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف
یہی نہیں کہ آنحضرتؐ کے تعلق بین الروح والجسم کا اقرار کر لیا جائے۔ بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت
ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و قوت صرف کرنا ضروری
ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیامِ عبرت ہے جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر
اس کے اثبات میں مصلحۃً خاموش ہیں۔ عہ معلوم ہوا کہ آب حیات لکھنے کی غرض محض ردِ روافض ہی نہیں جیسا
کہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اصل مقصد عقیدہ حیات النبی کا اثبات تھا۔

http://mujahid.xtgem.com

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز نے آں حضرتؐ کی شانِ مبارک میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معلّٰی تک جلیل القدر علمائے امت کا طائرِ فکر بھی پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ رسالہ "آبِ حیات"، "قبلہ نما" "تحذیر الناس"، "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبہ اربعین" و "قاسم العلوم"، "مناظرہ عجیبہ" وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں[1]

دس اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا بیان ختم ہوا۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

(۱) ــــ صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت و طریقت حضرت العلامہ الحاج

القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں:-

مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاوے، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے۔ دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرتؐ کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیامِ دار العلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دُنیوی (کہ اس عالمِ برزخ کی حیات اسی جسدِ اطہر میں ہے، جو اس دُنیا میں تھا) ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد

[1] نقشِ حیات جلد ۱ صفحہ ۱۰۱

http://mujahid.xtgem.com

سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو اُن کے مطبوعہ فتاویٰ و مقالات میں محفوظ ہے۔

پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے اساتذۂ دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں، اس لیے دیوبندیت تو حیات النبیؐ کے بارے میں حیات دُنیوی (باعتبارِ ابدانِ دُنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔[1]

نحمدہ ونصلی، احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو "المہند" وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسدِ عنصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند حال وارد ملتان

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"آبِ حیات"، وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے درساً درساً پڑھی ہے۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن و ذکا فرمایا کہ میرے بس

---

[1] الصدیق، ملتان شمارہ ۳ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ یہ اصل تحریر مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان میں موجود ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟

...... حاصل یہ ہوا کہ سرورِ عالم ہر آن مشاہدہ جمالِ الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لحظہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں۔ یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارفِ کامل حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا، تو اس نے سرورِ عالم کو اس حال میں پایا:۔

ورأیته مستقرا علی حالة واحدة ..... متوجها الی الخلق لابسا لباس العظمة ...... فاذا توجه الیه انسان بجهد همته ولا ارید الانسان العالی الهمة فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی شیٔ ویتوجه الیه بقصده وشوقه فانه یتدلی الیه ...... ورأیته صلی الله علیه وسلم ینشرح انشراحا عظیما لمن صلی الله علیه وسلم ومدحه۔

ترجمہ: میں نے سرورِ عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگانِ الٰہی کی طرف متوجہ تھے پوری توجہ کے ساتھ عظمت و بڑائی کا لباس آپ کے زیبِ تن تھا جب کوئی خدا کا بندہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالم اس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور پر درود و سلام بھیجا اور آپ کی تعریف کی، تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے اُن کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے، یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب

؎ جو شبہات منکرینِ حیات کی طرف سے حدیث "ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی" پر وارد کئے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمانے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

"فیوض الحرمین" میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(مضمون حضرت العلامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

ربیع الاول ۷۳ھ ــــــ ۱۹۵۳ء

②ــ زبدۃ المحدثین شمس العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

ــــ دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور ــــ

مکرم و محترم مدّ فیوضکم   بعد سلام مسنون

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنا، جو نہ تو مفتی نہ مولوی۔ اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے اسی کو ادھر اُدھر نقل کرتا رہتا ہوں اسی کا نام شرح مؤطا ہے، یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ تیری تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں، وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کرسکتے ہیں۔ بہر حال یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائپوری حضرت تھانوی قدس اللہ اسرارہم نے بلا کسی اجمال کے "ھذا معتقدنا و معتقد مشائخنا" لکھا ہے۔ کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جاسکے

عہ فیوض الحرمین ص۲۳ پھر یہ بھی فرماتے ہیں۔ ما توجھت قبل قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا ورایتہ حاضرًا ظاھرًا ما بان انفتح بصور رحوحی فرأیتہ علی ما ھو واما ان تأثرت نفسی منہ تأثرا۔

(فیوض الحرمین ص۲۳ مطبوعہ دیوبند)

http://mujahid.xtgem.com

جو نصوص آپ نے ممات کے متعلق لکھی ہیں۔ ان سے کوئی پڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟ بالخصوص جن حضرات کی راتیں ہمیشہ تلاوتِ قرآن اور دن ساری عمر تدریسِ بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں گذریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتدبہ حصہ تدریسِ حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کے علوم و معارف کر سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی نہ تو قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیثِ پاک میں کوئی ممات والی روایت ان کی نظر سے گذری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "فانهم علیٰ علم وقفوا وببصر نافذ کفوا وهم علیٰ کشف الامور کانوا اقویٰ[1] وبفضل ما کانوا فیه اولیٰ فما دونهم من مقصر وما فوقهم من محسر وقد قصر قوم دونهم فجفوا وطمح عنهم اقوام فغلوا وانهم بین ذٰلك لعلیٰ هدًی مستقیم"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ سلف صالحین کے خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی "ان من ورائکم فتنا یکثر فیها المال ویفتح فیها القرآن حتیٰ یاخذه المؤمن والمنافق والرجل والمرأة والکبیر والصغیر والعبد والحر فیوشك قائل ان یقول ما للناس لا یتبعونی وقد قرأت القرآن ما هم بمتبعی حتیٰ ابتدع لهم غیره فایاکم وما ابتدع الخ" لہٰذا یہ ناکارہ تو حذو النعل بالنعل ان حضرات

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۶ کتاب السنۃ

http://mujahid.xtgem.com

کا جامد متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف ہے، تو وہ لغو ہے، ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جیسا حیات کے درجات متفاوت ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں، جیساکہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح ممات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا اطلاق کیا گیا سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا" وارد ہے، قرآن پاک میں "اللہ یتوفی الانفس حین موتہا" الآیۃ میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا۔ "لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ" میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا اطلاق کیا گیا۔ ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں بھی وہی موت مراد ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان ہے۔ خود حضرت عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں، اس کی واضح تائید کرتے ہیں، اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوعِ ممات کے بھی قائل نہ تھے، چنانچہ ان کا ارشاد "ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی واللہ ما مات ولکن ذھب الی ربہ کما ذھب موسٰی ابن عمران واللہ لیرجعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما رجع موسی فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم زعموا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات" بیہقی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت وکذلک جعلنکم امۃ وسطا الآیۃ کے متعلق فرماتے ہیں "واللہ ان کنت اظن انہ صلی اللہ علیہ وسلم سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ باخر اعمالھا وانہ

http://mujahid.xtgem.com

ھوالذے حملنی علیٰ ان قلت ما قلت "، لہٰذا شیخینؓ کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکلیہ انکار فرماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا ردّ بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجوہ سے ہے کہ نوع خاص من الحیات فی الجسد الاطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجساد انبیاء کے بقاء کے قائل ہیں، جیساکہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے " فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ "، اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔ قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بلیت "، اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں ان اللہ حرم الخ آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوٰۃ کی نہیں، تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال " کیف تعرض " کا جواب کیسے بن گیا، روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علیٰ شرط البخاری بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا، ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت قبر اطہر کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرش معلّٰی سے افضل ہے۔ کیا یہ فضیلت صرف اس جسد اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر موئے مبارک جو کبھی جسد اطہر پہ پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال یہ ناکارہ تو اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ " المہند " میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح

http://mujahid.xtgem.com

ہو گیا مختصر نمبر وار بھی عرض ہے لیکن آپ نے ص۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے ص۶ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسبِ ذیل ہیں:۔

صفحہ نمبر ۵۔

(۱) —— اجسادِ انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔

(۲) —— یہ ظاہر ہے کہ حیوٰۃ تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے، بغیر تعلقِ روح کے حیاۃ کا کیا مطلب؟

(۳) —— اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی؟ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں عہ "نحن نؤمن ونصدق بانه صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ"

(۴) —— ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابلِ اقتداء ہے یا نہیں، بے محل ہے، علامہ سخاویؒ تو امام بیہقیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں عہ قال البیہقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃؓ انه لقیھم ببیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ ومالک بن صعصعۃ فی قصۃ المعراج انه لقیھم فی جماعۃ من الانبیاء بالسموات فکلمھم وکلموہ وکل ذلک صحیح لا یخالف بعضھم بعضاً فقد یریٰ موسیٰ علیه السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الیٰ بیت المقدس کما اسریٰ بنبینا فیراھم فیه ثم یعرج بھم الی السموٰت کما عرج بنبینا فیراھم فیھا کما اخبر قال وحلولھم فی اوقات مختلفۃ لمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد به خبر الصادق وفی کل ذلک دلالۃ علیٰ حیوتھم، یہ تو بہت ہی صاف ہے لیکن اگر یہ حضرات

عہ القول البدیع ص۱۲۵ عہ ایضاً ص۱۲۶

http://mujahid.xtgem.com

اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواضع میں روح متمثل ہو جیساکہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

⑤ —— جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدسؐ اس کو سنتے ہیں۔ "من صلی علیّ عند قبری سمعته"، نص صریح ہے، علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے "سند جید" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا، تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

① —— یہ اُوپر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیوٰۃ ہے۔

② —— یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجسادِ انبیاء میں ایک خاص نوع حیوٰۃ کی ہے۔

③ —— مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت رائپوریؒ وغیرہ کا یہ ارشاد "ھذا معتقدنا ومعتقد مشائخنا" واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتیٔ اعظم نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت گنگوہی رحمہ قدس سرہٗ سے "انك ميت" الآیہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تعبیر سے بھی اُونچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرامؑ کی ارواح مشاہدۂ جمال و جلالِ حق تعالیٰ شانہٗ و تقابلِ

عہ دیکھو شفاء السقام ص۱۴۹

http://mujahid.xtgem.com

آفتابِ وجودِ باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکمِ روح پیدا کرلیتا ہے اور تمام جسم ان کا عینِ ادراک اور عینِ حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجیے کہ ہم ناواقف ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

(۴) معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد ہے۔ یقیناً مہند میں جو ہے صحیح ہے۔ شہابِ ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

(۵) حضرت رائپوری دام مجدہم بار بار زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابرِ دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور بھی کسرِ نفسی کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کا نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابرؒ کے مقابلے میں کیا چیز ہوں۔

نوٹ: علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو دیگر اہلِ فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دوسرے اکابر کے خلاف ہوگی، تو رد کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقول سے اونچے ہیں۔ اردو رسائل و اشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لا یدرک الصبی مدارك العالم۔ ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط والسلام

زکریا بقلم خود مظاہر العلوم سہارنپور ۲۵ رجب ۸۰ھ

http://mujahid.xtgem.com

③ — فخر المحدثین و الفقہاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

من ینکر حیاته صلی اللّٰہ علیه وسلم فی قبره ..... کان فؤاده فارغاً من حبه و عقله خالیاً من لبه[1]

ترجمہ: جو شخص حضور اکرمؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا دل حضورؐ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

④ — زبدۃ الفقہاء بدر الادباء حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب

دامت برکاتہم۔ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

رسالہ "رحمتِ کائنات" مصنفہ مولانا زاہد الحسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہلسنت والجماعۃ کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثارِ حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایۂ سعادت دنیا و آخرت ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا نکلی۔ جمہور علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] اعلاء السنن جلد ۱۰ ص ۳۲۹

http://mujahid.xtgem.com

وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اُن کی حیاتِ برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیاتِ دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازواجِ مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقیؒ کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایاتِ حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقیؒ نے فرمایا ہے۔ "والحیاۃ الانبیاء بعد موتھم شواھد من الاحادیث الصحیحۃ" اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔ اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور "شفاء السقام" میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفات کے حیاتِ جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے:-

وقد ذکرنا من جماعتہ من العلماء وشھد لہ صلوٰۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوٰۃ یستدعی جسداً معہا وکذٰلک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونہا حیاۃ حقیقۃً ان یکون الابدان معہا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذٰلک من الصفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد یکون لھا حکم اٰخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاۃ الحقیقیۃ بھم۔ (شفاء الاسقام من السبکی

http://mujahid.xtgem.com

اس کے بعد شہداء کی حیاتِ برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلم یبق الا انہا حیاۃ حقیقیۃ الآن وان الشہداء احیاء حقیقۃ وھو قول جمھور العلماء لکن ھل ذلک للروح فقط او للجسد معہا فیہ قولان۔

اس کے بعد اس قولِ ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیاتِ حقیقی صرف روح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لیے برزخ میں حیاتِ حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ و اقوی ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثلِ حیاتِ دنیوی کے ہے جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگانِ دیوبند کا ہے۔

(۳، ۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیاتِ روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں، اتباعِ سلف و جمہور اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

(۵) ـــــ محدثِ کبیر فقیہہ شہیر جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

ـــــ دامت برکاتہم مفتیِ اعظم دارالعلوم دیوبند ـــــ

الجواب:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزارِ مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں

http://mujahid.xtgem.com

آپ کے مزارِ مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزارِ مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ و روحہٖ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔

انّ اللّٰہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔ (الحدیث) وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلّی علیّ من بعید اعلمتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جیّدا۔ (القول البدیع) عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الانبیاء صلوٰۃ اللّٰہ علیھم احیاء فی قبورھم یصلّون رواہ ابن عدی والبیہقی وغیرھما۔

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزارِ مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزارِ مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہٗ: السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند ۱۳ ۵/۶ ھ

۵۰۳ الف : الجواب:۔

اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ اُن کی ارواح کو ان کے اجسامِ مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی

ل شفاء الاسقام ص۱۳۴

http://mujahid.xtgem.com

ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ ان کی قبور پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں:-

قال الشیخ الکبیر ابو عبد اللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب ضریح الخلیل علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام تلقانی فقلت یا رسول اجعلنی ضیافتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعا لھم ففرج اللہ عنھم فقال الیافعی نقولہ تلقانی الخلیل قولہ حق لا ینکرہ الا جاھل بمعرفۃ مایرد علیھم من الاحوال التی یشاھدون فیھا ملکوت السمٰوات والارض وینظرون الانبیاء احیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی[1] ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ۔[2]

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی اپنے مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے۔ بکر کا قول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہلسنت والجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ، شرح زرقانی، انباء الاذکیاء، الخصائص الکبریٰ، شرح اللباب، شفاء السقام وغیرہ ذلک من الکتب۔

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج

---

[1] الفتاوی الحدیثیہ [2] الاختیار شرح المختار جلد ا ص ۱۷۳

http://mujahid.xtgem.com

ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۵/۵/۸۷ھ

(۲) — رأس الاتقیاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرۃ مولانا نصیر الدین غورغشتی

دامت برکاتہم، خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی واں بھچروی؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اولادِ آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانھم میتون۔ کل من علیھا فان اعلانِ خداوندی سے تمام بنی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوعِ حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو "قدمونی۔ قدمونی" مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا۔ قبر میں عذاب اور ثواب۔ یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان "احیاء"، "حیاتِ میت" کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سردار انبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان

http://mujahid.xtgem.com

درود شریف جہراً سلام ڈالے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرمؐ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سُنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غورغشتوی[1]

⑦ بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مجاہد کبیر، شیخ التفسیر حضرۃ مولانا احمد علی صاحب لاہوری دامت برکاتہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنّت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اس عقیدہ حیات النبیؐ کا منکر نہیں ہو سکتا جن کی

---

[1] ہ

http://mujahid.xtgem.com

باطن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ اُن کے نزدیک تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روضہ اطہر کی حیات بدیہیات میں ہے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

(۸)— رئیس الاتقیاء اسوۃ الصلحاء شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری دامت برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔

(ارشاد حضرت رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

(۹)— دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم

الجواب:

صریح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو لبعہائے نور اور دریچہائے جنت ہیں۔ حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ الا فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں "حیاتِ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را درو خلافے نیست۔ حیاتِ جسمانی دُنیاوی حقیقی نہ حیاتِ معنوی روحانی۔ چنانکہ شہداء راست" اور حضرت محدث گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاوے میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزارِ مبارک کے پاس استشفاع بھی

http://mujahid.xtgem.com

کرسکتے ہیں. کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ اس استشفاع اور طلبِ دُعا جناب باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیاتِ انبیاء فی القبور کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع کا انکار ہے اور سخت بدعتِ اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہر حال اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے انکار کیا، تو جہالت محضہ واجب الاجتناب ہے اور اگر احادیث کثیرہ اور اجماعِ امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۷ر جون ۱۹۵۹ء

حیات النبیؐ کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرتؐ پر ورودِ موت کے قائل نہیں۔ اس کے ازالہ اور حیات بعد الوفات کے اثبات و استمرار پر یہ دسواں بیان لیجئے :۔

(۱۰) سلطان المناظرین عمدۃ المحققین بقیۃ السلف حجۃ الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم

پٹی[1] ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں :۔

کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لیے بھی روحِ مبارک جسدِ اطہر سے جدا نہیں ہوئی، کہاں تک صحیح ہے ؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں ۔"

تحقیق : یہ غلط خیال ہے اور نصوص قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور شاید ایسا خیال کرنے والوں کو مسئلہ حیات النبیؐ کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر "موت" کا نفسِ ورود ایک ناقابلِ انکار بلکہ ناقابلِ شک و ریب حقیقت ہے قرآن مجید

---

[1] یہ ۵۸ھ کی تحریر ہے جب ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

http://mujahid.xtgem.com
http://mujahid.xtgem.com

میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کل نفسٍ ذائقۃ الموت (ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ انک میت وانھم میتون (زمر ۴) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دوچار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں" پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں۔ از اں جملہ حضور کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لاالہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ حتی قبض ومالت یدہ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اُٹھایا اور فرماتے تھے "آپ رفیق اعلیٰ میں" یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آگیا)۔

http://mujahid.xtgem.com

نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں:۔

قالا لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغسل اختلفوا فی دفنہ فقال ابوبکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما قبض اللہ نبیًا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ۔ ادفنوہ فی موضع فراشہ للترمذی۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ۔ دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقامِ دفن کے بارہ میں اختلافِ آراء ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کرتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہتے

http://mujahid.xtgem.com

ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیئے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے نکلا واکرباہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا لاکرب علی ابیک بعد الیوم، انہ قد حضر من ابیک ما لیس اللہ بتارکٌ احداً۔ الحدیث (بیٹی آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آگیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں)۔

اور وفات نبویؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ از انجملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبویؐ کی خبر پہنچی تو آپ سیدھے حضورؐ کے پاس آئے۔ پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا۔

بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا۔

ترجمہ۔ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی ہے وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرتؐ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اُٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ "ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آگئی"۔

http://mujahid.xtgem.com

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں۔ پہلی دفعہ اس دنیا میں اُن پر موت وارد ہوتی ہے، پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پہ وارد ہو گئی۔ اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح اُن پہ دوبارہ موت طاری نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم

اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبویؐ کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے۔ واللہ مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وقال "فانک میت وانھم میتون" وقال تعالیٰ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئًا وسیجزی اللہ الشاکرین۔

ترجمہ۔ جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ وفات پا گئے۔ اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں (پھر وفات نبوی کے ثبوت میں) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "آپ کو بھی (اے رسولؐ!) موت آنی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں (نیز صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حی و قیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں گمراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا) اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔"

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ صحابہ کرامؓ کے بھرے مجمع میں دیا۔ اور کسی نے اس کے کسی جزء پر کوئی تنقید نہیں کی۔ بلکہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ابوبکرؓ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔"

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کے عام قانون کل نفسٍ ذائقۃ الموت کے ماتحت موت جاری ہوئی (اور "وہ موت" بنصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور دوسری طرف گویا صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔ لہٰذا سوال میں کسی کا جو "خیال" ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں "حیات النبی" کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ "علماء کرام" جو "حیات النبی" کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدسؐ کو حیات بخش دی گئی ہے۔ غالباً متقدمین میں امام بیہقی[1] پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل

---

[1] امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیاً ابلغتہ۔

ترجمہ۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھے گا میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ

http://mujahid.xtgem.com

رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے:۔

ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص۳۳۲)

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

(فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

ملا علی القاریؒ اپنی کتاب الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویہ میں فرماتے ہیں:۔

ومن اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً ورد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی او یسلم علیہ من بعید فان ذلک لا یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء عنہ بسند جید من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ۔

ترجمہ۔ زیارۃ قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا فرماتے ہیں بجز اس شخص کے جو دور سے درود وسلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (از تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء)

ملا علی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند جید کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

http://mujahid.xtgem.com

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک جلیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں. آپ نے اپنی مشہور کتاب "شفاء السقام" میں "حیات انبیاء" پر ایک مستقل باب لکھا ہے. جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ "قرآن عزیز صاف حضورؐ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانھم میتون) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں. انی مقبوض (میں قبض کیا جاؤں گا). اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں. ان محمدًا قدمات (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جا سکتا ہے. پھر خود ہی جواب دیتے ہیں :-

یقال انه موت غیر مستمر وانه احیی بعد الموت۔ (شفاء السقام ص۱۴۲)

ترجمہ جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضورؐ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما دی۔

بہرحال حیات انبیاء کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر "موت" قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی. بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات (مع الجسد) بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح وسالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

ھٰذا الجواب ویتوب اللہ علیٰ من تاب۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا. پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سند جید سے مانا گیا ہے. پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبد الرحمٰن کیملپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی :-

"میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع

http://mujahid.xtgem.com

ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔" (از تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقید حیات ہیں۔ وکفیٰ بھم شرفاً وفضلاً۔

ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضورؐ کے سماع حقیقی کی تشریح کی گئی ہے۔ وھوالحق والحق احق ان یتبع۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی (واں بھچراں) نور اللہ مرقدہ نے سلانزالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے بیٹھ کر سنیں اور فرمایا: مسلک دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر میرے سامنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسلک برحق ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلانزالی کے مناظرہ کے لیے چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے ملاقات نہ کروں۔ وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریر سنیں اور حضرت سے میری ملاقات چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور علماء دیوبند کا مسلک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی کبھی کھلے بندوں حیات النبی کا اقرار نہ کرتے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمبلپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سرپرست بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے۔ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ ان بیس بڑے مسلمانوں کی تشریح و تفصیل کے مقابلے میں ایک بدعی عقیدے کی اشاعت اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم و دیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سرخدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

http://mujahid.xtgem.com

صورة ما كتبه اكابر العلماء وجهابذة الفضلاء ممن تولى الدرس والافتاء فى عقيدة حياة الانبياء

پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلاواسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاۃ انبیاء پر آبِ حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ المہند علی المفند بھی اہلِ انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی ہے اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

○ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
○ عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خٹک
○ محمد رسول خان عفا اللہ عنہ
○ شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ
○ محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ
○ (مفتی) محمد حسن عفا اللہ عنہ
○ خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ
○ (مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور
○ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ
○ محمد عبداللہ درخواستی عفا اللہ عنہ (خانپور)

http://mujahid.xtgem.com

پنجاب کی رُبع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جا سکا۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علمِ دین کی خدمت کر رہے ہیں، مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا۔ اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سرِ مو بھی آگے نہیں نکلے۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلاء دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں، مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعتِ دیوبند میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کچھ علماء حیاتی ہیں اور کچھ مماتی ــــ پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے ــــ دارالعلوم دیوبند کوئی آثارِ قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جا سکے اور حقیقتِ حال معلوم نہ کی جا سکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف پہ بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف کے دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصلحت نہ تھی۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے

http://mujahid.xtgem.com

غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الربیع الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسلک پہ جم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے جھٹ اس پہ دستخط کر دیئے۔ اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیرِ بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پہ پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پہ جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آراء رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴/ج کے تحت ۱۴۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پہ دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پہ ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے

اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آ گری ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو ضرور پڑھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہ فتوےٰ مقام حیات کا ہی ایک دوسرا مختصر پیرایہ ہے۔ ماثبتنا اللہ علی ھذہ العقیدۃ اصلاً و فرعاً۔ مؤلف عفا اللہ عنہ

http://mujahid.xtgem.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶۸۴
ج

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) —— کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سردارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف میں دُنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں —؟

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

۹۲

الجواب بعون ومنہ الصواب

حامداً ومصلیاً

تمہید —— سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگانِ دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دُنیا میں معروف و مشہور ہیں۔ مثلاً ۱۔ آبِ حیات۔ ۲۔ جمالِ قاسمی۔ ۳۔ نشر الطیب۔ ۴۔ الشہاب الثاقب۔ ۵۔ المصالح العقلیہ۔ ۶۔ فیض الباری۔ ۷۔ المہند علی المفند۔ ۸۔ تسکین الصدور۔ ۹۔ متفقہ اعلان۔ ۱۰۔ مقامِ حیات وغیر ذلک —— پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرما دیئے —— عبارت مجوزہ یہ ہے:-

http://mujahid.xtgem.com

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعثِ صد افسوس بھی فیا للعجب ویا حسرتاہ۔

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشتت و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزتِ نفس اور شرافتِ ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

خدا اصلاحِ اعمال کی توفیق بخشے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں:-

(۱) —— جی ہاں ——

تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیاتِ برزخی حیاتِ دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوتِ نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیاتِ برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصولِ شریعت، کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ ادلۂ ثلثہ پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:-

http://mujahid.xtgem.com

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃً، دلالۃً اور اقتضاءً) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجبِ طول بھی — اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جارہا ہے:۔

(۱) واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الٰھۃ یعبدون۔ (پ۲۵ الزخرف)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

یستدل بہ علیٰ حیات الانبیاء[1]

(۲) ولقد اٰتینا موسی الکتٰب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔ (پ۲۱ الم السجدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب سو اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:۔

معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار[2] — اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں۔ لہذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے — یہاں اصول فقہ کا یہ مسلمہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت و استدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

(۳) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون۔

(پ۲ البقرہ آیت ۱۵۴ ع ۱۹)

---

[1] مشکلات القرآن ص۲۳۴ و ہکذا فی الدر المنثور جلد ۶ ص۱۶ روح المعانی جلد ۲۵ ص۸۹ جمل جلد ۴ ص۸۸ شیخ زادہ جلد ۳ ص۲۹۸ خفاجی جلد ۷ ص۴۴۴ [2] موضح القرآن ص

http://mujahid.xtgem.com

④ بل احیاء عند ربهم یرزقون فرحین بما اٰتاهم الله من فضله (پ۴ آل عمران آیت ۱۶۹)

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا۔

واذا ثبت انهم احیاء من حیث النقل فانه یقویه من حیث النظر کون الشهداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشهداء۔[1]

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمائیے: حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالۃ النص یعنی درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

⑤ فلما قضینا علیه الموت ما دلهم علیٰ موته الا دابة الارض تاکل منسأته۔ (پ۲۲ السباء)

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھا لینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

① حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔[2]

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور

---

[1] فتح الباری جلد ۶ ص ۳۷۹ [2] شفاء السقام ص ۱۳۴ حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱

http://mujahid.xtgem.com

اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں ـــــ یہ روایت بدون سند الخصائص الکبریٰ[1] میں اور مسند ابو یعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری[2] اور فتح الملہم[3] میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اسماء الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

وصححه البيهقي[4] امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

ووافقه الحافظ في المجلد السادس[5]

امام بیہقی کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں[6]

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ :۔

رجال ابي يعلى ثقات[7] ابو یعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں :۔

وهو حديث صحيح[8] یہ حدیث صحیح ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں :۔

يصح خبر الانبيا احياء في قبورهم[9] الانبیاء احیاء فی قبورھم کی حدیث صحیح ہے۔

ملا عبد الرؤف مناوی لکھتے ہیں :۔

هذا حديث صحيح[10] یہ حدیث صحیح ہے۔

---

۱ الخصائص الکبریٰ ص۲۸۱ ۲ فتح الباری ص۳۵۲ ۳ فتح الملہم جلد۱ ص۳۲۶ ۴ فتح الباری جلد۱۰ ص۱۵۱ ۵ فیض الباری جلد۲ ص۶۴
۶ فتح الملہم جلد۱ ص۳۲۹ ۷ مجمع الزوائد جلد۸ ص۲۱۱ ۸ السراج المنیر جلد۲ ص۱۳۴ ۹ مرقاۃ المفاتیح جلد۲ ص۲۱۲ ۱۰ فیض القدیر جلد۳ ص۱۸۴

http://mujahid.xtgem.com

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :۔

ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔[1]

امام ابو یعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں :۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں :۔

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیہقی۔[3]

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقی رہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں :۔

رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححہ۔[4]

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ جذب القلوب صفحہ ۱۸۰ [2] تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین صفحہ ۲۸ [3] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۴۲
[4] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵

http://mujahid.xtgem.com

ابویعلی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔[1]

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابویعلی کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

ما من احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیہ السلام[2]

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی فرماتے ہیں کہ : وھو اعتماد صحیح[3]

(امام ابوداؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے) اور یہ اعتماد صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ : رواتہ ثقات[4]

علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ : اسنادہ حسن[5]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ : صححہ النووی فی الاذکار[6]

---

[1] فضائل درود شریف ص ۳۷ [2] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۹ واللفظ لہ مسند احمد جلد ۲ ص ۵۲۷ [3] شفاء السقام ص ۱۰۵ [4] فتح الباری پ ۳ ص ۲۷۹ [5] السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۷۹ [6] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴

http://mujahid.xtgem.com

امام نوویؒ فرماتے ہیں :۔ بالاسناد الصحیح۔[1]

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔ وھو حدیث جید۔[2]

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں :۔ بالاسناد صحیح۔[3]

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات۔[4]

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں :۔

وروی ابوداؤد بسند صحیح۔[5]

مولانا انورشاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں :۔ رواتہ ثقات۔[6]

امام سخاویؒ فرماتے ہیں :۔

روی احمد وابوداؤد والطبرانی والبیھقی باسناد حسن بل صححہ النووی فی کتاب الاذکار وغیرہ۔[7]

اور علامہ محمد بن محمد الفاجی البوسنویؒ فرماتے ہیں :۔

قال النووی فی الاذکار وریاض الصالحین اسنادہ صحیح وصححہ ایضا ابن القیم۔[8]

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین اور تصحیح کرتی ہے۔

(۳) حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ان من افضل ایامکم یوم الجمعہ فیہ خلق ادم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ

---

[1] کتاب الاذکار ص۱۰۶ [2] فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴ ص۳۱۲ [3] زرقانی شرح مواہب ج۵ ص۳۲۸ [4] دلیل الطالب ص۸۴۳ [5] وفاء الوفاء ج۲ ص۴۰۳ [6] عقیدۃ الاسلام ص۵۲ [7] فتح الملہم ج۱ ص۴۲۳ [8] القول البدیع ص۱۶۱ [9] حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص۶

http://mujahid.xtgem.com

علي قال قالوا وكيف تعرض صلوتنا عليك وقد ارمت قال. يقولون بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء[1]

بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پہ درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پہ پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پہ پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

وصححه ابن خزيمة وغيره[2]

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:-

ومن تامل في هذا الاسناد لم يشك في صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الائمة حديثهم[3]

اور یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں۔[4]

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:-

صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء۔[5]

---

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰ واللفظ له. والدارمی ص ۱۹۵ والنسائی ج ۱ ص ۱۵۴ مستدرک ج ۱ ص ۲۷۸ ج ۴ ص ۵۶۰ موارد الظمآن ص ۱۴۶ وابن ماجہ ص ۷۷ وسنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹ المصنف لابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۵۱۶ [2] فتح الباری ج ۶ پ ۲ ص ۲۷۹ [3] جلاء الافہام ص ۴۲ [4] الصارم المنکی ص ۱۴۵ [5] عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۴۹

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء۔[1]

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں:۔ انہ حسن۔[2]

اور علامہ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں:۔ انہ حسن صحیح۔[3]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔ حدیث صحیح۔[4]

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:۔

فانہ صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔[5]

اصول حدیث کے اعتبار سے یہ حدیث بھی بالکل صحیح ہے بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پہ دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔[6]

(۴) حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

فنبی اللہ حی یرزق۔[7]

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں:۔ اسنادہ جید۔[8]

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں:۔ ورجالہ ثقات۔[9]

---

[1] کتاب الروح [2] القول البدیع ص۱۱۹ [3] ترجمان السنۃ جلد۳ ص۲۹۷ [4] مدارج النبوۃ ج۲ ص۴۳۰ [5] خزائن ص۱۹ [6] مستدرک حاکم ج۱ ص۵۴۳ [7] سنن ابن ماجہ ص۱۱۹ [8] ترجمان السنۃ ج۳ ص۲۹۷ [9] السراج المنیر جلد۱ ص۱۲۹

http://mujahid.xtgem.com

علامہ مناویؒ کا ارشاد ہے :- قال الدمیری رجالہ ثقات [1]

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں :-

رواہ ابن ماجۃ برجال ثقات [2]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :- قلت رجالہ ثقات [3]

اور علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ :-

رواہ ابن ماجۃ باسناد جیّد [4]

ملا علی قاریؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

باسناد جیّد نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ [5]

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں :- باسنادہ جیّد [6]

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں :- باسنادہ جیّد [7]

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان للّٰہ ملٰئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام [8]

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں :- حدیث صحیح [9]

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں :-

رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح [10]

---

[1] فیض القدیر جلد ۲ ص ۸۷ [2] زرقانی شارح مواہب ص ۲۳۶/۵ [3] تہذیب التہذیب ص ۲۹۸/۳ [4] خلاصۃ الوفا ص ۴۸ [5] مرقات ص ۱۱۲/۲ [6] نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۶۴ [7] عون المعبود ص ۲۵۴/۱ [8] نسائی ص ۱۴۳/۱ مسند احمد ص ۴۴۱/۱ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۱۷/۲ دارمی ص ۳۱۱ موارد الظمآن ص ۵۱۴ مشکوٰۃ ص ۸۶ البدایہ والنہایہ ص ۱۵۴/۱ الجامع الصغیر ص ۹۳/۱ خصائص الکبریٰ ص ۲۸۰/۲ [9] السراج المنیر ص ۵۱۸ [10] مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۴

http://mujahid.xtgem.com

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ صحیح[1]

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:۔

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیھقی والمنذری وابن حبان والحاکم

فی صحیحہا وقال صحیح الاسناد۔[2]

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بلکہ علامہ سمہودیؒ

اور علامہ ابن عبد الہادیؒ کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے مختلف طرق سے

اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔[3]

یہاں تک شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے:۔

ومتواتر رسیدہ ایں معنی۔[4]

⑤ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

من صلی عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعیدا علمتہ۔[5]

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے

مجھ پہ دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں) کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند بطریق ابو الشیخ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

بسند جید۔[6]

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ وبسند جید۔[7]

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ بسند جید۔[8]

---

[1] مستدرک حاکم ص۴۲۱ ج۲ [2] القول البدیع ص۱۱۵ [3] وفاء الوفاء ص۴۰۲ [4] الصارم المنکی ص۱۶۸ [5] فتاویٰ عزیزی ص۱۶۸ ج۲ [5] جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص۱۹ [6] فتح الباری ص۳۵۲ ج۲ [7] القول البدیع ص۱۱۶ [8] مرقات ص۱۰ ج۲

http://mujahid.xtgem.com

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں۔ اسنادہ جید۔[۱]

اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔[۲]

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے ــــ ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔

ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید والصحیح۔[۳]

چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے چند احادیثِ صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے) اس لیے امام سیوطیؒ نے تواتر کا دعوے کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًّا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علیٰ ذٰلک۔[۴]

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعوے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ان من جملۃ ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم۔[۵]

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔[۶]

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

---

[۱] دلیل الطالب ص۸۴۲ [۲] فتح الملہم ص۲۳۰ ج۱ [۳] تدریب الراوی ص۱۰۱ [۴] انباء الاذکیاء ص۲ فتاویٰ امام سیوطی ص۱۴۷ ج۲
[۵] النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح ابو سنوی ص۴ [۶] المنحۃ الوھبیہ ص۱۱

http://mujahid.xtgem.com

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے۔ تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے ـــــ جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ

تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام

اپنی اپنی قبروں میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں ـــــ اور اہل السنۃ والجماعت کلی طور پہ چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱. مفسرین ۲. محدثین ۳. متکلمین اور ۴. فقہاء۔ اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے ـــــ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پہ ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب ما بقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

http://mujahid.xtgem.com

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

ان حیاته صلی الله علیه وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیاً و الانبیاء احیاء فی قبورهم[له]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم اسلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے۔ جس پہ موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں:۔

له فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳

http://mujahid.xtgem.com

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء۔[1]

ہاں! حضراتِ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:۔

ان اللہ جل ثناءہ رد الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربہم کالشھداء۔[2]

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح اُن کی طرف لوٹا دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں:۔

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون۔[3]

قابلِ اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دُنیا میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابلِ اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:۔

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشھداء التی اخبر اللہ

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ [2] حیاۃ الانبیاء صفحہ ۱۴ وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۴ زرقانی جلد ۵ صفحہ ۳۳۲ [3] شرح شفاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

http://mujahid.xtgem.com

بہا فی کتابہ العزیز[1]

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے۔

دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:۔

واما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء من الغذاء[2]

بہرکیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں بھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں — یہی بات شیخ الاسلام دہلوی فرماتے ہیں. ملاحظہ ہو:۔

ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی و اجساد ایشان نیز ثابت باشند و بوسیدہ نگردند۔ و آں حیات ہمچو حیات دُنیا باشد، با وجود استغناء از غذاء[3]

ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:۔

و قول مختار و متقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از ذوق موت زندہ اند بحیات دنیوی[4]

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی

---

[1] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ [2] ایضاً صفحہ ۴۰۷ [3] تیسیر القاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ [4] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۲۲

http://mujahid.xtgem.com

کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دینوی حیات کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح دینوی حیات میں ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے۔ اس طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دینوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم یصلّون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ فالحیّ لابد اما ان یکون عالماً او جاھلاً۔ ولا یجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلا۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل۔ اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لامحالہ آپ عالم ہوں گے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

لانّ عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامّۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام۔[2]

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے حس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۶ ص ۲۸۱ [2] ایضاً ص ۲۸۲

http://mujahid.xtgem.com

علامہ ابو الوفا علی بن محمد بن عقیل الحنبلیؒ کا ارشاد ہے:۔

وھو حیٌ فی قبرہ یصلّی [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بدر الدین بعلی الحنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاوے کا اختصار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلّون۔ [2]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں۔ اس لیے پابندی لازم نہیں۔ قد یصلّون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ [3]

علامہ عزیزیؒ حدیث ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الا رد اللہ علیّ روحی، ای رد علیّ نطقی لانہ حیٌ دائماً وروحہ لا تفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ [4]

اور روح سے مراد نطق ہے۔ کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

---

[1] الروضۃ البہیۃ ص۱۲ [2] مختصر الفتاویٰ جلد ص۱۷ [3] رضی جلد ۲ ص۲۸۸ ، متن متین ص۲۸

[4] السراج المنیر جلد ۳ ص۲۷۸

http://mujahid.xtgem.com

فالجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم[۱]

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفی حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وفیہ دلیل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی حیاۃ مستمرۃ۔[۲]

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دوامی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین السبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

ومن عقائدنا ان الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم[۳]

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وعندھم محمد صلوٰۃ اللہ علیہ حی فی قبرہ۔[۴]

اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت والجماعت کے امام ابوالحسن الاشعریؒ کے نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں — یہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے معنی مکتبہ فکر اشعری اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ اہلسنت والجماعت کے دونوں طبقے اشعری

۱؎ مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ ۲؎ نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۴۹۹ ۳؎ طبقات جلد ۶ صفحہ ۲۶۶ ۴؎ الرسائل القشیریہ صفحہ ۱

http://mujahid.xtgem.com

اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں — چنانچہ امام ابو منصور طاہر الشافعی البغدادیؒ لکھتے ہیں :-

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حي بعد وفاته یسر بطاعات امته.[۱]

ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی . بہر صورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں ۔

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

http://mujahid.xtgem.com

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفیؒ لکھتے ہیں :-

ولما هو مقرر عند المحققین انه صلی اللہ علیه وسلم حي یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انه حجب عن الابصار القاصرین من شریف المقامات.[۲]

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں ، آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں ۔ مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق وعبادات سے متمتع ہیں . لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں ، بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے ۔

---

[۱] وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۰۶ [۲] نور الایضاح ص ۱۷۷ ، رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳

http://mujahid.xtgem.com

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں:۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث [1]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد الکل ہیں کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں ـــــ علماء دیوبند جو خالص اہل سنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات پر کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے ـــــ ذیل میں علمائے دیوبند کے اپنے حوالے نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی یعنی سب سے پہلے محدثین۔ پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے۔

ملاحظہ ہو:۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی بخاری فرماتے ہیں:۔

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتعقبھا موت بل یستمر

[1] رسائل ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

http://mujahid.xtgem.com

حیًّا والانبیاء احیاء فی قبورھم[1]

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ کما ان الانبیاء احیاء فی قبورھم[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں:-

فدلت النصوص الصحیحۃ علی حیاۃ الانبیاء[3]

نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہؒ فرماتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ کما تقرر وانہ یصلّی فی قبرہ باذان واقامۃ۔[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان واقامت سے نماز

---

[1] حاشیہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ [2] بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱ [3] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ [4] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۹

http://mujahid.xtgem.com

پڑھنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

ان کثیراً من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القرآن عند الترمذی[1]

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں، اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت ہیں۔

غور کیجیے! قبر میں اذان واقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ بنص حدیث زندہ ہیں[2]۔

حضرت اقدس مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق صاحبؒ نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں:۔

انھم اتفقوا علیٰ حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیھم السلام متفق علیھا لا اختلاف لاحد فیہ[3]

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

غور فرمایئے! حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی حدیث ما من احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔

---

[1] فیض الباری ص ۱۸۳ ج ۱ [2] التکشف ص ۴۴۶ [3] انوار المحمود شرح ابی داؤد ص ۶۱۱ ج ۱ [4] معارف الحدیث ص ۲۴۸ ج ۵

http://mujahid.xtgem.com

آگے فرماتے ہیں :-

اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔[1]

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف و نبی اللہ حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق[2]

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے[3]

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ :-

اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں بلکہ[4]

متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں :-

عندنا و عند مشائخنا حیاۃ حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ

---

[1] معارف الحدیث ص۲۷۵ج۵ [2] ہدایۃ الشیعہ ص۳۶ [3] نشر الطیب ص۲۱۱ [4] معارف الحدیث ص۸۵ج۵

http://mujahid.xtgem.com

من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي في رسالة انباه الاذكياء بحيوة الانبياء حيث قال: قال الشيخ تقي الدين سبكي حيوة الانبياء والشهداء في القبر كحيوتهم في الدنيا ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان الصلوة تستدعي جسدا حيا الى آخر ما قال فثبت بهذا ان حيوته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ[1]

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسےٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ المہند علی المفند سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کے ان چھبیس ۲۶ اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں، جسے سرخیل علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

---

[1] المہند علی المفند ص۱۳، ص۱۴

http://mujahid.xtgem.com

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیں[۲۳] بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابلِ ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھواکر علمائے حرمین شریفین اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہوگئے ـــــ اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید چند حوالے اطمینانِ خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں:۔

حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے ساتر ہے رافع حیات اور دافعِ حیات نہیں۔[۱]

واضح رہے کہ حضرت نانوتوی نفسِ موت کو اعتقادِ لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:۔

میں انبیاء کرام کو انہی اجسامِ دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ پر حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانہم میتون۔ تمام انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرتِ انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا ـــ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیرِ پردۂ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے ـــ بمثل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] آبِ حیات ص۴۲، ص۳۳ بحوالہ سیرت المصطفےٰ [۲] لطائف قاسمی ص۳۳، ۴

http://mujahid.xtgem.com

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

(۱) اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح وسالم رہنا اور تغیر ارضی سے بالکل محفوظ رہنا۔

(۲) اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

(۳) اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔[۱]

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر۔[۲]

حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیاتِ جسمانی اور دنیوی سے یہی ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسدِ مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے، بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دُنیوی ہے، چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے :۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدانِ دُنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔[۳]

فقہائے دیوبند اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں :۔

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حیٌ یرزق۔[۴]

---

[۱] آب حیات، ص۱۴۳، ۲۳۴ [۲] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص۱۳۰ [۳] لطائف قاسمیہ ص۴ [۴] ہدایۃ الشیعہ ص۴۲

http://mujahid.xtgem.com

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں۔

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے [۱]

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب لکھتے ہیں۔

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے [۲]

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء میں فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں [۳]

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحاب ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی — بجز قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لیے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعوےٰ بھی صاف ہو جائے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون مع ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحيوة فيهم متعلقة

---

[۱] نشر الطیب صفحہ ۲۱۱ [۲] فتاویٰ دار العلوم مکمل و مدلل جلد ۵ صفحہ ۱۴۷ [۳] فتاویٰ دار العلوم غیر مطبوعہ

http://mujahid.xtgem.com

بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذري وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسرى بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي[1]

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیاتِ جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضراتِ انبیاء کی زندگی بطریقِ اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضراتِ انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ایک دوسری جگہ یہ فرماتے ہیں :-

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۶۴

http://mujahid.xtgem.com

احیاء فی قبورھم[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں. جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیّ بعد وفاته ویؤید ذٰلک ما ثبت ان الشھداء احیاء یرزقون فی قبورھم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم منھم[2]

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حیّ فی قبره حیٰوة مستقرة ابلغ من حیات الشھداء المنصوص علیھا فی التنزیل اذ ھو افضل منھم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه[3]

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیاتِ دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

---

[1] نیل الاوطار جلد ۵ ص۱۰۱ [2] ایضاً [3] اتحاف النبلاء ص۴۱۵

http://mujahid.xtgem.com

اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ علمائے نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پہ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ علمائے نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پہ کلی اعتماد کرتے ہیں:۔

اما الکلام علیٰ حیٰوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذٰلک اعتقاد سلف الامۃ وائمتنا وھم الاسوۃ[1]

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتداء ہیں۔

متاخرین اصحاب ظواہر حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں[2]

اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم[3]

حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذمہ دار اصحاب ظواہر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پہ متفق کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ پہ صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب حدیث۔ شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر

---

[1] الدرر السنیہ فی اجوبۃ النجدیہ جلد ا ص۲۷ [2] فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۵۵ ضمیمہ [3] عون المعبود جلد ا ص۴۰۶

http://mujahid.xtgem.com

میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض و اعراض نہیں کیا جا سکتا۔

اجماعِ امّت اور حیات الانبیاء

"علماء امت اور حیات الانبیاء" کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینانِ قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کیے جا رہے ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ:-

نحن نؤمن ونصدق بانه صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا۔[1]

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع منعقد ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسدِ اطہر کا محفوظ رہنا اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امّتِ مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک مدنی دلیل ہے۔

علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں:-

اما ھم فحیاتھم لا شک فیھا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلک (الی ان قال) منھم صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام۔[2]

بہرحال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے

---

[1] القول البدیع ص۱۲۵ [2] رسالہ مدینہ ص۱۴

http://mujahid.xtgem.com

کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہی اجماعِ سکوتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست۔[۱]

شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعوے کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :-

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔[۲]

نواب صاحب دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو۔ بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے۔ مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں :-

والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع۔[۳]

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگانِ دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء

مولانا ابوالعتیق عبدالہادی صاحبؒ نجیب آبادی لکھتے ہیں :-

انھم اتفقوا علی حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیھم السلام

---

[۱] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۶۱۳ [۲] مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۴۲۵ [۳] المنحۃ الوھبیہ صفحہ ۶

http://mujahid.xtgem.com

متفق علیہا لا اختلاف لاحد فیہ[1]

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:-

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے۔[2]

اصحابِ ظواہر حضرات اور اجماعی حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفیؒ لکھتے ہیں:-

اہلسنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں (آگے فرماتے ہیں) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔[3]

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں:-

واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر

---

[1] انوار المحمود شرح ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۶۱۱ [2] حیات نبوی [3] حیات النبیؐ صـ ۲۷

http://mujahid.xtgem.com

کون الشہداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشہداء۔[1]

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام اور شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

غور فرمایئے — جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رُو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہٰذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہے۔

سوال ۲: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دُنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے۔ نام متعین فرمائیں:۔

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پہ کفر کا فتوٰے دیا تھا۔ اس کا ایک بڑا جُرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضۂ اطہر کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء نے ان پر کُفر کا فتوٰے لگا دیا۔[2]

---

[1] فتح الباری جلد ۶ ص ۳۷۹ [2] بحوالہ رحمت کائنات ص ۵

http://mujahid.xtgem.com

اسی طرح فرقہ متقشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے ۔۔۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۳: حیات النبیؐ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبیؐ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: بلا تاویل حیات النبیؐ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:۔

(ویکرہ (امامۃ) مبتدع ای صاحب بدعۃ۔[1]

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:۔

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔[2]

سوال ۴: حجاج کرام کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی۔ تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے۔ مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

---

[1] الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۸۳ [2] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۸

http://mujahid.xtgem.com

زیارتِ روضہ اطہر احادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی [1]

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہو گئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے:۔

من زار بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی [2]

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں زیارت کر لی۔

غور فرمایئے! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے — وعد کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں — آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی [3]

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے ساتھ زیادتی کی۔

انہی وعدو وعید کی روایات کی بناء پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت گو اعتقادی اعتبار سے سنت سہی، تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے، چنانچہ محقق علی الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:۔

ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحبة وقریبة من الواجب نظرًا الی ھذا النزاع وھو الحق عندی فان الاف الالوف من السلف کانوا

---

[1] صحیح ابن خزیمہ۔ دارقطنی بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ص۲۶ [2] طحطاوی علی المراقی الفلاح ص۴۰۵ [3] ایضاً فصل فی زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن عدی بسند حسن مرقات المفاتیح)

http://mujahid.xtgem.com

یشدون رحالهم لزیارة النبی صلی الله علیه وسلم ویزعمونها من اعظم القربات[1]

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:۔

انها قریبة من الوجوب لمن له سعة[2]

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں:۔

تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جیّد حسن. ونیز مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت له شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصححه عبد الحق. ونیز فرمود او صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواہ ابو سعید بن منصور والدار قطنی. ووارد شدہ اند در فضل زیارت احادیث وآثار بسیار کہ اکتفا کردہ مے شود از آنہا بریں مقدار طلبا للاختصار۔[3]

اجماعِ امت اور زیارتِ روضہ اقدس

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ زیارتِ نبوی جہاں احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماعِ امت سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ مخدوم ہاشم سندھی فرماتے ہیں:۔

بدانکہ اجماع کردہ اند مسلماناں بر آنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات وافضل طاعات واکد سنن ومندوبات است[4]

[1] بحوالہ مذکورہ بالا [2] فیض الباری جلد ۲ ص ۴۳۳ [3] شامی جلد ۱ ص ۲۰۹ [4] حیات القلوب ص ۲۹۸ [5] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:۔

اعلم ان زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات وانجح المساعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات بل قیل انھا من الواجبات لمن لہ سعۃ وترکھا غفلۃ عظیمۃ وجفوۃ کبیرۃ وفیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی الزیارۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید قال بعض المالکیۃ بان المشی الی المدینۃ افضل من الکعبۃ وبیت المقدس[1]

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارتِ نبویؐ اجماعِ امت سے ثابت ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا۔ نیز درجہ کی تعیین کے ساتھ ترکِ زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ ـــــ یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے ـــــ ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے (بعد میں زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے:۔

قالوا. ان کان الحج فرضاً قدمہ علیھا والا تخیر[2]

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرے:۔

والاولی فی الزیارۃ تجرید النیۃ لزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

الحاصل ـــ مسلمانوں کا یہ عمل امتِ محمدیہ کا عظیم اجماع ہے۔ جس پر دورِ صحابہؓ سے لے کر

---

[1] بذل المجہود جلد ۳ صـ۲۰۰ [2] طحطاوی علی المراقی الفلاح صـ۴۰۵ [3] ایضاً

http://mujahid.xtgem.com

آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالک والشافعی وابو حنیفة واحمد علی ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من افضل المندوبات۔[1]

لہٰذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سُنتے ـــــ روضہ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا ـــــ جن میں سماع النبی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے ـــــ انکار ہے اور اجماعِ امت سے انحراف جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے ـــــ اعاذنا اللہ منہ ـــــ وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے۔ چنانچہ بذل المجہود کی عبارت گذر چکی ہے۔

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:-

وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتی قبیحہ[2]

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجبِ وعید شدید ہے۔

سوال ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال وکذاب ومشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

جواب: منکرینِ حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہلسنت والجماعة سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند ایسے شخص کو اہل سنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ـــــ اس باب (حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔[3]

---

[1] حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلامؒ جلد اول ص ۱۲۹ [2] حیات القلوب ص ۲۹۸ [3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند غیر مطبوعہ

http://mujahid.xtgem.com

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو کافر، مشرک اور دجال کہیں، یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

سوال ۱۷: منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہلسنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے۔ حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو معانی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر بن احمد الحنفی لکھتے ہیں:-

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وینکر الکرام

http://mujahid.xtgem.com

الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرویة لانه کافر[1]

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبدالواحد الحنفی السیواسیؒ فرماتے ہیں :۔

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعة والرؤیة وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافر لتوارث ھٰذہ الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم[2]

شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتدار میں نماز درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکارِ عذابِ قبر کو کفر لکھا ہے[3]

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں :۔

فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمه حق کما صرحت به الاحادیث الصحیحة ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رویة عذاب القبر ونعیمه لحکمة الٰھیة ومن شك فی ذٰلك فھو ملحد[4]

---

[1] خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۹ [2] فتح القدیر مصری جلد ۱ ص ۲۴۷ [3] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۰۱ طبع مصری
[4] مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوہاب الشعرانی ص ۳۶ طبع مصری۔

http://mujahid.xtgem.com

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ عبدالشکور السالمیؒ فرماتے ہیں:۔

فاما عذاب القبر للمؤمنين حق للكافرين من الواجبات والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدوا و عشيا يعني فرعون وقومه دل انه كان صحيحا في اي موضع وعلى اي حال ومن انكر هذا يصير كافرا والله اعلم[1]

عذابِ قبر مومنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے، جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو۔ جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

مولانا عبدالعلی بحرالعلوم الحنفیؒ لکھتے ہیں:۔

منكر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر وكرام الكاتبين كافر[2]

ترجمہ: اہلِ کبائر کی شفاعت کا منکر، رویتِ باری تعالیٰ کا منکر، عذابِ قبر کا منکر اور کرام کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

دستخط حضرات مفتیانِ کرام

مہر دارالافتاء، جامعہ اسلامیہ دیوبند ۲۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

---

[1] تمہید ص ۱۲۵ طبع مصر [2] رسائل بحرالعلوم ص ۹۹

http://mujahid.xtgem.com